سی پی میں کانگریس راج

صوبہ متوسط وبرار کی کانگریسی وزارت کی مستند تاریخ

مرتبہ

(حکیم) اسرار احمد کریوی
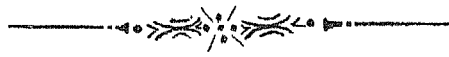
کتاب ملنے کا پتہ:-

مرزا اسمٰعیل بیگ آنریری جنرل سکریٹری شہر و ضلع مسلم لیگ ناگپور شہر (سی-پی)

قیمت فی مجلد دو روپیہ

عرضِ حال

ایک خط

۲۷ / اپریل ۱۹۳۹ء

مکرمی جناب حکیم صاحب تسلیم !

جب سے آپ کے صوبہ میں کانگریسی وزیروں نے حکومت سنبھالی ہے، اُن کے انداز حکمرانی اور انتظامی طریق کار کے متعلق طرح طرح کے مختلف اور متضاد بیانات دیکھنے میں آتے ہیں۔ اگر مسلمانوں کے اُردو اخبارات کی بہم پہنچائی ہوئی اطلاعات کو صحیح تسلیم کیا جائے تو ایک ہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ صوبۂ متوسط و برار کی کانگریسی وزارت نہ صرف ہندو نواز ہی بلکہ مُسلم آزار بھی ہے۔ دوسری جانب ہندو اخبارات سارا الزام مُسلمانوں کے سر تھوپتے ہیں۔ ایسی صورت میں کسی صحیح نتیجہ پہ پہنچنا کس قدر مشکل ہے؟ حکیم صاحب! مجھ ایسے کتنے لوگ ہیں جو صحیح حالات جاننے کے لئے بیتاب ہیں۔ اس لئے کیا اچھا ہو کہ آپ نجی طور پر ایک چھوٹی سی کمیٹی بنا کر اپنی شکایات اور تکالیف کو مُرتب کریں اور ہم لوگوں کو کسی صحیح فیصلہ پہ پہنچنے میں مدد دیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ رپورٹ میں صرف وہی واقعات و حالات درج کئے جائینگے جو بالکل صحیح اور تصدیق شدہ ہوں گے۔ اگر آپ اس اصول پر سختی سے کاربند ہوئے تو دوست دشمن اور اپنے بیگانے سبھی آپ کی باتیں ماننے پر مجبور رہوں گے۔ اس کے خلاف اگر آپ نے "زیب داستان" کے لئے مبالغہ آرائی سے کام لیا، تو اوروں کا کیا ذکر میں خود بھی سمجھوں گا کہ آپ لوگوں کو صرف "گھر کی رونق" سے غرض ہے اور آپ کا کام "ہنگامہ آرائی" کے سوا کچھ نہیں، خواہ یہ "نغمہ شادی" سے بسر ہو یا "نوحۂ غم" سے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ میری صاف گوئی کو بدگمانی پہ محمول نہ کر بیٹھیں۔ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں

کہ رپورٹ کی ترتیب میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا جائے اور جو کچھ لکھا جائے وہ ناقابل تردید شہادتوں اور صحیح اعداد و شمار پر مبنی ہو۔ جان بوجھ کر غلط بیانی بدترین اخلاقی جُرم ہے، جو کسی حال میں معاف نہیں کیا جاسکتا۔ اب آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔

آپ کا

....

میں اپنے ان بزرگ کا جن کے اسم گرامی کے اظہار کی، خود انھیں کے ارشاد کے مطابق مجھے اجازت نہیں، جس قدر بھی ممنون ہوں کم ہے۔ اِسی خط نے "سی، پی میں کانگریس راج" کی ترتیب کا راستہ دکھایا۔ اِس کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ صرف صحیح اور مستند اعداد و شمار کی روشنی میں رپورٹ کی ترتیب عمل میں آئے۔ اگر اعداد و شمار میں کہیں تھوڑا بہت فرق بھی ہوا تو وہ ایسا نہ ہوگا کہ ان اعداد و شمار سے جو نتیجہ نکالا گیا ہے، اس پر کوئی اثر پڑے۔

لوکل باڈیز کے اعداد و شمار کے حاصل کرنے میں بڑی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا، اس لئے بہت سے مقامات کے اعداد و شمار مُہیا نہ ہو سکے یا نامکمل ملے۔ بہرحال اس ذیل میں جو اعداد و شمار بھی پیش کئے گئے ہیں، مُستند ذرائع سے حاصل کئے گئے ہیں۔

بعض مجبوریوں اور مصلحتوں کی بنا پر میں اُن حضرات کا نام ظاہر کرنے سے معذور ہوں جنھوں نے واقعات و اعداد و شمار کی فراہمی میں مدد کی اور جن کی مخلصانہ نوازشوں کی بدولت یہ رپورٹ معرض وجود میں آسکی۔

رپورٹ میں محکمۂ امن و قانون کے تحت میں جو واقعات درج کئے گئے ہیں۔ وہ کانگریسی دَورِ حکومت کے ہیں۔ لوکل سیلف گورنمنٹ کے اعداد و شمار اس دَور کے ہیں جبکہ ان اداروں پر کانگریسی اکثریت کا غلبہ ہوچکا تھا۔

چونکہ جون ۳۷ء سے دسمبر ۳۹ء تک اعداد و شمار فراہم کئے گئے۔ اِسلئے اس دَوران

میں جو معاملات تکمیل تک پہنچے تھے یا جو مقدمات زیر سماعت تھے ان کے بارے میں ویسا ہی درج کیا گیا ہے۔

اس رپورٹ میں صرف صوبہ متوسط و برار کے واقعات و حالات ہیں۔ اور یہی وہ صوبہ ہے جس کے ایک گاؤں سیوا گرام کو گاندھی جی کی مستقل قیام گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ بات کسے معلوم نہیں کہ گاندھی جی کانگریس کے کرتا دھرتا اور سب کچھ ہیں۔ مغربی طرز کی جمہوری حکومت کے ہندوستان کے مسلمانوں کو جو اندیشے ہیں کہاں تک حق بجانب ہیں؟ اس کا جواب یقیناً آپ کو اس رپورٹ سے ملجائیگا۔ اسی طرح اس سے گورنروں کے خصوصی اختیارات کا پردہ بھی چاک ہو جاتا ہے۔ جو ۱۹۳۵ء کے دستور ہند کا طرۂ امتیاز سمجھا جاتا ہے۔

۲۵ راپریل ۱۹۴۱ء

اسرار احمد کریوی

فہرست مضامین (سی پی میں کانگریس راج)

نمبر شمار	عنوان مضمون	صفحہ

ح

فرقہ پرستی اور مسلم دشمنی

کی

چند موٹی موٹی مثالیں

چلتا ہی بس تو دیکھ رہے ہیں چلا کے زور

مجبور کر دیا ہی اُنہیں اختیار نے

(مولانا ناطق ناگپوری)

۷۸۶

مصرا۔ تھا۔ شکلا اور شریف

شریف یہ ایک مسلّمہ اور ہر جگہ رواج پذیر قدیم معمول ہے کہ سزا یافتہ مجرمین حکومت کے پاس سزا کی معافی یا تخفیف کے لئے رحم کی درخواست کرتے ہیں۔ اور حکومت زیر دفعات ۴۰۱ و ۴۰۲ ضابطہ فوجداری اپنے اختیار رحم کو استعمال کرکے ملزم کو معافی یا سزا میں تخفیف کا حکم دیتی ہے یا درخواست نامنظور کر دیتی ہے۔ ہر سال اسی طرح کے سینکڑوں واقعات ہوتے ہیں۔ کانگریسی کابینہ کے پہلے وزیر عدالت مسٹر شریف کے پاس جولائی ۳۷ء سے مارچ ۳۸ء تک دو سو تریسٹھ درخواستیں رحم کی آئیں۔ انھوں نے صرف بہتّر درخواستوں کے سلسلہ میں اپنے اختیارات رحم کو استعمال کیا۔ ان بہتّر فائدہ پانے والوں میں ستّرہ مسلمان ہیں (ملاحظہ ہو روئداد سی۔ پی اسمبلی بابت ۲۹ مارچ ۳۸ء۔ جلد ۲ صفحات ۱۰۱۲ و ۱۰۱۳) جن کے حق میں اختیارات رحم کو استعمال کیا گیا اُن میں ہر طرح کے مجرم ہیں۔ قتل کے مجرمین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان درخواست کنندوں میں سے ڈھو۔ گنگو اور عبدالرزاق (دو ہندو اور ایک مسلمان) بھی تھے جنھیں ایک چودہ سالہ لڑکی کے ساتھ زنا بالجبر کی اعانت میں دو۔ دو سال کی سزا ہوئی تھی۔ مسٹر شریف نے ان کی درخواست کے سلسلہ میں یہ رائے قائم کی کہ چونکہ عدالت نے یہ امر تسلیم کیا ہے کہ لڑکی اگرچہ قانوناً نابالغ تھی لیکن آوارہ مزاج تھی اور واقعہ متعلقہ کے پہلے سے مقاربت جنسی کی لذت سے پوری طرح آشنا ہو چکی تھی نیز مقدمہ کے سلسلہ میں ان ملزمین کو جتنی پریشانی اور زیر باری کا سامنا ہوا وہ ایک مزید سزا ان کے لئے ہوئی ہے اس لئے انھیں کافی سبق مل چکا۔ اور ان کی سزا بجائے دو سال کے اگر ایک سال کر دی جائے تو چنداں ہرج نہیں۔ ان دو ہندو اور ایک مسلمان مجرمین کی سزا میں تخفیف کے

بعد اسی مقدمہ میں سزا یافتہ ملزم ظفر حسین کی درخواست رحم بھی آئی جنہیں تین سال کی قید اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا ہوئی تھی۔ مسٹر شریف نے اس درخواست پر انہیں واقعات کے پیش نظر جو اسی مقدمہ کے تین دیگر ملزموں کی سزا میں تخفیف کے محرک ہوئے تھے ظفر حسین کی سزا بھی تین سال سے گھٹا کر ایک سال کر دی مگر جرمانہ کی سزا بحال رہنے دی۔ ظفر حسین کی سزا میں تخفیف کیا ہوئی کہ نہ صرف سبھائی بلکہ بعض کانگریسی ہندو حلقہ میں بھی ایک تہلکہ مچ گیا۔ یہ امر قابل غور ہے کہ ظفر حسین کے ساتھ رحم کئے جانے سے پہلے کسی مجرم کی رعایت پر کوئی اعتراض نہ کیا گیا بلکہ جب اسی مقدمہ اور اسی جرم کے سزا یافتہ دو ہندو مجرمین مسٹر شریف کے تخفیف سزا کے حکم کی بدولت رہا ہوئے تب بھی کوئی اعتراض یا شور ہنگامہ نہیں ہوا۔ لیکن جب ظفر حسین کی سزا میں تخفیف کی گئی تو ہندو حلقوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ کانگریسی ہائی کمان نے باوجود اس امر کے کہ صوبہ کی کانگریسی اسمبلی پارٹی مسٹر شریف کے فعل کو جائز قرار دیتے ہوئے ان پر اعتماد کا ریزولیشن پاس کر چکی تھی ہندوؤں کی ایک ٹولی کے شور کو ہر طرح قابل اعتنا سمجھا اور مسٹر شریف کے خلاف ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کر دیا۔ اس سلسلہ میں بھی دو باتیں قابل تذکرہ ہیں۔ حکم سر منمتھا ناتھ مکرجی کو بنایا گیا جو کلکتہ ہائی کورٹ کے سابق جج اور غیر کانگریسی ہونے کے علاوہ ہندو مہاسبھا سے گہرے طور پر وابستہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ انہیں صرف اس امر پر تحقیقات کرنے کی ہدایت کی گئی کہ ظفر حسین کی سزا میں تخفیف کرنے میں مسٹر شریف نے بددیانتی جانب داری یا فرقہ پرستی، حد اختیار سے تجاوز یا کسی اور قابل اعتراض اثرات سے کام لیا ہے یا نہیں۔ وٹھو یا گنگو کے رہائی کے معاملہ کو قابل تحقیقات نہ سمجھا گیا بلکہ صرف ظفر حسین کے معاملہ کو۔ جب کمیشن نے تحقیقات شروع کی۔ ہندوؤں نے کمیشن کے پاس ہر طرح کے متعلق اور غیر متعلق کاغذات پیش کئے۔ ہندوؤں سے رکن کمیشن نے کہا کہ جو کچھ بھی ثبوت اس سلسلہ میں تم پیش کر سکتے ہو لاؤ۔ سر منمتھا نے کسی شہادت یا ثبوت کو اس بنا پر کہ یہ غیر متعلق ہے پیش کئے جانے سے نہیں روکا۔ انہوں نے الزام لگانے والی جماعت کو اس کا پورا موقع دیا کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں کہیں۔

مسٹر داپٹیل نے خود بھی ایک تحریر مسٹر شریف کے خلاف بھیجی، الزام لگانے والوں کی تمام شہادتوں اور ثبوتوں اور مسٹر شریف کی صفائی کو سننے اور ان پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد سر منمتھا اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسٹر شریف نے نہ تو حد اختیار سے تجاوز کیا ہے اور نہ فرقہ پرستی کا کوئی ثبوت موجود ہے اور نہ بد دیانتی ثابت ہے اور نہ کسی اور قابل اعتراض امر کو کام میں لانے کا شائبہ پایا جاتا ہے۔ البتہ واقعات مقدمہ کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس مقدمہ میں تخفیف سزا کی رائے قائم کرنے میں ان کی "قوت فیصلہ نے غلطی کی"۔ واضح رہے کہ کمیشن کو اس امر کا مجاز نہیں بنایا گیا تھا کہ وہ اس بات کی بھی تحقیقات کرے کہ واقعات مقدمہ کے پیش نظر کیا رائے قائم کی جانی چاہیئے تھی بلکہ صرف اس امر کی تحقیقات کا مجاز بنایا تھا کہ مسٹر شریف کا طرز عمل نفس مقدمہ سے قطع نظر کسی خارجی قابل اعتراض اثرات کے تحت تو نہیں تھا۔ باوجود اس کے کہ جن عنوانات کے تحت تحقیقات کرنے کا مجاز ہائی کمان نے کمیشن کو بنایا تھا ان عنوانات کے سلسلہ میں کمیشن نے مسٹر شریف کے خلاف کسی الزام کا ثبوت نہیں پایا۔ کمیشن نے اپنے حد اختیار سے تجاوز کرتے ہوئے ایک ایسے معاملہ پر رائے دیدی جس کا اُسے مجاز نہیں بنایا گیا تھا۔ پھر "قوت فیصلہ کی غلطی"، کس بشر اور کس انسان سے سرزد نہیں ہوتی؟ یہ کوئی ایسا جرم نہ تھا کہ جس کے باعث کانگریس کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا کسی وزیر کا ایک ملزم کی سزا تین سال سے کم کرکے ایک سال کر دینا ایک بہت ہی معمولی بات ہے ایسی رائے قائم کرنے میں بلا کسی اثر سے متاثر ہوئے قوت فیصلہ سے غلطی سرزد ہو جانا (اگر کمیشن کی رائے درست تسلیم کر لی جائے) کسی منصف مزاج کے نزدیک ایسا قصور نہیں قرار پا سکتا کہ اُسے وزارت کے قابل نہ سمجھا جائے لیکن ہائی کمان نے اس قوت فیصلہ کی غلطی کو بھی ناقابل معافی جرم تصور کیا اور مسٹر شریف کو وزارت سے علیحدہ ہونے پر مجبور ہونا پڑا۔ اپنوں کو چھوڑ کر غیروں سے رشتہ جوڑنے کا خمیازہ انہیں مل گیا۔

شکلا

جبل پور میں ۱۹۳۷ء کے دسہرہ میں فسادات ہوئے اور ایک ہندو زخمی ایک ہفتہ بعد انتقال کر گیا تو کانگریسی حلقوں میں بڑی چیخ پکار ہوئی وزیر اعظم

ڈاکٹر کھرے جبلپور گئے۔ تحقیقاتی کمیشن حکومت نے مقرر کیا اور مقدمات فساد کی پوری تکمیل کی گئی جس میں متعدد مسلمانوں کو سزا ہوئی۔ ایک مسلمان کو دس سال کی سزا ہوئی۔ ہولی ۱۹۳۸ء میں جبل پور میں پھر فساد ہوا اور چار مسلمان قتل ہوئے۔ نہ وزیر دوڑے نہ تحقیقاتی کمیشن بیٹھا مقدمات چلے اور کئی موٹے موٹے کانگریسی جن میں صاحب تمول اور میونسپل کمشنر بھی تھے قتل کے الزام میں ماخوذ ہوئے۔ ڈاکٹر کھرے وزیر اعظم کے پاس درخواست پیش کی گئی کہ مقدمہ اٹھالیا جائے۔ ڈاکٹر کھرے نے اسے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اس اثنا میں ڈاکٹر کھرے کو بھی وزارت سے بہ ہزار خرابی نکلنا پڑا اور مسٹر شکلا وزیر اعظم ہوئے۔ مسٹر مصرا جو جبل پور کے حلقہ سے منتخب شدہ ہیں وزارت کے نفس ناطقہ بنے۔ مسٹر شکلا نے ڈاکٹر کھرے کی نامنظور کی ہوئی درخواست پر دوبارہ غور کیا اور تمام زیر سماعت مقدمات کو اٹھالئے جانے کا حکم دیدیا۔ مسلمانوں نے اس پر بہت شور و اویلا کیا۔ مسلمان ملزمین نے درخواستیں دیں کہ وہ وزارت کے رحم و کرم کے رہین منت ہونا نہیں چاہتے اُن پر مقدمہ چلایا جائے۔ مگر کانگریس ہائی کمان نے اس کھلی ہوئی طرف داری کے متعلق کسی تحقیقات کی ضرورت نہ سمجھی مسٹر شکلا کے طرز عمل میں صاف طور پر کئی قابل اعتراض اثرات موجود تھے:۔

(۱) معاملہ انفرادی نہ تھا بلکہ فرقہ وارانہ تھا۔

(۲) مقدمہ اُٹھانے کے ملتجی صرف ہندو تھے۔

(۳) بڑے بڑے کانگریسی اس میں ماخوذ تھے۔

(۴) اس سے پہلے کے فرقہ وارانہ بلووں کے مقدمات میں کانگریسی وزارت نے یہ طرز عمل نہیں اختیار کیا تھا۔

(۵) جبلپور کے علاوہ اور مقامات پر بھی اُسی سال بلوے ہوئے مگر اُن میں کانگریسی یا ہندو ملزم نہ تھے اور وہاں کے مقدمات نہیں اُٹھائے گئے۔

(۶) مسٹر مصرا وزیر کے ایک رشتہ دار بھی اس مقدمہ میں ماخوذ تھے۔

(۷) سابق وزیر اعظم اس درخواست کو نامنظور کر چکے تھے۔ لیکن مسلمانوں کا تمام شور واویلا بے اثر رہا اور ایسے کھلے ہوئے مشتبہ حالات کے ہوتے ہوئے بھی ہائی کمان نے تحقیقات کی ضرورت نہیں سمجھی۔

مہتا

مسٹر شریف کی علیحدگی کے بعد وزیر عدالت مسٹر مہتا ہوئے۔ انہوں نے ہوشنگ آباد کے ایک ہندو ملزم کو جسے ایک کم عمر معصوم مسلمان لڑکی کو زہر کھلا کر مار ڈالنے پر سشن سے سزائے موت ہوئی تھی اور اپیل پر بھی ہائی کورٹ سے سزائے موت بحال رہی تھی بالکل بری کر دیا۔ اس واقعہ نے مسلمانوں میں سخت جذبات نفرت پیدا کئے۔ مسلمانوں نے سخت ترین احتجاج کیا۔ اس غیر منصفانہ طرز عمل نے مسلمانوں کے علاوہ ملک کے ہندو سنجیدہ طبقہ کو بھی حیران بنا دیا۔ چنانچہ ناگپور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن جیسی ذمہ دار جماعت نے وزیر متعلقہ کے اس طرز عمل پر اظہار نفرت کی تجویز منظور کی۔ مگر اس تمام شور و غوغا کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا مسلمانوں کا ہر جائز مطالبہ تو پائے استحقار سے ٹھکرا ہی دیا جاتا ہے۔ مگر ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کی تجویز بھی ہائی کمان کے نزدیک قابل اعتنا نہ ٹھہری۔ اور مسٹر مہتا کے طرز عمل کی تحقیقات ضروری نہ سمجھی گئی۔ حالانکہ ان کے معاملہ میں بھی چند کھلی ہوئی قابل اعتراض باتیں موجود تھیں:۔

(۱) مسٹر شریف کی طرح انہوں نے مجرم کی حالت قابل رحم قرار دے کر رعایت نہیں کی تھی بلکہ عدالت سشن اور عدالت عالیہ کے فیصلہ سے اختلاف کیا تھا۔

(۲) سزا میں تخفیف نہ کی تھی بلکہ سزائے موت کے مجرم کو بالکل رہا کر دیا تھا۔

(۳) ہوشنگ آباد کے کانگریسی اصحاب ملزم کی طرف سے مقدمہ میں بہت دلچسپی لے رہے تھے۔

(۴) جو وکیل ملزم کی طرف سے پیروکار تھے وہ مسٹر مہتا کے گہرے دوست اور ان کے ساتھ پڑھے ہوئے تھے۔ مگر ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے تحقیقات نہیں کی گئی۔

مصرا مسٹر مصرا کے معاملہ میں جو طرزِ عمل ہائی کمان نے اختیار کیا وہ ہر شخص اور شائستہ انسان کو شرم سے گردن جھکا لینے پر مجبور کر دیتا ہے۔ جون ۳۷ء میں ایک مسلمان عورت نے جبل پور کوتوالی میں رپورٹ کی کہ اس کی نابالغ لڑکی کا اغوا ہو گیا ہے اور اس کا شک مسٹر مصرا کے ڈرائیور نانا نایئڈو پر ہے۔ دورانِ تحقیقات میں پولیس کو یہ معلوم ہوا کہ اس اغوا میں مسٹر مصرا اور اُن کے کئی دوستوں کا زبردست ہاتھ ہے۔ پولیس کو یہ بھی پتہ چلا کہ مسٹر مصرا اور اُن کے سرپرست سیٹھ گوبند داس اس کی پوری کوشش کر رہے ہیں کہ لڑکی اور ملزم کا سُراغ نہ ملے۔ مسٹر مصرا پر کتنا سنگین الزام تھا اُس کا اندازہ پولیس ڈائری کے اُن ٹکڑوں سے ہو سکتا ہے جس کو بعض لوگوں نے حاصل کر کے اخبارات میں چھپوایا اور ایک حلفیہ بیان کے ساتھ ناگپور ہائی کورٹ میں داخل کیا۔ بہت دنوں کی تلاش کے بعد جب لڑکی کو پولیس نے برآمد کیا تو لڑکی نے پولیس کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا کہ "میری ماں کی عدم موجودگی میں نانا نایئڈو آیا اور کہا کہ تیری ماں تجھے بلا رہی ہے۔ جب میں باہر نکلی تو اس نے ایک موٹر پر مجھے زبردستی ڈال دیا اور موٹر چلا دی۔ میرے چیخنے چلّانے کی آواز کو اُس نے موٹر کا ہارن بجا بجا کر دبا دیا۔ موٹر پر ایک آدمی اور تھا جسے میں اندھیرے کے سبب نہیں پہچان سکی۔ مجھے گوپال باغ میں لیجا کر تالے میں بند رکھا گیا۔ نانا نایئڈو نے اُس رات کئی بار میری عصمت دری کی۔ نایئڈو مجھ سے بار بار یہ کہا کرتا تھا کہ مجھے مصرا جی کے گھر میں رہنا ہوگا۔ وہاں بڑے آرام اور چین سے کٹے گی۔ وہ بڑے آدمی ہیں۔" لڑکی کا حسبِ ذیل بیان جو پولیس ڈائری میں درج ہے مصرا جی کے خلاف جرم کو ثابت کرتا ہے:-

"گوپال باغ میں میرے پہنچنے کے ایک یا دو دن بعد ایک رات مصرا جی میری کوٹھری میں آئے اور مجھ سے کہا کہ میرے گھر چلو۔ اور اس طرح کی باتیں کرنے لگے جو مجھے ناگوار معلوم ہوئیں۔ میں نے اُن کے گھر جانے سے انکار کیا اور اس پر بھی راضی نہ ہوئی کہ وہ میرے ساتھ صحبت کریں۔ لیکن اُس شب کو اُنھوں نے میرے ساتھ زنا کیا۔"

پولیس کے کاغذات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ لڑکی کو بمبئی بھیجا جا رہا تھا تلاشی میں ایک کاغذ ملا جس میں سیٹھ گوند داس کی فلم کمپنی "اورس چترا" جس کے منیجر مسٹر مصرا تھے) کے بمبئی آفس اور ایک ملازم کا پتہ لکھا تھا۔ جس کے مکان سے لڑکی برآمد ہوئی اُس نے پولیس کے سامنے اقبال کیا کہ اُس کے بھتیجے نے جو نانا ئیڈو کا دوست ہے لڑکی اور یہ پتہ اور رقم حوالہ کی کہ اُسے بمبئی پہنچا دیا جائے۔ پولیس کے کاغذات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر جارج ڈی سلوا سابق صدر جبل پور میونسپل کمیٹی اور ڈاکٹر مس قاضی سے لڑکی کے بلوغیت کا جھوٹا سرٹیفکیٹ لینے کی کوشش کی گئی تھی مگر ناکامی ہوئی کیونکہ ان دونوں نے جعلی سرٹیفکیٹ دینے سے انکار کیا اور بعد معائنہ کہدیا کہ لڑکی نابالغ ہے۔ اس سلسلہ میں پولیس نے مسٹر مصرا کا بیان لینا چاہا مگر کامیاب نہ ہوئی۔ ڈائری کے الفاظ یہ ہیں :-

> "جب سب انسپکٹر اُن کے پاس گئے تو اُنہوں نے کہا کہ وہ بہت بیمار ہیں اور صاحب فراش ہیں اور باہر نکلنے کے قابل نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بیماری بناوٹی ہے اور وہ سب انسپکٹر کے سوالات سے بچنا چاہتے تھے کیونکہ یہ معلوم ہوا کہ بعد میں وہ گھومتے ہوئے دیکھے گئے اور تندرست حالت میں تھے"

پولیس اس مقدمہ کی تحقیقات کر رہی تھی اور ایک دو دن میں مجسٹریٹ کے سامنے ان کی شناخت ہونے والی تھی کہ کانگریس نے انہیں وزیر منتخب کر لیا۔ اور ان کے خلاف حکومت نے مزید کارروائی کرنے سے پولیس کو حکماً روک دیا۔ اور اس طرح اتنے سنگین الزامات سے آلودہ شخص بغیر اپنے جرم کی صفائی پیش کئے ہوئے وزارت جیسے کام پر مامور کیا گیا۔ غالباً گاندھوی صداقت کی راج گدی ایسے ہی لوگوں کے لئے موزوں ہے۔ بہر حال جب حکومت نے اپنے اختیار کے زور سے اِن کے اخلاق سوز الزامات کی پردہ پوشی کر دی تو منصف مزاج لوگوں نے اِس کے خلاف آواز اٹھائی اور ہائی کمان کے کانوں تک ہر طرح یہ بات پہنچائی

گئی کہ پہلے ان کے خلاف جو الزامات ہیں اُن کی صفائی ہونی چاہیئے اور ہائی کمان کو چاہیئے کہ اس کی غیر جانب دارانہ تحقیقات کرے۔ لیکن ہائی کمان نے اس مطالبہ کو سال بھر ٹالا۔ اور جب بہت ہی بے بس اور لاجواب ہوئی تو شریف صاحب کے معاملہ کی طرح کسی سابق جج اور غیر کانگریسی آدمی کو نہیں مقرر کیا بلکہ ورکنگ کمیٹی کے ایک ممبر مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی کو۔ انہوں نے شریف صاحب کے معاملہ کے تحقیقات کنندہ کی طرح الزام لگانے والوں کو اس کی آزادی نہیں دی کہ واقعاتی ثبوت اور شہادت کے ذریعہ جرم کو ثابت کرسکیں بلکہ مسٹر ڈیسائی نے بہت سی شہادتوں اور ثبوتوں کے لینے سے اس بہانہ انکار کر دیا کہ یہ نفس معاملہ سے غیر متعلق ہیں یا عدالتوں میں رائج قوانین شہادت کی دفعات کی روشنی میں ایسی شہادت یا ایسا ثبوت ناقابلِ قبول ہے۔ اس کی ذرا وضاحت کر دینی ضروری ہے۔ قانون شہادت کے مطابق کسی دعوے کے ثبوت میں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے فلاں شخص کو ایسا کہتے ہوئے سُنا تھا۔ اور فلاں شخص زندہ ہو۔ گواہی دینے کے قابل ہو اور ممکن طریقہ پر دستیاب ہوسکتا ہو تو اس فلاں شخص کی شہادت بھی پیش کرنی لازمی ہے ورنہ گواہی دینے والے کا بیان بطور ثبوت قابل قبول نہ ہوگا۔ لیکن عدالت میں مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو اس کا موقع حاصل رہتا ہے کہ اگر متعلقہ گواہ شہادت دینے میں آنا کانی کرے تو عدالت سے بذریعہ سمن اور اس پر بھی نہ آئے تو بذریعہ وارنٹ اُسے عدالت میں گواہی دینے پر مجبور کیا جائے مگر مسٹر ڈیسائی کسی کو گواہی دینے پر مجبور نہیں کر سکتے تھے نہ مسٹر مصرا پر الزام لگانے والوں کو یہ موقع حاصل تھا کہ نارضامند گواہ کو مسٹر ڈیسائی کے سامنے شہادت دینے پر مجبور کرسکیں۔ ایک وزیر کے خلاف گواہی دینے پر راضی ہونا آسان نہیں، اس لئے اس قسم کی تحقیقات میں قوانین شہادت پر ایسی سخت پابندی کے ساتھ عمل کہیں نہیں کیا جاتا اور مسٹر ڈیسائی کا ایسا کرنا سراسر غیر منصفانہ اور جانبدارانہ فعل تھا۔ اس صریح زیادتی کو دیکھتے ہوئے الزام لگانے والوں نے تحقیقات میں حصہ لینے سے انکار کر دیا اور ہائی کمان نے مسٹر مصرا کو بے قصور قرار دے کر مزید تحقیقات کی ضرورت نہ سمجھی۔

اسباب تفاوت

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان چاروں وزرار کے ساتھ سلوک میں۔اس تفاوت کا سبب کیا ہے؟ "مسٹر شریف" قوت فیصلہ کی غلطی" پر وزارت سے الگ کر دیئے جاتے ہیں اور مسٹر شکلا اور مسٹر مہتا کے خلاف ایسے سنگین الزامات ہوتے ہوئے بھی انھیں علیٰحدہ کرنا تو کجا کمیشن تک مقرر نہیں کیا جاتا اور مسٹر مصرا کا معاملہ ڈیڑھ سال تک کھٹائی میں ڈال رکھنے کے بعد کسی غیر کانگریسی۔غیر جانبدار ہائی کورٹ کے سابق جج کے حوالہ نہیں کیا جاتا بلکہ اپنے ہی ہم نوا ورکنگ کمیٹی کے ممبر کے حوالہ ہوتا ہے اور یہ تحقیقات بھی مکمل نہیں کی جاتی۔اگر قوت فیصلہ کی غلطی مسٹر شریف کو وزارت کے لئے ناقابل ٹھہرا سکتی ہے تو کیا یہ تینوں وزرار انسان کے سوا کچھ اور ہیں کہ ان کے بارے میں "قوت فیصلہ کی غلطی" کے امکان کا گمان بھی نہیں ہو سکتا؟ آخر کیا وجہ ہے کہ مسٹر شریف کے معاملہ میں صوبہ کی اسمبلی پارٹی کے اظہار اعتماد کے باوجود ہائی کمان کو اطمینان نہیں ہوتا اور کمیشن مقرر کیا جاتا ہے مگر ان تینوں وزرار کے معاملہ میں محض ملزم وزرار کا بیان ہی ہائی کمان کو مطمئن کر دیتا ہے؟ ہائی کمان کے سلوک میں جو بیّن فرق ہے اس کے متعلق حسب ذیل نتیجہ پر پہونچنے کے سوا دوسرا کوئی اور عقلی یا قیاسی یا واقعاتی سبب وجود میں نہیں ملے گا:۔

(۱) شکلا کے معاملہ میں:۔ (۱) جو قتل ہوئے مسلمان تھے (۲) جن کے اوپر قتل کا الزام تھا ہندو تھے۔(۳) وزیر متعلقہ ہندو تھا۔لہٰذا
نہ تحقیقات کی ضرورت نہ علیٰحدگی کی۔

(۲) مصرا کے معاملہ میں:۔(۱) جس لڑکی کا اغوا ہوا مسلمان تھی (۲) جنہوں نے اغوا کیا ہندو تھے۔ (۳) وزیر متعلقہ ہندو تھا۔لہٰذا
نہ تحقیقات کی ضرورت نہ علیٰحدگی کی۔

(۳) مہتا کے معاملہ میں:۔(۱) جس لڑکی کی جان گئی معصوم سہی مگر مسلمان تھی (۲) قاتل ہندو تھا۔ (۳) وزیر متعلقہ ہندو تھا۔لہٰذا
نہ تحقیقات کی ضرورت تھی نہ علیٰحدگی کی۔

(۴) شریعت کے معاملہ میں :- (۱) جس لڑکی کے ساتھ واقعہ ہوا آوارہ سہی مگر ہندو تھی۔
(۲) مجرم مسلمان تھا۔ (۳) وزیر متعلقہ مسلمان تھا۔ لہٰذا
تحقیقات اور علیحدگی لازمی!

کیا کانگریس کی فرقہ پرستی اور مسلم دشمنی کسی اور ثبوت کی محتاج ہے؟
نوٹ :- مسٹر مصرا کے سلسلہ میں جس پولیس ڈائری کا حوالہ دیا گیا ہے اس کے بلاک ضمیمہ جات کے عنوان میں ملاحظہ فرمائیے۔

سندھ۔ سرحد۔ اور سی۔ پی

(۱) سندھ کی اللہ بخشی وزارت محض کانگریس کی حمایت کے دم پر قائم تھی۔ وزیر اعظم سندھ کانگریس کی تالیف قلوب کے لئے دوسروں کی حق تلفی سے کبھی نہیں چوکے اور آئے دن اظہار نیازمندی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ مگر جب سکھر میں بلوہ ہوا اور ہندوؤں نے چیخ پکار مچائی تو کانگریس نے غیر صوبہ کے کانگریسی معتمد علیہ کو تحقیقات کے لئے مقرر کر دیا۔

(۲) سندھ سے قطع نظر سرحد کی خان صاحبی وزارت تو بالکل کانگریسی تھی۔ صرف وزارت ہی کانگریسی نہ تھی بلکہ اس صوبہ میں گاندھی جی کے سرحدی مثنیٰ خان عبدالغفار خان ہر طرح کی نگرانی اور دیکھ بھال کے لئے اسی صوبہ میں براجمان تھے مگر جب بنوں اور ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں بلوہ ہوا اور ہندوؤں نے شور مچایا تو غیر صوبہ کا کانگریسی معتمد علیہ تحقیقات کے لئے مقرر کر دیا گیا

(۳) سی۔ پی میں کانگریسی وزارت تھی۔ یہاں متعدد بلوے ہوئے۔ مسلمانوں کی جان و مال کا سخت نقصان ہوا۔ مسلمانوں نے گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخا چلایا مگر سب قوموں کی نمائندگی اور سب کے ساتھ یکساں سلوک کرنے والی جماعت نے کسی تحقیقات کی ضرورت نہ سمجھی!

کیوں؟

(۱) سندھ میں :- (۱) وزارت کی اکثریت مسلمان تھی (۲) شکایت ہندوؤں کو تھی۔
لہٰذا تحقیقات ضروری۔
(۲) سرحد میں :- (۱) وزارت کی اکثریت مسلمان تھی (۲) شکایت ہندوؤں کو تھی۔
لہٰذا تحقیقات ضروری۔
(۳) سی۔ پی۔ میں :- (۱) وزارت خالصاً ہندو تھی (۲) شکایت مسلمانوں کو تھی۔
لہٰذا تحقیقات کی کوئی ضرورت نہیں

یہ کھلی ہوئی فرقہ پرستی اور مسلم دشمنی نہیں تو اور کیا ہے؟

گاندھی جی کی تصویر اور ترنگے کے سایہ میں عبادت میں خلل اندازی

جب گاندھی جی کانگریس کے اجلاس تری پوری کی شرکت سے نپٹتے ہوئے راجکوٹ برت رکھنے کے لئے تشریف لے گئے تو ایک موقع پر اُن لوگوں نے جو گاندھی جی سے اختلاف رکھتے تھے گاندھی جی کے مسکن کے سامنے ایسے وقت مظاہرہ کیا جبکہ گاندھی جی "عبادت" میں مشغول تھے۔ یہ امر گاندھی جی کو بہت ناگوار گزرا خصوصاً اس بنا پر کہ اس مظاہرہ کے شور و غل سے عبادت میں خلل واقع ہوا۔ آپ نے "ہریجن" میں اپنی تکلیف اور رنج کا اظہار ایک مؤثر مقالہ لکھ کر کیا اور عبادت کے وقت غل غپاڑہ کر کے خلل انداز ہونے کو بہت مذموم قرار دیا۔ مگر گاندھی جی اپنے کانگریسی چیلوں کو یہ نہ سمجھا سکے کہ نماز کے وقت جب مسجد کے سامنے باجہ بجایا جاتا ہے اور جلوس کا جلوس چے کارے لگاتا ہے تو مسلمانوں کی عبادت میں خلل

واقع ہوتا ہے اور انہیں بھی ویسی ہی تکلیف ہوتی ہے جیسی گاندھی جی کو راجکوٹ میں ہوئی۔ گاندھی جی تو ایک دفعہ کے ہنگامہ سے اس قدر برافروختہ اور رنجیدہ ہوئے مگر سی۔ پی اور برار کے مسلمانوں کو ہر جگہ ایک بار نہیں ہر مہینہ متعدد بار اس زیادتی کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ رواج اور قدیم حقوق سے قطع نظر عبادت میں اس طرح قصداً خلل پہنچانے کی حرکت کون کرتا ہے؟ تمام سربرآوردہ کانگریسی لیڈر اور کانگریسی جماعت کا پکا پرچا ندورہ بسوا میں مسٹر برج لال بیانی صدر برار صوبائی کانگریس کمیٹی کا جلوس اگست ۳۸ء میں نماز کے وقت اور کھام گاؤں میں مسٹر گھنشام داس گپتا اسپیکر اسمبلی کا جلوس اپریل ۳۸ء میں باجہ کے ساتھ مسجد کے سامنے سے گذرا ان دونوں سربرآوردہ کانگریسیوں نے جو گاندھوی فلسفہ کے ممتاز چیلے اور شاگرد مانے جاتے ہیں مسلمانوں پر "رام راج" کی قوت کا رعب جمانے کے لئے مسلمانوں کی عبادت میں خلل اندازی کی مذموم حرکت میں بہ نفس نفیس حصّہ لیا۔ پھر بھی یہ فرقہ پرست نہیں۔ بلکہ قوم پرست اور اہمسا کے پیروکار ہیں۔ ریاکاری کی کوئی انتہا بھی ہونی چاہیئے؟ گاندھی جی کی مذموم بتائی ہوئی حرکت نہ صرف کانگریسی حکومت کے حکم سے کی جاتی ہے بلکہ گاندھوی "صداقت اور اہمسا" کی ماننے والی کانگریسی وزارت نے یہ سرکاری اعلان شائع کیا ہے کہ جلوس نماز کے وقت بھی باجہ بجاتا ہوا گذرے گا اور اس حق کے استعمال کے لئے طاقت کے ذریعہ جلوس کی محافظت کی جائے گی (ملاحظہ ہو سرکاری بیان مورخہ ۱۶ر اکتوبر ۳۹ء بہ سلسلہ مساجد کھام گاؤں وٹھکر) اور کانگریسی وزارت کے حکم سے کانگریسی حکومت کی طاقت کے جلو میں مسلمانوں کی عبادت میں عمداً خلل ڈالنے کے دوہرے کام کے سرکاری افتتاح کے لئے جو شبھ گھڑی موزوں سمجھی گئی وہ گاندھی جی ہی کا جنم دن تھا۔ چنانچہ کھام گاؤں اور ٹھکر میں گاندھی جینتی کا جلوس کانگریسی وزارت کا پروانہ لئے ہوئے ۲ر اکتوبر کو تمام حکام ضلع، درجنوں پولیس افسر اور پچاس ساٹھ بندوق سے مسلح کانسٹبلوں کی ہمرکابی میں ان دونوں مقامات کی مسجدوں کے سامنے ٹھیک نماز کے وقت ترنگا جھنڈا اڑاتا اور گاندھی جی کی تصویر کو نمایاں طور پر اٹھائے ہوئے آکر رکا اور باجہ بجانے

کے علاوہ خوب زور زور سے "مہاتما گاندھی کی جے" کے نعرے لگا کر مسلمانوں کی عبادت میں خلل انداز ہوا۔ اور اسے اپنی بہت بڑی فتح اور کامیابی سمجھا گیا۔ اگر گاندھی جی ہر کانگریسی پر اختیار نہیں رکھتے تو کانگریسی وزارت پر بھی اتنا اختیار نہیں رکھتے تھے کہ اُس سے کہدیتے کہ "نماز کے وقت مسجد کے سامنے باجہ بجانے اور شوروغل کرنے سے نماز میں خلل ہوتا ہے"۔ غیر فرقہ پرست اور واقعی صداقت کی پیرو حکومت ایسے موقعوں پر نمازیوں کی حمایت اور محافظت کرتی نہ کہ عبادت میں خلل ڈالنے والوں کی اس پر بھی کانگریس کو فرقہ پرست کہنا غلط ہے؟

یک بام و دو ہوا

جہاں اصولی طور پر ہندوؤں کا یہ حق تسلیم کرلیا گیا ہے کہ "سلطانی شاہراہ" پر باجہ بجانے کا حق ہر وقت ہر شخص کو ہے اور کانگریسی وزارت کے اعلان کے مطابق اگر اس حق کے استعمال کے سلسلہ میں مداخلت کی جرأت کی گئی تو حکومت اپنی طاقت کے ذریعہ حق کے استعمال کرنے والے کی محافظت کرے گی۔ وہاں سلطانی شاہراہ تو الگ رہی مسلمانوں کو اپنے گھر میں بھی چار دیواری کے اندر چھپ کر گائے ذبح کرنے کا حق اکثر جگہ حاصل نہیں اور اس حق کے استعمال کرنے والے کی محافظت کرنے کے لئے کانگریسی حکومت تیار نہیں ہوئی۔ جس طرح کانگریسی حکومت نے اصولی طور پر سلطانی شاہراہ پر باجہ بجانے کا حق ہر شخص کے لئے تسلیم کرلیا تھا وہاں یہ بھی اعلان کردیتی کہ اصولی طور پر اپنے گھر میں گائے ذبح کرنے کا حق ہر مسلمان کو ہے تب یہ سمجھا جاتا کہ کانگریسی حکومت فرقہ پرست نہیں ہے بلکہ ہر فرقہ کے حقوق کی محافظ ہے۔ کانگریسی راج میں کیا ہوا۔ جہاں کہیں باجہ نہیں بجتا تھا باجہ سرکاری بیان نکال کر بجوایا گیا اور مسلح دستہ کے جلو میں بجوایا گیا جیسے کھامگاؤں۔ ہکر۔ پاٹن ساونگی بٹیول گنج وغیرہ۔ لیکن مسلمانوں کو بے شمار مقامات میں گائے ذبح کرنے کی اجازت نہیں مسلمان

ہندوؤں کی طرح برسرِ عام عبادت میں خلل ڈالنا یا جذبات میں ٹھیس لگانا نہیں چاہتے بلکہ اپنے گھر
میں ہندوؤں سے نظر بچا کر اپنے حق کو استعمال کرنا چاہتے ہیں مگر اس کی محافظت کے لئے کانگریسی
حکومت اپنی ۲۷ ماہ کے قیام میں ایک جگہ بھی تیار نہیں ہوئی ۔ کیا کانگریسی حکومت ایک واقعہ
بھی ایسا بتا سکتی ہے کہ جس طاقت کے مظاہرہ کے ساتھ اُس نے باجہ مذکورہ بالا مقامات پر
بجوایا اور سرکاری بیان نکالے ۔ اُس نے گاؤکشی کے متعلق بھی ایسا بیان نکالا کہ مسلمانوں کے
اس حق میں اگر مداخلت کی گئی تو طاقت کے ذریعہ محافظت کی جائے گی یا مسلح پولیس کی محافظت
میں گاؤکشی کرائی ۔ کانگریسی راج میں یہ ضرور ہوا کہ متعدد مقامات پر ہندو غنڈوں کی ٹولیوں
نے مقامی کانگریسی لیڈروں کی رہنمائی میں گائے ذبح کرنے کے جرم میں قانون کو اپنے
ہاتھ میں لے لیا ۔ گائے ذبح کرنے والے کو مجروح کیا ۔ اُس کے گھر والوں کی بے عزتی کی مسلمانوں
کا بائیکاٹ کیا ۔ گھروں کو آگ لگایا اور کانگریسی حکومت نے مسلمانوں کی محافظت کا کوئی انتظام
نہیں کیا بلکہ بہت سے مقامات پر ان ہندو غنڈوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی
اور بعض جگہ اگر پولیس نے مقدمات چلائے بھی تھے تو حکومت نے اُنہیں اُٹھا لیا ۔ مثال کے لئے
تیندورہ کھیڑا ۔ رتی کرار ۔ سیلونی مالوہ ۔ کاٹول وغیرہ کے واقعات موجود ہیں ۔ یہ ایک عجیب تماشہ
ہے کہ مسجد کے سامنے باجہ روکنے کے حق کے ثابت کرنے کے لئے دیوانی عدالت جانے کا مشورہ
مسلمانوں کو دیا جاتا ہے مگر گاؤکشی پر اعتراض کرنے والے ہندوؤں کو یہ مشورہ نہیں دیا جاتا کہ گاؤ
کشی روکنے کا اگر حق ہے تو دیوانی عدالت جاؤ ۔ نہ صرف گاؤکشی پر پابندیاں ہیں بلکہ گائے کے گوشت
کے نقل و حمل کے سلسلہ میں بھی اکثر میونسپلٹیوں نے مثل نرسنگھ پور وغیرہ نے پابندیاں لگا رکھی ہیں
کہ اس کے لئے سڑکیں مخصوص ہیں ۔ اگر یہ کہا جائے کہ حفظانِ صحت کے مدِ نظر ایسا کیا گیا ہے ۔ تو
سوٗر اُس سڑک پر چل سکتے ہیں ۔ غلیظ ٹوکرا اور غلیظ کی گاڑی اُس راستہ سے لے جانا ممنوع نہیں
مگر گائے کا گوشت لے جانا ممنوع ہے ۔ سلطانی شاہراہ پر یکساں حق دلانے والی حکومت کا مساوات
کا دعوےٰ صرف ہندوؤں کو باجہ بجانے کا حق دلانے تک ہے ۔ مسلمانوں کو گوشت لے کر چلنے کا

حق بھی دلانے کے لئے تیار نہیں گائے اور باجہ کے سلسلہ میں کانگریسی حکومت کا جو متضاد طرز عمل رہا وہ اس جماعت کی فرقہ پرستی اور مسلم دشمنی کا ایک ناقابل تردید ثبوت ہے۔

مسلمانوں کو کچلنے کی تدبیر

پالیسی کی نوعیت

سنہ ۱۹۳۹ء میں سی۔پی و برار کے متعدد مقامات پر جو بلوے ہوئے ان کے واقعات، ان کی نوعیت اور دوران فساد اور بعد فساد بہ سلسلہ تحقیقات پولیس کے طرز عمل میں ہر مقام پر تعجب خیز یکسانیت کو دیکھ کر انسان یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وزرار۔ پولیس اور ہندوؤں کے شر انگیز طبقہ کے مابین پہلے سے بہت کچھ کہی بدی تھی اور ایک ساتھ سارے صوبہ میں ہنگامہ کر کے مسلمانوں کو دبا دینے کی نیت تھی۔ تمام واقعات کو یکجا کر کے اگر بہ حیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ یہ طریقہ اختیار کیا گیا تھا کہ فساد کرایا جائے۔ اگر مسلمان خاموش رہیں۔ ڈر جائیں اور دب جائیں تو سب سے اچھا ہے۔ یہی تو مدعائے دلی تھا۔ اگر الجھیں تو پولیس تاک میں بیٹھی رہے اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ پہلی کوشش تو یہ ہو کہ صرف مسلمانوں ہی کا چالان کیا جائے۔ اگر شاید کسی جگہ کوئی امر ناگزیر یا صورت حال ایسی پیدا ہو کہ صرف مسلمانوں کا چالان نہ ہو سکے تو دونوں فریق کا کیا جائے اس میں فائدہ یہ مدنظر تھا کہ مسلمانوں کو پیٹنے اور نقصان پہنچانے کے بعد جب دونوں فریق ملزم ہو جائیں تو یہ کہا جائے کہ مفاہمت کر لو اور فریقین کے دستخطوں سے مقدمہ اٹھانے کی درخواست دے دی جائے۔ اگر مسلمان اس پر نہ راضی ہوں تو حکومت سے مقدمہ اٹھا لئے جانے کا حکم حاصل کرنا کوئی بڑی بات نہ ہوگی۔ بہرحال آخری نتیجہ خواہ فریقین کے دستخط سے مقدمہ اٹھے خواہ حکومت کے فرمان سے یہی نکلے گا کہ بے گناہ مسلمانوں کے ساتھ مجرم ہندو بھی چھوٹ

جائیں گے اور مسلمانوں کو جو جانی و مالی نقصان پہنچا وہ نفع میں رہا۔ اس طرح کے متواتر اگر دو چار واقعات ہو گئے تو مسلمانوں کی ہمت خود ہی ٹوٹ جائے گی اور وہ تابع فرمان ہونے پر مجبور ہو جائیں گے۔ جہاں صرف مسلمان ملزم ہوں وہاں مقدمہ بالکل نہ اٹھایا جائے اور جہاں صرف ہندو ہوں وہاں ضرور اٹھا لیا جائے۔ اس طرح سے جب ایک مدت تک بے گناہ مسلمان پستے رہیں گے اور مجرم ہندو چھوٹتے رہیں گے تو مسلمانوں کو محکوم و مطیع ہونے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہے گا۔ محکمہ قیام امن و قانون کے عنوان کے تحت جتنے واقعات دیئے گئے ہیں اُن کے دیکھنے سے جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے اُس کی لفظ بہ لفظ تصدیق ہوتی ہے۔ اس جگہ اُس کا اجمالی خاکہ پیش کیا جاتا ہے کہ سنہ ۱۹۳۹ء میں کس کس جگہ فساد ہوئے اور کن کے خلاف چالان پیش کیا گیا اور کیا انجام ہوا:-

مقدمات کا خاکہ

مقام	کس کا چالان ہوا			نتیجہ
(۱) تیندو رکھیڑہ	(اپریل سنہ ۳۹ء)	دس ہندوؤں کا	دفعہ ۱۴۹	مقدمہ اُٹھا لیا گیا
(۲) دموئی کھرپا	(")	چند ہندوؤں کا	دفعہ ۳۶۳	"
(۳) کھنڈوہ	(")	۲۸ مسلمانوں کا	دفعات ۱۴۷، ۱۴۹، ۳۵۲	مقدمہ چلایا گیا
(۴) جبل پور	(مارچ سنہ ۳۹ء)	دونوں فریق کا	متعدد دفعات کے تحت	"
(۵) کٹنی	(اپریل و مارچ سنہ ۳۹ء)	دونوں فریق کا	(۱) ایک مقدمہ مسلمانوں کے خلاف زیر دفعہ ۳۰۲ تھا۔ (۲) کئی ہندو قتل کے الزام میں گرفتار ہوئے تھے۔	نتیجہ نامعلوم

مقام	کس کا چالان ہوا			نتیجہ
(۶) رائے پور	(مارچ ۳۹ء)	دونوں فریق کا	دفعہ ۱۴۷	طرفین کی درخواست پر اُٹھا لیا گیا۔
(۷) دھمتری	(جون ۳۹ء)	دونوں فریق کا	متعدد دفعات کی تحت	مقدمہ چلایا گیا
(۸) پانڈھرنا	(")	۸ مسلمانوں کا	"	" "
(۹) نور گاؤں	(.)	دونوں فریق کا	" "	چلایا گیا
(۱۰) گنگھوڑا	(جولائی ۳۹ء)	۱۲ مسلمانوں کا	" "	"
(۱۱) ناگپور	(مارچ ۳۹ء)	۱۱ مسلمانوں اور ۸ ہندوؤں کا	متعدد دفعات کی تحت	مقدمہ چلایا گیا
(۱۲) مرتضیٰ پور	(")	۴۶ مسلمانوں کا	" "	"
(۱۳) ملکاپور	(")	دونوں فریق کا (مسلمان ۳۲۳/۱۴۹ ہندو ۳۲۶/۱۴۹)	متعدد دفعات کی تحت	مقدمہ اُٹھا لیا گیا
(۱۴) کھام گاؤں	(")	مسلمانوں کا	متعدد دفعات کے تحت	مقدمہ چلایا گیا
(۱۵) بسواچاندور	(")	مسلمانوں کا (۱۵۷ گرفتار ۴۳ کا چالان)	متعدد دفعات کی تحت	مقدمہ چلایا گیا

مذکورہ بالا اعداد و شمار کا جائزہ لینے سے حسب ذیل نتیجہ نکلے گا :-

(۱) تنہا مسلمانوں کا چھ جگہ چالان کیا گیا اور کہیں بھی مقدمہ نہ اُٹھایا گیا۔

(۲) تنہا ہندوؤں کا دو جگہ چالان کیا گیا اور دونوں جگہ مقدمہ اُٹھا لیا گیا۔

(۳) دونوں فریق سات جگہ ماخوذ ہوئے ان میں سے ایک جگہ ہندو کے خلاف مقدمہ اُٹھا لیا گیا

مگر مسلمان کو سزا ہوئی (کٹنی)
بقیہ کچھ جگہوں میں ایک جگہ طرفین کی درخواست پر مقدمہ اٹھا لیا گیا (رائے پور) اور ایک جگہ حکومت کے حکم سے (ملکا پور) ان سب کا لب لباب یہ ہوا کہ سات جگہ تنہا مسلمان ماخوذ رہے۔ دو جگہ دونوں، تنہا ہندو کہیں بھی نہیں۔ ایک چیز اور قابل غور ہے کہ جہاں صرف مسلمانوں کا چالان کیا گیا ہے وہاں کثیر تعداد میں گرفتاری کی گئی ہے۔ جہاں صرف ہندو ماخوذ کیا گیا قلیل تعداد ہے۔ جہاں دونوں وہاں تعداد عموماً برابر ہے یا مسلمانوں کی زائد رکھی گئی۔ یعنی اس تمام کتر بیونت کے بعد جن گیارہ جگہوں پر (۴+۷) مسلمانوں کے خلاف مقدمہ باقی رہا ان کی تعداد دو سو کے قریب پہنچتی ہے۔ لیکن چار مقامات (۴) کے باقی ماندہ ہندو ماخوذین کی تعداد مشکل سے پچاس تک پہنچتی ہے۔ چار فی صدی آبادی اگر چوگنی تعداد میں ملزم نہ بنائی جائے تو رام راج کیسے قائم ہوگا۔

تقابل یہ صرف ۳۹ء کے فسادات کا اجمالی نقشہ تھا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں پر انفرادی حملوں کی فہرست بڑی طویل ہے جو محکمہ قیام امن و امان کی بحث میں ہر مقام کے تحت تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ اس میں بھی یہی صورت رہی کہ زیادہ تر معاملات میں ہندوؤں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ مسلمانوں کے خلاف بہت ہی معمولی بات پر بلکہ اکثر بلا وجہ سخت کارروائی کی گئی۔ اگر ہندو کے خلاف مقدمہ چلا بھی تو اسے یا کمزور کر دیا گیا یا اٹھا لیا گیا۔ مگر صرف مسلمان ملزم ہے تو طرفین کی رضامندی پر بھی مقدمہ نہ اٹھایا گیا۔ تقابل کے لئے بطور نمونہ صرف ناگپور کے دو واقعات درج کئے جاتے ہیں۔ اس سے حکومت وقت کی نیت اور ذہنیت کا صحیح اندازہ ہو جائے گا۔

(۱) ٹمکی کیس:۔ مسلمان لڑکے کا گلا گھونٹنے پر تعارض کرنے کے سلسلہ میں ہاتھا پائی ہوئی اور ایک ڈاکٹری سرٹیفکیٹ کے مطابق ایک ہندو کے ہاتھ کی مٹھی پر چھڑی کی ضرب کا معمولی نشان پایا گیا۔ آٹھ مسلمانوں کا

چالان کیا گیا۔ پولیس خود مدعی ہوئی۔ دوران مقدمہ طرفین نے مفاہمت کر لی اور جانبین کے دستخطوں سے مقدمہ اُٹھالئے جانے کی درخواست دی گئی۔ پولیس نے اس درخواست کی سخت مخالفت کی اور مقدمہ اُٹھایا نہ گیا (بعد میں یہ ملزم عدالت سے بری ہوگئے)

(۲) راجہ باغ سوار کیس :- ایک مسلمان پر لاٹھیوں اور کلہاڑی سے قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ مہلک زخموں کے سبب اس کا انتقال ہو گیا۔ چند ہندو گرفتار کئے گئے لیکن تھوڑے دنوں بعد مقدمہ اُٹھا لیا گیا۔

تمام مقدمات کا گہرہ جائزہ لینے سے یہ بھی معلوم ہو گا کہ جن جن مقامات پر صرف ہندؤں کے خلاف مقدمات اُٹھائے گئے ہیں وہاں کے مقدمات میں دو باتوں میں سے دونوں کا یا ایک کا پایا جانا لازمی ہے۔

(۱) ملزم یا ملزمین کانگریس میں کوئی عہدہ یا کچھ حیثیت رکھتے تھے۔

(۲) سنگین جرم کے مرتکب ہوئے تھے کہ اگر سزا ہوتی تو کسی پھانسی پاتے اور اکثر کا قید کے علاوہ مستقبل برباد ہو جاتا۔ اور جہاں دونوں فریق کے خلاف مقدمہ اُٹھایا گیا وہاں یہ بات لازمی طور سے ملے گی کہ ہندو کے خلاف بمقابلہ مسلمانوں کے جرم کی نوعیت سنگین تر اور ثبوت مضبوط تر تھا۔

مسلم دشمنی

اس موضوع پر بحث کو ختم کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کانگریسی وزارت کے عہد میں فرقہ دارانہ نوعیت رکھنے والے جتنے مقدمات اُٹھائے گئے ہیں اُن کا ایک اجمالی خاکہ پیش کر دیا جائے تاکہ صورت حال کا صحیح اندازہ ہو جائے۔

(نقشہ صفحہ ۲۲ پر ملاحظہ فرمایئے)

شمارہ	مقام	ملزمین کون تھے مختصر بیان	الزام کی نوعیت کیا تھی	کیفیت
(۱)	جبل پور	مسٹر داور کا پرشاد مصر اکانگریسی وزیر اور ان کا ڈرائیور نانا نا سکڈو۔	ان دونوں پر ایک مسلمان نابالغ لڑکی کے اغوا اور اس کو ساتھ زنا بالجبر کا الزام تھا۔	حکومت نے پولیس کو اس مقدمہ میں مزید تحقیقات کرنے یا ملزمین کا چالان کرنے سے روک دیا۔ اور مقدمہ داخل دفتر کر دیا۔
(۲)	جبل پور	ہولی ۱۹۳۸ء کے مقدمات جبلپور۔ اس میں موٹے موٹے کانگریسی مونسپل کمشنر اور ایک وزیر کے رشتہ دار ماخوذ تھے۔ مقدمات دونوں فریق کے اٹھائے گئے	مسلمانوں پر دفعہ ۳۲۴/۱۴۹ اور دفعہ ۱۴۷ کا جرم تھا۔ یعنی بلوہ اور ضرب خفیف۔ ہندوؤں پر دفعہ ۳۰۲ اور دفعہ ۳۲۶ و دفعہ ۱۴۹ کا جرم تھا۔ یعنی قتل اور ضرب شدید اور بلوہ۔	حکومت نے مقدمہ اٹھا لیا۔ جب کہ ہندو ملزم سشن سپرد ہونے والے تھے۔
(۳)	تیندو کھیڑہ	پانچ ہندو جن میں ڈسٹرکٹ کونسل اسکول کے دو ماسٹر تھے گائے ذبح کرنے کے سلسلہ میں مسلمانوں کو زد و کوب عورتوں کی بے حرمتی اور ایذا رسانی کی گئی تھی۔	زیر دفعہ ۱۴۵ بلوہ	اٹھا لیا گیا۔ دوران سماعت

(۴)	دھولی کھرپا	روشن سنگھ صدر مقامی کانگریس کمیٹی اور چند ہندو مسلمانوں کے گھر میں گھس گئے اور مار پیٹ کی اور ایک عورت کو بہ جبر اٹھا لائے۔	زیر دفعہ ۳۶۳ اغوا	دوران سماعت اٹھا لیا گیا
(۵)	نرسنگھ پور	پنڈت رام چندر شرما آریہ پرچارک انہوں نے درجنوں تقریریں کیں۔ مسلمانوں کو خوب گالیاں دیں۔ نرسنگھ پور تحصیل میں بے حد اشتعال پھیلایا ان کی تقریروں کے بعد اس تحصیل میں مسلمانوں پر ایک آفت آ گئی۔	زیر دفعہ ۱۵۳ الف منافرت پھیلانا	رسمی اظہار افسوس کے بعد اٹھا لیا گیا
(۶)	برہان پور	مولوی غلام مصطفےٰ فرخ آبادی۔ صرف ایک تقریر کی تھی	زیر دفعہ ۱۵۳ الف منافرت پھیلانا	اظہار معذرت کے بعد اٹھا لیا گیا۔ یہ مقدمہ صرف مقدمہ عشہ کے لئے وجہ جواز کی غرض سے چلایا اور اٹھایا گیا۔

شمارہ	مقام	ملزمین کون تھے مختصر بیان	الزام کی نوعیت کیا تھی	کیفیت
(۷)	کٹنی	رام داس اگروال وائس پریسیڈنٹ میونسپل کمیٹی و لیڈر شیواجی دل اور ۳ دیگر ہندو۔	ایک ۱۸ سالہ مسلمان نوجوان کے قتل کے الزام میں یہ لوگ گرفتار ہوئے تھے۔	چالان پیش کئے جانے سے پہلے مقدمہ اُٹھا لیا گیا۔
(۸)	رائے پور	۱۲ ہندو اور گیارہ مسلمانوں کے خلاف۔ ہولی کے موقعہ پر بلوہ۔ مسلمان زخمی ہوئے۔ آگ لگائی گئی۔ سامان لوٹا گیا۔	زیر دفعہ ۱۴۷ ہنگامہ	فریقین کی مفاہمت اور درخواست پر اُٹھا لیا گیا۔
(۹)	درگ	ایک کانگریسی آوارہ فحش و بدچلن مسلمان۔ مسلمانوں کو خوب گالیاں دیتا اور تنگ کیا کرتا تھا۔	زیر دفعہ ۴۵۲ و ۱۰۷ بالارادہ اقدام حملہ اور بدمعاشی	دوران سماعت اُٹھا لیا گیا
(۱۰)	چاندہ	ایک ہندو اور ایک مسلمان محرر چنگی کو عدالت سے چار چار ماہ کی سزا زیر دفعہ ۴۰۹ ہوئی تھی۔ ہندو مجرم کا بھائی ضلع کانگریس کمیٹی کا صدر تھا مسلمان ملزم کا بھائی بھی مقامی کانگریس کمیٹی کا رکن تھا۔	زیر دفعہ ۴۰۹	وزیر عدالت نے جبکہ سشن میں اپیل کی سماعت ہو رہی تھی۔ ڈپٹی کمشنر کے ذریعہ کاغذات منگوالئے۔ ہندو ملزم کی سزا معاف کردی اور اپیل کی

				سماعت اس کے متعلق نہ کئے جانے کی ہدایت کی۔ مسلمان ملزم کی اپیل کی سماعت کے لئے کاغذات واپس بھیجدیئے۔ جج نے عدالت ماتحت کا فیصلہ بحال رکھا۔ اس لئے صرف مسلمان ملزم کو جیل جانا پڑا۔
(۱۱)	ناگپور	ڈوما اور چند ہندوؤں کے خلاف ڈوما کے خلاف متعدد بار شکائتیں پولیس کو ہوچکی تھیں۔ اس کا اس واقعہ سے پہلے ایک مرتبہ شیخ گلاب پر قاتلانہ حملہ کرنے میں چالان بھی ہوا۔ مگر سشن سے بری ہوگیا۔ بعض ہندو مہاسبھا سے تعلق رکھنے والے بھی اس واقعہ سے متعلق تھے۔	ایک مسلمان محی الدین اُستاد کو کلہاڑی سے زخمی کرکے مار ڈالنے کا الزام تھا	گرفتاری کے تھوڑے دنوں بعد گرفتار شدہ ملزمین کی ضمانتیں ہوئیں اور پھر مقدمہ اُٹھا لیا گیا۔

شمارہ	مقام	ملزمین کون تھے مختصر بیان	الزام کی نوعیت کیا تھی	کیفیت
(۱۲)	ملکا پور	تیرہ ہندو اور بارہ مسلمان۔ ہولی کے موقع پر۔ ہندوؤں نے دفن کیا ہوا تعزیہ جلا دیا تھا مسلمان جب آگ بجھانے گئے تو لاٹھیوں اور بھالوں سے اُن پر حملہ کیا گیا۔	مسلمانوں کے خلاف ۳۲۳/۱۴۸ و ۱۴۹ یعنی بلوہ ضرب خفیف ہندوؤں کے خلاف ۳۲۶/۱۴۸ و ۱۴۹ یعنی بلوہ ضرب شدید	جب فیصلہ کا وقت قریب آیا تو مقدمہ اُٹھا لیا گیا

اوپر دیئے ہوئے اعداد و شمار سے یہ معلوم ہوگا کہ ان بارہ مثالوں میں سے تین عنوان ایسے ہیں جن میں دونوں فریق کے خلاف مقدمہ اُٹھایا گیا۔ اس تین میں سے رکّے پور میں فریقین کی درخواست پر مقدمہ اُٹھایا گیا۔ بقیہ دو جگہوں یعنی جبل پور اور ملکا پور میں حکومت یا حکام نے خود اُٹھایا اور ان دونوں جگہوں میں مسلمانوں کے مقابلہ میں ہندوؤں کے جرم کی نوعیت بدرجہا زیادہ سنگین تھی۔ دو مقدمات ایک ہندو اور ایک مسلمان کے خلاف زیر دفعہ ۱۵۳ الف اُٹھائے گئے۔ ہندو کے خلاف جو اس نوعیت کا مقدمہ اُٹھایا گیا تھا اس کی پردہ پوشی کے لئے مسلمان کے خلاف مقدمہ چلایا گیا اور پھر اُٹھایا گیا۔ ایک مثال دو مسلمان کے خلاف مقدمہ اُٹھانے کی ڈگ کی ہے مگر یہ مسلمان مسلمانوں ہی کو ستاتا تھا اور کانگریس کا دلال تھا۔ قصبہ کے مسلمانوں نے اس کو برادری سے خارج کر دیا تھا۔ ایسے مسلمان کے خلاف جس سے سب مسلمان ناراض ہوں مقدمہ ضرور اُٹھایا جانا چاہئے تھا۔ چھ مثالیں ایسی ہیں جن میں صرف ہندوؤں کے خلاف مقدمہ اُٹھایا گیا ہے۔ دونوں فریق کے خلاف جہاں مقدمات

اُٹھائے گئے ہیں وہاں مُسلمانوں کے اوپر اجتماع برائے بلوہ اور ضرب خفیف سے زیادہ سنگین الزام نہ تھا۔ مگر جن ہندوؤں کے خلاف مقدمہ اُٹھایا گیا ہے وہ قتل زنا بالجبر۔ اغوار اور ضرب شدید جیسے سنگین جرموں کے ملزم تھے۔ اور کانگریسی تھے۔ اس کے ساتھ ہی ہوشنگ آباد کی معصوم مُسلمان لڑکی کے قاتل کی رہائی کو بھی مدِ نظر رکھا جائے۔ اور اس کے بعد اس واقعہ سے تقابل کیا جائے جو چاندور بسوا میں ہوا (جس کی تفصیل الگ درج ہے) جس میں ایک ہندو کے قتل کے عوض ۱۵ مُسلمان گرفتار کئے گئے اور کئی سو روپیہ ہمینہ بطور جرمانہ تعزیری ٹیکس کی شکل میں قصبہ کے مُسلمانوں سے وصول کیا گیا۔

یہ تمام واقعات کانگریس کی فرقہ پرستی اور مُسلم دشمنی کے خون سے لکھے ہوئے ثبوت ہیں جو کسی طرح مٹائے نہیں مِٹ سکتے۔

مُسلم پریس کا قتلِ عام

کانگریسی حکومت کی ترکش سے جو تیر نکلا وہ صرف مُسلمانوں کا سینہ چھلنی کرنے کے لئے نکلا۔ جب وزارت، ہندو حکام کانگریسی اور مہاسبھائی ملی بھگت کی منظم پالیسی کی بدولت صوبہ کے مُسلمانوں کی زندگی ہر جگہ دشوار کر دی گئی اور صوبہ بھر میں فسادات انفرادی حملوں اور پولیس کے مقدمات (جن کے تمام تر شکار مُسلمان ہی بنائے گئے) کی بھرمار ہو گئی تو کانگریسی وزارت نے مُسلمانوں کی اجتماعی آواز یعنی مُسلم پریس کو کچلنے کی ٹھان لی۔ کیونکہ اسی کے ذریعہ کم از کم مُسلم دُنیا کو یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ اُن کے بھائیوں پر دوسری جگہ کیا ستم ڈھائے جا رہے ہیں۔ آزادیِ تقریر و تحریر کے دعوے داروں نے مُسلم پریس کا گلا صوبہ متوسط میں جس بے دردی کے ساتھ گھونٹا ہے وہ آپ اپنی مثال ہے۔ حکومت کی طرف سے ایک سرکاری بیان ۲۲ جون کو شائع کیا گیا جس میں باہمی اتحاد کے

ریاکارانہ وعظ کے بعد یہ بتایا گیا کہ حکومت فرقہ وارانہ کشیدگی کے سدباب کے لئے سخت کارروائی کرنے پر مجبور ہو جائے گی اور اخباروں کو نصیحت کی گئی اور توقع ظاہر کی گئی کہ وہ **آئندہ** احتیاط رکھیں گے۔ اس بیان کے ساتھ اُن ہدایات کی نقل بھی جو حکومت کی جانب سے اس سلسلہ میں حکام ضلع کو بھیجی گئی تھی۔ بغرض اطلاع عام شائع کر دی گئی۔ اس ہدائت نامہ میں حکام کو بتایا گیا تھا کہ پریس کے خلاف کس کس طرح سخت گیریاں کی جا سکتی ہیں اور یہ کہا گیا تھا کہ اگر **آئندہ** پریس فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے سے باز نہ آئیں تو ان کے خلاف "ہنگامی قانون مطابع" (PRESS EMERGENCY ACT) "**دفعہ اول فقرہ ایچ**" کے تحت کارروائی کی جائے (دفعہ ایچ فرقہ وارانہ منافرت سے متعلق ہے اور اس قانون کے ذریعہ حکومت کسی اخبار یا مطبع سے بغیر مقدمہ چلائے ضمانت، طلب کر سکتی یا ضمانت سوخت کر سکتی ہے)۔ اس اعلان میں دو باتیں بالکل واضح تھیں ایک تو یہ کہ اس قانون پر عمل درآمد اُن مضامین کے سلسلہ میں ہوگا جو اس بیان کے بعد شائع ہوں اور قابل اعتراض سمجھے جائیں۔ دوسرے یہ کہ اس سخت گیری اور غیر معمولی ذریعہ قانون کا استعمال صرف فرقہ وارانہ منافرت انگیزی کے سلسلہ میں ہوگا۔

آئندہ بمعنی ماضی لیکن گاندھوی صداقت کی پیرو کار حکومت کا اخلاق اور مُسلم دشمنی ملاحظہ ہو کہ اس نے جن جن مُسلم اخباروں یا مطابع سے اس قانون کے تحت ضمانتیں طلب کیں وہ اُن مضامین کے سلسلہ میں کیں جو اس بیان کے شائع ہونے سے مہینہ دو مہینہ پہلے شائع ہوئے تھے اور ان کے خلاف صرف فقرہ "ایچ" کے تحت کارروائی نہیں کی گئی بلکہ فقرہ "بی" اور "ڈی" کے تحت بھی جو حکومت کی پالیسی یا طرز عمل پر نکتہ چینی کرنے اور حکومت کے خلاف نفرت پھیلانے سے متعلق ہے۔ بلکہ بعض کے خلاف تو صرف فقرہ "بی" اور "ڈی" کے تحت کارروائی کی گئی۔ یہ ظاہر ہے کہ مُسلم پریس بہت غریب ہے۔ اور صوبہ متوسط کا مُسلم پریس تو غریب کیا بلکہ مفلس ہے۔ وہ ضمانتیں کہاں سے

دے سکتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ بنار ہو کر رہ گیا۔

ہندو اخبارات مسلم آزاری کے لئے آزاد رہے

جس طرح کانگریسی حکومت کا ہر طرز عمل بدترین قسم کی فرقہ پرستی اور مسلم دشمنی سے معمور ہوتا ہے اسی طرح یہ نزلہ بھی صرف مسلم پریس پر گرا۔ ہندو خصوصاً کانگریس اخبارات ہر طرح کی منافرت انگیزی کے لئے آزاد چھوڑ دیئے گئے۔ ہندو اخباروں نے مسلمانوں کو جیسے جیسے گندے طریقہ پر برا بھلا لکھا ہے جس قدر رکیک حملے مسلمانوں پر کئے ہیں مسلم اخباروں نے اس کا عشر عشیر بھی نہیں کیا۔ فرقہ دارانہ نفرت پھیلانے اور مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز اور دل آزار مضامین شائع کرنے میں " نوبھارت " جس کے سرپرست مسٹر برج لال بیانی صدر برار صوبائی کانگریس کمیٹی ہیں اور " لوکمت " جو کانگریسی وزارت کا غیر سرکاری ارگن تھا اور جس کے وجود میں آنے کی رسم افتتاح اس وقت کے وزیر پنڈت مصرا نے کی تھی کا حصہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ پہلے کے مضامین سے قطع نظر اس سرکاری بیان نکلنے کے بعد بھی ان کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ شاید وزرا کو مسلمانوں کے لئے نئے نئے اندازہائے ستم کی تیاری کے سبب ان اخبارات کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی ہو اس لئے مسلمانوں نے جلسہ کرکے اور تجویزیں منظور کرکے حکومت کے پاس بھیجیں اور حکومت کی توجہ اس طرف مبذول کرائی مگر وہ کانگریسی ہی کیا جو مسلمانوں کی جائز اور معقول بات کی طرف توجہ کرے۔ ان ہندو وزیر پرست اخباروں کے حوصلے اتنے بڑھے کہ انہوں نے صاف الفاظ میں مسلمانوں کے مذہب پر بھی حملہ کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ " لوکمت " نے اپنی ۲۸ جولائی کی اشاعت میں " مسلم لیگیوں کا ننگا پن " کے عنوان سے بہت ہی گندہ اڈیٹوریل لکھا اور حکومت کو مشورہ دیا کہ لیگ والوں کے ساتھ سختی کرو یہ بالکل سیدھے ہو جائیں گے اور مسلمانوں کی شان میں یہ جملے استعمال کئے گئے:-

" نہ تو ان میں تیاگ ہی ہے نہ ان کا دھرم پوتّہ ہے "

یہ چیز بھی حکومت کے گوش گزار کی گئی مگر حکومت کے نزدیک تو صرف مسلمان مجرم تھے ہندو کچھ بھی کرے۔ اُس کا راج تھا۔ اُس کی حکومت تھی۔ وہ کیسے مجرم ہو سکتا تھا

ذیل میں اُن اخبارات کی فہرست دی جاتی ہے جن کا گلا کانگریسی حکومت نے "آیندہ" کو بہ معنی "ماضی" استعمال کر کے ایک ایسے قانون کے ذریعہ گھونٹا ہے جس پر وہ حکومت پانے سے پہلے شیطانی حکومت کا ہتھیار کہہ کہہ کر نفرت کا اظہار کیا کرتے تھے۔

کانگریسی تیغ جفا سے شہید ہونے والے اخبارات اور مطابع کی فہرست

نام	رقم ضمانت
(۱) "سی۔ پی ٹائمس"۔ جبلپور۔ جو صوبہ متوسط و برار کے مسلمانوں کا واحد اخبار تھا	ایک ہزار روپیہ
(۲) "نادری پریس"۔ جبلپور۔ جس میں سی۔ پی۔ ٹائمس چھپتا تھا۔	ایک ہزار روپیہ
(۳) "صدائے مسلم"۔ روزانہ جبلپور کی جان بالواسطہ گئی۔ کیونکہ یہ نادری پریس میں چھپتا تھا۔ اور نادری پریس سے ضمانت طلب ہو گئی تھی۔ اِس ضمانت طلبی کے خوف سے کوئی دوسرا پریس چھاپنے پر راضی نہ ہوا۔ اس لئے یہ بند ہو گیا۔	
(۴) "صدائے مسلم پریس" جبلپور۔ نئے پریس کے لئے ڈکلیریشن دیا گیا تاکہ "صدائے مسلم" اس میں چھاپا جائے مگر ڈکلیریشن کے لئے ایک ہزار کی ضمانت طلب کی گئی۔	ایک ہزار روپیہ
(۵) "جد و جہد" ہفتہ وار ناگپور۔ اس نے اُس مقدمہ کے فیصلہ پر تنقید کی تھی جس میں ناگپور کے کئی ممتاز مسلم کارکن حکیم عبدالوہاب شیرازی	ایک ہزار روپیہ

وغیرہ کو سزا ہوئی تھی اور لکھا تھا کہ مقدمہ بناوٹی ہے۔ اسی
مضمون پر گرفت ہوئی تھی۔ اس اخبار کی تنقید صحیح نکلی
سشن جج نے ان ملزموں کو یہ کہتے ہوئے بری کر دیا
کہ زیادتی ہندوؤں کی تھی۔ مگر اس اخبار کو سچ بات کہنے
کے صلہ میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا۔

(۶) "تنویر پریس" ناگپور۔ اس پریس میں "جد وجہد" چھپتا تھا۔ ضمانت طلبی ایک ہزار روپیہ
کے باعث یہ کاروبار سے بھی گیا اور بند ہو گیا۔

(۷) "مسلم" (ہفتہ میں دو بار) ناگپور۔ اس غریب نے بھی اسی مقدمہ ایک ہزار روپیہ
کے فیصلہ پر تنقید کی تھی جس کا ذکر "جد وجہد" کے سلسلہ
میں کیا جا چکا ہے اور اسے بھی حق گوئی کے صلہ کانگریسی
وزارت کے ہاتھوں شہید ہونا پڑا۔

(۸) "نیشنل پریس" ناگپور۔ اس پریس میں مسلم چھپتا تھا۔ ضمانت نہ دینے ایک ہزار روپیہ
کے باعث اسے بھی بند ہونا پڑا۔

ایک تیر سے دو شکار یعنی مسلمانوں سے اکھٹے سات ہزار روپیہ کی رقم طلب کر لی۔
اس تیر سے کانگریسی وزراء نے دو شکار کئے۔ ایک تو
مسلمانوں کی آواز بالکل بند کر دی دوسرے ان تمام اخبارات کے عملوں اور مطبع کے غریب
کارکنوں کو اس بے روزگاری کے زمانہ میں ذریعہ معاش سے محروم کر دیا۔

سرکاری بیان جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے ۲۲ر جون کو شائع ہوا تھا جس میں آئندہ
کارروائی کرنے کی دھمکی تھی مگر جن مضامین پر گرفت کی گئی وہ حسب ذیل تاریخوں کے تھے۔

(۱) "سی۔ پی ٹائمس" ۳۰ر اپریل ۳۹ء (۲) "جد وجہد" ۳۱ر مارچ ۳۹ء
(۳) "مسلم" ۱۶ر اپریل ۳۹ء و ۲۱ر مئی ۳۹ء

سی۔ پی ٹائمس کے قابل اعتراض مضمون کا ترجمہ

یہ بتایا جاچکا ہے کہ "جد و جہد" اور "مسلم" کو جس مقدمہ کے فیصلہ پر تنقید کرنے کے صلہ میں جان دینی پڑی اُس مقدمہ کے مجرموں کو سشن جج نے بے قصور ٹھہرایا اور جو رائے ان اخباروں نے قائم کی تھی کہ پولیس ہندؤں کے ساتھ رعایت کرتی ہے اُسی طرف سشن جج نے بھی فیصلہ میں اشارہ کیا ہے کہ پولیس نے اس مقدمہ سے متعلقہ ہندو مجرمین کی گرفتاری میں چشم پوشی سے کام لیا۔ سی۔ پی ٹائمس کے جس مضمون پر گرفت کی ہے چونکہ وہ بہت مختصر ہے اس لئے اُس کا ترجمہ درج ذیل ہے:-

ہر اتوار کی صبح کو شائع ہونے والا　　دی "سی۔ پی۔ ٹائمس"　　اعزازی چیف اڈیٹر:- تاج الدین

جلد نمبر ۱	جبلپور۔ اتوار۔ مورخہ ۳۰ اپریل ۱۹۳۹ء	نمبر ۵

جبل پور ڈیویزن میں تیرہ مہینہ کے اندر سات مسلمان قتل ہوئے۔ آج کوئی قاتل جیل میں نہیں ہے

کٹنی کا نوجوان شہید

تصویر
محمد یونس
مرحوم

محمد یونس عرف بابو (عمر ۱۷ سال) دن جمعہ۔ بیرحمانہ اور قتل عمد کا شکار۔ مبینہ قاتلوں کو گرفتار کیا گیا۔ مگر مقدمہ کو اٹھا لیا گیا

۴ مسلمان گزشتہ سال کی ہولی میں مارے گئے مگر مبینہ قاتل کانگریسی وزارت کے حکم سے چھوڑ دیئے گئے۔

۱ محمد شفیع (۳۰ سال) کو اس سال ہولی میں چھرا گھونپ کر ہلاک کیا گیا۔ کوئی قاتل آج کی تاریخ تک گرفتار نہیں ہوا ہے۔

۱ محمد حنیف ساکن موضع پناگر حملہ کے ۹ دن بعد انتقال کر گیا جب پہلی مرتبہ واقعہ کی اطلاع پولیس کو دی گئی کوئی گرفتاری نہیں ہوئی۔

محکمہ امن و قانون

چھُدر ندی بھر چلی تُرائی
جس تھوڑے ہو دھن کھل اترائی

(تلسی داس جی)

ترجمہ :- چھوٹی چھوٹی ندیاں اُمنڈ اُمنڈ کر تیزی کے ساتھ بہنے لگیں جیسے تھوڑے دھن کے پا جانے سے دسٹ یعنی چھوٹے آدمی گھمنڈ کرنے لگتے ہیں۔

۶۸۶

محکمہ امن و قانون

یہی وہ محکمہ ہے جس کے ذریعہ مسلمانوں کو کچلنے اور ان کے دلوں میں احساس خوف و ناچاری پیدا کرنے کی خاص اور منظم کوشش کی گئی۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے اس محکمہ نے جو براہ راست وزیر اعظم پنڈت روی شنکر شکلا کے زیر نگین تھا حسب ذیل طریق کار اختیار کیا:-

(۱) مسلمان پر اگر ہندو نے زیادتی کی ہو تو اس کو نظر انداز کر دینا۔

(۲) مسلمان کی رپورٹ درج ساختہ نہ کرنا۔ اگر تحریری رپورٹ دی جائے تو اسے سرسری تحقیقات کے بعد داخل دفتر کر دینا۔

(۳) رپورٹ کرنے والے مسلمان کو ڈانٹنا۔ ڈرانا۔ دھمکانا۔ اگر اس پر بھی نہ مانے تو الٹے اسی کے خلاف مقدمہ قائم کر دینا۔ اور اس کی حمایت میں گواہی دینے والے کو بھی ملزم بنا دینا۔

(۴) مسلمان قومی کارکنوں کے خلاف مقدمات کھڑے کرنا۔

(۵) ہندوؤں کے جلوس پر کسی طرح کی پابندی نہ لگانا۔ بلکہ ان کی محافظت کا انتظام کرنا۔

(۶) اگر ہندوؤں کی اشتعال انگیزی سے بلوہ ہو جائے تو یا تو صرف مسلمانوں کو ملزم ٹھیرانا یا دونوں فریقوں کو جس میں مسلمانوں کے اچھے اچھے کارکنوں کو پھانسنا مگر ہندوؤں کے دو چار معمولی آدمیوں کا چالان کر دینا۔

(۷) اگر کہیں اتفاق سے صرف ہندوؤں کے خلاف مقدمہ ہو گیا ہو تو چند رسمی

پیشیوں کے بعد اسے اُٹھالینا۔

(۸) اگر کسی مقدمہ میں دونوں فریق ماخوذ ہوں اور دونوں مل کر مقدمہ اُٹھانے کی درخواست دیں تو مقدمہ اُٹھالینا کیونکہ اصلی مجرم ہندو کا فائدہ ہوتا ہے۔

(۹) اگر ملزم صرف مسلمان ہوں اور مستغیث ہندو اور دونوں مل کر مقدمہ اُٹھانے کی درخواست دیں تب بھی مقدمہ نہ اُٹھانا۔

(۱۰) ہندو غنڈوں کی ٹولیوں کو قانون اپنے ہاتھ میں لے کر مسلمان گھروں پر حملہ کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دینا رپورٹ کرنے پر بھی کوئی توجہ نہ کرنا۔ بلکہ اکثر مسلمان ہی کو ملزم بنا دینا۔

(۱۱) اگر مسلمان کا قتل ہو تو یا تو مقدمہ اُٹھالینا یا ثبوت کا فراہم نہ ہونا۔ لیکن اگر ہندو کا قتل ہو تو گاؤں بھر کے مسلمانوں کا چالان کر دینا۔ مسلمانوں کے خلاف وافر ثبوت کا فوراً فراہم ہو جانا۔

(۱۲) ہندوؤں کو اس کی آزادی دینا کہ وہ اس شک پر کہ فلاں گھر میں ہندو یا نومسلمہ عورت ہے گھر میں گھس کر عورت کو جبراً اُٹھالے جائیں۔ ان سے بازپرس نہ کرنا۔

(۱۳) ہندوؤں کو اس کی آزادی دینا کہ وہ گاؤکشی کے جرم میں مفروضہ مجرم مسلمان کے گھر میں حملہ کر کے اُس کو زدوکوب کریں۔ ہر طرح کی ایذا پہنچائیں۔ عورتوں کی بے عزتی کریں۔ ان سے کوئی بازپرس نہ کرنا۔

(۱۴) مسلمان اور ہندو ملزمین کے ساتھ امتیازی سلوک کر کے ہندو مجرم کی ہمت افزائی کرنا اور مسلمان کو ذلیل کرنے کی کوشش کرنا۔

(۱۵) اگر کہیں اتفاق سے مسلمان کو قتل کرنے کے جرم میں ہندو کو عدالت سے سزا ہو جائے تو وزراء کا اُسے رہا کر دینا۔

(۱۶) ہندو اگر کسی پولیس افسر کے خلاف شکایت کرے تو اُسے فوراً تبدیل کر دینا یا اُس کے خلاف کارروائی کرنا لیکن مُسلمان کسی پولیس افسر کے خلاف ہزار چیخے چلائے ایک نہ سننا تاکہ وہ اور دلیری کے ساتھ مُسلمانوں کو ستا سکے۔

(۱۷) ہندو کی رپورٹ پر مُسلمانوں کے خلاف فوراً اور سخت کارروائی کرنا۔

یہ طریق کار کسی ایک جگہ کے لئے مخصوص نہ تھا بلکہ شاید ہی کوئی ضلع ہوگا جہاں اس پر عمل درآمد نہ کیا گیا ہو۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کہیں کم اور کہیں زیادہ۔ اُن لاتعداد واقعات میں سے جو اس سلسلہ میں مُسلمانوں کی جان و مال و آبرو کی تباہی کا باعث ہوئے ہر ضلع کے چند واقعات بطور ثبوت درج ذیل کئے جاتے ہیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ "اہمسا اور سچائی" کی حکومت کس نوعیت کی تھی۔ واقعات صرف وہ لئے گئے ہیں جو بالکل مصدقہ ہیں اور ان سے ثابت ہو جائے گا کہ مُسلمانوں کو کچلنے کے لئے محکمہ نظم و نسق کے طریق کار کے جو سترہ عنوانات قائم کئے گئے ہیں وہ صرف صحیح نہیں بلکہ کم ہیں۔

نربدا ڈویژن

۱۔ ضلع ہوشنگ آباد

(۱) ہوشنگ آباد زہر خورانی کا مشہور واقعہ

سنہ ۱۹۳۷ء کا واقعہ ہے کہ ایک ہندو جوان لڑکی لاپتہ ہوگئی۔ چند ہندو سورماؤں کو یہ شک ہوا کہ مقامی مُسلمان مالگذار کا لڑکا اُسے کہیں چھپائے ہوئے ہے۔ اِس لڑکے سے انتقام لینے کی یہ تدبیر سوچی گئی کہ اِسے ختم کر دیا جائے۔ یہ لڑکا اپنی کم عمر چھوٹی بہن کے ساتھ اکثر سینما دیکھنے

رہتا تھا اور رہاں جو ہند و پان والا تھا اُس سے پان خرید کر کھایا کرتا تھا ۔ کبھی کبھی اپنی بہن سے منگوا لیا کرتا تھا ۔ چنانچہ اس ہندو پان والے نے جو سازش میں شریک تھا سنکھیا فراہم کیا ۔ اور وقت کا منتظر رہا ۔ ایک روز اتفاق سے اس لڑکے نے اپنی بہن کو سینما کے اندر سے بھیجا کہ پان لے آ ۔ پان والے نے لڑکی کو دو پان دیئے ایک بڑا ایک چھوٹا اور خوب تاکید کی کہ چھوٹا خود کھا لینا اور بڑا پان اپنے بھائی کو دینا (کیونکہ اس میں سنکھیا ملا دیا گیا تھا) لڑکی پھر لڑکی ہی تھی اُس نے بڑا پان خود کھا لیا اور چھوٹا بھائی کو دے دیا ۔ پان کھانے کے بعد ہی اس کی حالت غیر ہونی شروع ہوئی اور چند گھنٹوں کے بعد یہ معصوم ملک عدم کو سدھار گئی ۔ پان والا ماخوذ ہوا اور مقدمہ چلا ۔ شہر کے بڑے بڑے کانگریسیوں نے اس کی پیروی میں حصہ لیا ۔ اچھے اچھے وکیل ایک معمولی پان والے کی طرف سے صفائی میں پیش ہوئے ۔ عدالت نے ثبوت کافی پاتے ہوئے موت کی سزا دی ۔ ہائیکورٹ میں اپیل کی گئی وہاں سے بھی سزائے موت بحال رہی لیکن فیصلہ کے چند دنوں بعد ہی صوبہ کے وزیر عدالت مسٹر ڈی ۔ کے مہتا نے عدالت عالیہ کے فیصلہ پر خط تنسیخ کھینچ کر اسے بالکل رہا کر دیا ۔ اور اسمبلی میں اس امر پر ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ "اگر میں ایسا نہ کرتا تو انصاف کا خون ہوتا" اس مختصر رپورٹ میں اُن سارے ثبوتوں اور شہادتوں کو پیش کرنا ناممکن ہے جو اس مقدمہ میں مندرج مسل ہوئے ہیں ۔ لیکن یہ دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مسل پر ثبوت اتنا مکمل اور مستحکم تھا کہ کوئی غیر جانب دار شخص اُس فیصلہ کے سوا جو عدالت ماتحت اور عدالت عالیہ نے دیا کسی دوسرے فیصلہ پر پہنچ ہی نہیں سکتا ۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اس پان والے کو بے داغ چھوڑ دینے کا واقعہ مسٹر شریف کو وزارت سے نکالے جانے کے بعد ہوا ہے ۔ یعنی مسلمان وزیر نے عدالت کے فیصلے سے بلا اختلاف کئے ہوئے دیگر حالات کی بنا پر ایک مسلمان ملزم کی سزا میں جسے فاحشہ عورت کے ساتھ جبریہ زنا کرنے کے جرم میں سزا ہوئی تھی صرف دو سال کی تخفیف کر دی ، تو

ملک بھر میں ایک شور مچا۔ تحقیقاتی کمیشن مقرر ہوا اور صرف "قوت فیصلہ کی غلطی" کا مجرم قرار دیئے جانے پر بھی وزارت کو خیرباد کہنا پڑا۔ لیکن ہندو وزیر نے عدالت عالیہ کے فیصلہ کو غلط ٹھہراتے ہوئے سزائے موت یک قلم منسوخ کر دی تو "قوت فیصلہ کی غلطی" کا بھی گمان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ محض امر اتفاقی تھا کہ جو مشہور وکیل۔ ہندو پانی والے کی وکالت کرتے رہے وہ وزیر عدالت کے گہرے دوست اور ان کے ساتھ کے پڑھے ہوئے تھے اور مقامی کانگریسی حضرات کو ملزم کے ساتھ ہمدردی تھی۔ یہ بھی محض اتفاقی امر تھا کہ مسٹر شریف نے جس مقدمہ میں دخل دیا اس میں متعلقہ عورت ہندو تھی اور ملزم مسلمان تھا اور مسٹر مہتا نے جس مقدمہ میں عدالت کے فیصلہ پر خط تنسیخ پھیرا اس میں متعلقہ لڑکی مسلمان تھی اور ملزم ہندو!

فاحشہ ہندو لڑکی کے ساتھ زنا کرنے والے مسلمان ملزم کی سزا میں تخفیف بھی گوارا نہیں ہو سکتی لیکن معصوم مسلمان لڑکی کو جان سے مار ڈالنے والے ہندو کو بے داغ رہا نہ کرنے سے "انصاف کا خون" ہوتا ہے! یہ ایک ادنیٰ مثال کانگریسی انصاف کی ہے۔ جب ہائی کمانڈ اور وزرا کی ذہنیت کا یہ حال ہے تو ماتحتوں کی ذہنیت کا کیا عالم ہوگا۔ اندازہ کر لیجئے۔

(۲) نرسنگھ پور:-

(۱) ۱۹۳۷ء میں ایک مسلمان شیخ غفور (جن کا اب انتقال ہو چکا ہے) کی عورت کا اغوا کیا گیا اس نے پولیس میں اطلاع دی اور چند آدمیوں کے نام بھی بتائے جن پر شبہ تھا مگر پولیس نے مشتبہین کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی اور اس عورت کا آج تک پتہ نہیں چلا۔

(۲) برخلاف اس واقعہ کے اسی ۱۹۳۷ء کے ماہ نومبر میں پریم نرائن نامی ہندو کارکن کے اشارے سے مانگ قوم (بھیک مانگنے والا فرقہ) کی ایک فاحشہ ہندو عورت کے

بیان پر ہندو سب انسپکٹر نے مسلمانوں کو جن میں ایک ضعیف معزز شہری مرزا اسد اللہ بیگ اور ان کی نومسلمہ بیوی بھی تھیں اغوا کے مقدمہ میں چالان کر ڈالا۔ مرزا اسد اللہ بیگ کے پاس یہ نومسلمہ تقریباً گزشتہ سولہ سال سے ہے۔ اس مقدمہ میں اس غریب بڈھے کے کئی سو روپیہ خرچ ہوئے کیونکہ مستغیثہ عورت کا پیدائشی سرٹیفکیٹ بھوپال سے منگوانا پڑا۔ اور اس کے باپ اور دیگر گواہوں کو کئی پیشیوں پر بھوپال سے لانا پڑا۔ باپ نے خود بیان میں کہا کہ لڑکی آوارہ ہوگئی ہے اور سولہ سال سے زائد عمر کی ہے۔ اس لڑکی سے نہ صرف ان ملزمین کے خلاف بلکہ ایک معزز مسلمان افسر کے خلاف بیان دلایا گیا۔ اگر لڑکی کا پیدائشی سرٹیفکیٹ نہ ملتا اور اس کا باپ سچ بولنے پر راضی نہ ہوجاتا تو ان افسر کا بھی شاید وہی حشر ہوتا جو ظفر حسین کا ہوا۔ جب تک یہ مقدمہ چلتا رہا (تقریباً ۸ ماہ) لڑکی کو پریم نرائن ہی کے قبضہ میں رہنے دیا گیا۔ لڑکی کے باپ نے افسران بالا کو درخواست دی کہ لڑکی اُس کے حوالے کردی جائے اور یہ سنگین الزام لگایا کہ آریہ ساجیوں کے قبضہ میں رکھے جانے کے دوران میں وہ حاملہ ہوگئی ہے۔ لیکن اس سنگین الزام کی طرف کوئی توجہ نہ کی گئی اور اس ڈر سے کہ شاید مزید کارروائی نہ ہوجائے لڑکی کو دھوا آشرم لاہور چلتا کردیا گیا۔ عدالت نے ان ملزمین کو جولائی ۱۹۳۸ء میں بری کردیا کہ ثبوت اغوا یا کم عمری کا نہیں ہے اور لڑکی فاحشہ ہے اور جھوٹ بولتی ہے۔

(۳۷) محرم کے موقعہ پر محمد نامی زنگر بز اپنی عورت کے ساتھ جوذات کی ہندو تھی پاس کے گاؤں سے محرم دیکھنے کے لئے نرسنگھ پور آیا (اوائل مارچ ۱۹۳۸ء میں) دونوں نے دھرم شالہ میں قیام کیا۔ آریہ ساجیوں نے پہلے تو عورت پر دباؤ ڈالا کہ وہ محمد کا ساتھ چھوڑ دے۔ اور اُس کو ہر طرح بہکاتے اور دھمکاتے رہے۔ محمد یہ دیکھ کر محرم ختم ہوتے ہی، دھرم شالہ چھوڑ کر چلا گیا۔ جب آریوں نے یہ دیکھا کہ شکار ہاتھ سے نکل گیا تو ۱۰ر مارچ کو ایک ہندو رام کرشنا پجاری کی طرف سے مجسٹریٹ فرسٹ کلاس

کی عدالت میں درخواست دلوادی کہ دھرم شالہ میں یہ عورت اُس سے ملی تھی (الف) "وہ رورہی تھی" (ب) "اس نے پناہ مانگی" (ج) "اُس نے کہا کہ یہ مسلمان مجھ کو خراب کرے گا مجھے بچاؤ" (د) یہ بھی کہا کہ "یہ مسلمان مجھے بھگا لایا ہے" اور عدالت پر اثر ڈالنے کے لئے درخواست میں یہ بھی لکھوا دیا گیا کہ "اسی طرح ایک لڑکی کو حراست بیجا میں رکھنے کے بعد اُس کے راضی نہ ہونے پر قتل کیا جا چکا ہے اس لئے اگر فوری کارروائی نہ کی گئی تو عجب نہیں کہ اس لڑکی کا بھی وہی حشر ہو" (حالانکہ ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا تھا)

عدالت نے وارنٹ جاری کر دیئے اور دوسرے روز محمد رنگریز اور اُس کی ہندو عورت کشاں کشاں عدالت میں حاضر کر دیئے گئے۔ عدالت میں عورت نے بیان دیا کہ نو سال ہوئے اُس کا شوہر اُسے چھوڑ چکا ہے اس کی عمر ۲۸ سال کی ہے وہ دو سال سے محمد کے ساتھ رہتی ہے اور اُسی کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ اسے گڑھاکوٹہ ضلع ساگر کا ہر شخص جانتا ہے کہ وہ ایک عرصہ سے محمد کے ساتھ رہتی ہے۔ محمد رنگریز نے بھی اسی طرح کا بیان دیا۔ مسٹر ورما مجسٹریٹ کی اس پر تسلی نہ ہوئی اور اُنہوں نے گڑھاکوٹہ کی پولیس سے تصدیقی رپورٹ آنے تک فیصلہ ملتوی رکھا اور پیشی کے لئے ۲۵ مارچ کی تاریخ دی۔ ۲۵ مارچ کے آرڈر شیٹ کی نقل حسب ذیل ہے:-

۲۵/۳/۳۸ "محمد عورت کے ساتھ حاضر ہے۔ پولیس یا کسی اور کی طرف سے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کا بیان درست ہے۔ اس لئے اُسے جہاں چاہے جانے کی اجازت ہے۔ مقدمہ داخل دفتر کر دیا جائے۔"

دستخط۔ ایس، ایل، ورما۔ مجسٹریٹ فرسٹ کلاس

اس طرح پندرہ روز کی پریشانی کے بعد ان دونوں کی جان چھٹی۔ مگر مجسٹریٹ یا پولیس نے اُس پجاری سے جس نے صریحاً جھوٹی درخواست عدالت کو دی اور مُفت میں وارنٹ کے ذریعہ ان کو گرفتار کرایا کوئی باز پرس نہ کی۔ اگر عورت ترغیب یا تخویف سے

سے متاثر ہو جاتی تو بیچارے رنگریز کا حشر بُرا ہوتا۔

(۴) ۱۹۳۸ء میں محرم کے موقع پر ہندوؤں نے فساد کرنے کی پوری کوشش کی۔ عشرہ سے دو روز پہلے بعض دیواروں پر ہاتھ سے لکھے ہوئے اشتہار چسپاں پائے گئے جس میں یہ بھی درج تھا:-

"بھارت ماتا مسلمانوں کے خون کی پیاسی ہے جو کوئی ان کے
خون سے ہاتھ رنگے گا وہ سیدھا سورگ جائے گا۔

یہی موقع ہے ......"

یہ اشتہارات پولیس کے حوالے کر دیئے گئے۔ نویں محرم کو تعزیوں پر پتھر پھینکے گئے ایک مسلمان عورت بُری طرح زخمی ہوئی مگر مسلمانوں کے ضبط اور امن پسندی نے معاملہ کو آگے بڑھنے نہ دیا۔ ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے پولیس نے صرف یہ کیا کہ ۱۰ محرم کو پریم نرائن نامی آریہ کارکن کو جس کا تذکرہ اوپر آچکا ہے اور ایک اور ہندو کو ناکے پر بٹھائے رکھا۔ کسی شر انگیزی کرنے والے کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ اشتہار میں "یہی موقع ہے" کا لفظ قابل غور ہے۔ اشتہار لکھنے والے کا پتہ پولیس نہ چلا سکی!!

(۵) جب ہندوؤں کو کئی بار بلوہ کرنے میں ناکامی ہوئی تو انہوں نے جلوس نکالنے کا ایک سلسلہ باندھ ڈالا اور روزانہ ایک جلوس "رام دھن" کے نام سے نکالنے لگے۔ پولیس نے آزادی کے ساتھ اس کی اجازت دے دی۔ نام سے یہ تو جلوس مذہبی ظاہر ہوتا ہے مگر اس کے پردے میں ہر طرح کی اشتعال انگیزی کی گئی۔ مسلمانوں کے خلاف جتنے نعرے ہو سکتے تھے اس جلوس کے شرکا، لگاتے تھے مگر کوئی ٹوکنے والا نہ تھا۔ نرسنگھ پور میں رواج قایم یہ ہے کہ باجہ نماز کے وقت مسجد کے سامنے نہیں بجایا جا سکتا۔ مگر اس جلوس کے ذریعہ متعدد بار اس کی خلاف ورزی کی گئی۔ پولیس میں کئی بار رپورٹ کی گئی مگر پولیس نے کوئی کارروائی نہ کی۔ اس جلوس کے شرکا، عموماً ہتھیار بند ہوتے تھے جس لئے وہ مسلمانوں

کا جلوس نکلنے والا ہوتا تھا اِس "رام دھن" کے جلوس میں شرکا کی تعداد غیر معمولی طور پر زیادہ ہو جاتی تھی۔ محرم ۱۳۵۸ھ ۱۹۳۹ء میں صرف مسلمانوں کے ضبط اور امن پسندی سے بلوہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ دل آزار نعرے لگانے والوں اور نماز کے وقت باجہ بجانے والوں سے پولیس نے کبھی کوئی باز پرس نہ کی۔ البتہ مسلمانوں کو برابر تنبیہہ کر دی جاتی تھی۔

(۶) ہندو لیڈروں نے جب یہ دیکھا کہ اُن کی کوششوں سے فتنہ و فساد کی آگ پورے طور پر نہیں بھڑکی تو اُنھوں نے ایک آریہ سماج پرچارک پنڈت رام چندر شرما کو بلوا بھیجا۔ ان کے آنے سے مقصد پورا ہو گیا۔ اِنھوں نے ساری تحصیل میں اپنی شر بار تقریروں سے وہ آگ لگائی کہ کئی مہینوں تک اس علاقہ میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ رہا۔ ان کی آؤ بھگت، قیام و طعام کی آسائش اور جلوس و جلسہ کے انتظامات میں ہر جگہ مقامی کانگریسی لیڈروں نے دل کھول کر حصّہ لیا۔ ان کی تقریروں نے کیا گُل کھلائے اس کی تفصیل ہر مقام کے ساتھ آگے آئے گی۔ اِس جگہ صرف یہ بتانا ہے کہ انھیں اِس طرح زہر پھیلانے کے لئے آزاد چھوڑ دیا گیا۔ اگرچہ مسلمان برابر احتجاج کرتے رہے اور پولیس اور حکام کو اطلاع دیتے رہے۔ ان کی تقریروں کے چند جملے بطور نمونہ درج ذیل ہیں:

(۱) "مسلمان کُتے ہیں۔ جیسے کُتا گوشت کھاتا ہے یہ بھی کھاتے ہیں۔"

(۲) "ایک مسلمان زندگی بھر میں بارہ گائے کھاتا ہے ایک مسلمان کی کمی سے بارہ گئوؤں کی جان بچتی ہے۔"

(۳) "ہندوستان ہندوؤں کا ہے جو رہے ہندو بن کر رہے ورنہ عرب چلا جائے جو نہ مانے اُسے نکال دو۔"

"ازیں قبیل"

جب یہ اپنا مشن پورا کر کے نرسنگھ پور سے روانہ ہو گئے تو حکومت کو ہوش آیا اور ان کے خلاف دفعہ ۱۵۳ (الف) تعزیرات ہند مقدمہ چلایا گیا۔ یہ اکولہ سے گرفتار کر کے

نرسنگھ پور لائے گئے مگر پورے اعزاز کے ساتھ ملزم کی طرح نہیں۔ رائے صاحب بالا پرشاد چوہری جو کانگریس ٹکٹ پر نرسنگھ پور میونسپل بورڈ کے چیرمین ہیں ان کے میزبان بنے۔ اِن کی ضمانت مقامی کانگریسی لیڈروں نے دی۔ نرسنگھ پور اور مضافات میں ان کی گرفتاری پر مکمل ہڑتال ہوئی۔ تمام کانگریسی دوکانداروں نے بھی دوکانیں بند کیں۔ ضمانت کے ساتھ شرط یہ تھی کہ یہ تقریر نہ کریں گے مگر بنگلہ پر ہر وقت دو ڈھائی سو کا مجمع رہتا اور دیا کھان جاری رہتا۔ پولیس کو اعتراض نہ تھا۔ اِنہوں نے بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ کئی بڑے بڑے کانگریسی وزیراعظم کے پاس دوڑے آئے اور یہ طے ہو گیا کہ رسمی "اظہار افسوس" کر دیں۔ اِنہوں نے ایک لمبا بیان دیا جس میں اپنے طرز عمل کو سراہا اور حق بجانب بتایا البتہ "غلط فہمی پر اظہار افسوس" بھی کر دیا اور مقدمہ اُٹھا لیا گیا۔ ان کا ہاتھی پر جلوس نکالا گیا۔ جس میں تقریباً تمام کانگریسی لیڈر۔ میونسپل کانگریسی پارٹی کے چیرمین اور مقامی ممبر اسمبلی شریک ہوئے۔ رہا ہونے کے بعد بھی نصف درجن مقامات پر انہوں نے ویسی ہی زہریلی تقریریں کیں مگر کون تھا جو اُن کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھتا۔

(۷) ۲۹ مارچ ۱۹۳۹ء نرسنگھ پور میں رام نومی کا تہوار غیر معمولی دہوم دھام سے منایا گیا۔ دور دراز کے دیہاتوں سے آدمی بُلائے گئے۔ جوش میں بھرے ہوئے مسلح ہندوؤں کے جلوس نے شہر میں گشت لگایا اور مسجدوں اور مُسلمانوں کے مکانوں کے سامنے جی بھر کر دل آزار نعرے لگائے۔ کچھ پولیس کے انتظام کچھ مُسلمانوں کے صبر و ضبط کے سبب بلوہ نہ ہو سکا۔ اِس ناکامی کو دیکھتے ہوئے ۴ اپریل کو ایک نیا جلوس "جوہرا" کے جلوس کے نام سے نکالا گیا اور عمداً مغرب کی نماز کے وقت مسجد کے سامنے پہنچایا گیا۔ نعرے غیر معمولی شور کے ساتھ لگائے گئے۔ باجے والوں نے اپنی عادت کے مطابق باجہ بند کر دیا لیکن پریم نرائن اور مول سنگھ ہندو کارکنوں نے باجے والوں کو سخت سُست کہا اور اُن سے ڈھول چھین کر خود زور زور سے پیٹنے لگے۔ اِس وقت بھی مُسلمانوں نے انتہائی اشتعال کے

صبر و سکون سے کام لیا۔ اِس جلوس کی واپسی کا ایسا پروگرام بنایا کہ ٹھیک عشاء کی نماز کے وقت مسجد کے پاس پہنچا اور مسجد کے سامنے پولیس کی حفاظت میں بہت دیر تک کھڑا رہا۔ باجہ بجتا رہا اور دل آزار اور اشتعال انگیز نعرے لگتے رہے۔ مسلمان لیڈروں نے مسلمانوں کو قابو میں رکھا۔ اِن تمام حرکتوں کی اطلاع افسروں کو دی گئی۔ لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔

(۸) دل آزار نعرے لگانے اور خلاف دستور مسجد کے سامنے باجہ بجانے پر کسی قسم کی گرفت نہ ہونے سے ہندوؤں کی حوصلہ افزائی ہوئی اور اب ایک قدم اُنہوں نے آگے بڑھایا۔ اب انتہائی دل آزار نظمیں اور گیت جلوس کے ساتھ علانیہ گائے جانے لگے۔ چنانچہ شیوراتری کے جلوس کے موقع پر، سوامی دیانند کا جنم دن منانے کے موقع پر اور حیدرآباد کی ستیہ گرہ کی حمایت کے جلوس کے موقع پر ایسی نظمیں سر بازار پڑھی گئیں۔ بعض ٹکڑے ملاحظہ ہوں :۔

چل چکے بہت اب گھوڑے ہند میں اسلام کے
اب تو اس کو ہر بشر جوتوں سے ٹھکرانے کو ہے
اب قران کا پارسل سیدھا عرب جانے کو ہے (نعوذ باللہ)
بال تک بیکا آریوں کا ہو سکتا نہیں
ایک حیدرآباد کیا کُل اسلام مٹ جانے کو ہے
اب قران کا پارسل سیدھا عرب جانے کو ہے (نعوذ باللہ)

پولیس یہ سب دیکھتی رہی مگر کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی وہ تو اس تاک میں تھی کہ مسلمان ذرا اُلجھیں اور اُنہیں قانونی شکنجے میں کس لیا جائے۔

(۹) ۱۹۳۹ء میں چہلم کے جلوس پر تقریباً ۸ بجے شب کو گاندھی چوک کے قریب سیٹھ چھوگ مل کے مکان سے سوڈا واٹر کی بوتلیں پھینکی گئیں۔ اس جلوس کے ساتھ پولیس موجود تھی کئی آدمی زخمی ہوئے، پولیس کو بتایا گیا مگر حسب دستور کسی کے خلاف کارروائی نہیں کی گئی۔

جب جلوس ایک ہندو محلّہ سے گزرا تو اس پر پتھروں کی بارش ہوئی۔ اے۔ ڈی۔ ایس۔ پی کی آنکھوں کے سامنے ایک شخص پتھر پھینکتے ہوئے پکڑا گیا مگر اس معاملہ کو بھی حسب دستور گاؤ خورد کر دیا گیا مسلمان لیڈروں نے بڑی دانشمندی سے کام لیا اور مسلمانوں نے بڑے تحمل سے کیونکہ واقعات کی رفتار سے وہ سمجھ رہے تھے کہ ذرا بھی موقع ملا تو پولیس اُن کے سر آفت ڈھا دے گی۔

(۱۰) ۱۹۳۹ء کے گرما میں ایک روز ایک بھنگن اپنے گھر میں موجود نہ ملی بھنگیوں میں اس کا چرچا ہوا ہندو کارکنوں کو بھی خبر پہنچی۔ پھر کیا تھا۔ محض شک کی بنا پر پتھروں کی کثیر جماعت نے جن کی رہبری اور پشت پناہی مقامی ہندو اور کانگریسی لیڈر کر رہے تھے ایک مسلمان کے ہوٹل کو گھیر لیا۔ اس کو دروازہ بند کر دینا پڑا۔ یہ لوگ رات بھر ہوٹل کو گھیرے رہے کہ عورت بھگا نہ دی جائے۔ اور خوب گالیاں بکتے رہے۔ پولیس نے پتھروں اور ان کے رہبروں سے جو مجمع خلاف قانون بنائے ہوئے تھے کوئی تعارض نہ کیا اور چونکہ تحقیق کے ساتھ پولیس کو اطلاع تھی کہ عورت اس مکان میں نہیں ہے اس لئے تلاشی بھی نہ لی گئی کہ معاملہ رفع دفع ہو جاتا۔ صبح کے وقت یہی عورت نرسنگھ پور اسٹیشن پر ٹرین سے اترتی ہوئی ملی۔ اُسے سیدھے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے بنگلہ پر لیجایا گیا جہاں اُس نے بیان دیا کہ وہ اپنے ایک رشتہ دار سے ملنے کو ملی چلی گئی تھی اور اب واپس آ رہی ہے۔ کسی مسلمان کا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ تب جا کر خدا خدا کر کے ہوٹل پر سے محاصرہ اُٹھا اور ہوٹل والے اور دیگر مکینوں کی نجات ہوئی۔ پولیس نے ہوٹل گھیرنے والوں اور نقص امن کرنے والوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔

(۱۱) گورنمنٹ ہائی اسکول نرسنگھ پور کا ایک ٹیچر مسٹر جین ہندو لڑکوں میں مسلمانوں کے خلاف خوب جذبات عناد و نفرت پھیلانے کا عادی تھا۔ چند مسلمان لڑکے ایک خاص طرح کی ٹوپی پہنا کرتے تھے جس کا نام جناح کیپ مشہور ہو گیا تھا۔ اس ماسٹر کے

اشتعال دلانے پر ہندو لڑکوں نے مسلمان لڑکوں سے کہا کہ وہ یہ ٹوپی نہ پہنا کریں مسلمان
لڑکوں کے انکار کرنے پر اس ماسٹر اور متعدد ہندو لڑکوں نے مسلمان لڑکوں کو سبق دینے
کا فیصلہ کیا۔ دوسرے روز یہ لڑکے لاٹھیاں لے کر آئے جو کلاس میں رکھی گئیں۔ ہیڈ ماسٹر
کو اطلاع ہوئی اس نے لاٹھیاں ضبط کیں۔ ایک خلفشار پیدا ہو گیا۔ صورت حال خطرناک
دیکھ کر پولیس بلوائی گئی۔ پولیس کی موجودگی اور بعض دوسرے لوگوں کے بیچ میں پڑنے
سے معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ پولیس نے کافی شہادت ہونے کے باوجود ماسٹر کے خلاف
کوئی کارروائی نہ کی۔ البتہ محکمہ تعلیم نے بعد تحقیقات اس ماسٹر کو برخاست کر دیا۔ لیکن
مقامی کانگریسیوں کی سفارش لے کر یہ وزارت تک پہنچا اور وہاں سے فوراً ایک
دوسرے محکمہ میں ایک دوسری جگہ اس کا تقرر کر دیا گیا۔ اس شخص کے خلاف پولیس میں
متعدد رپورٹیں موجود ہیں۔ اس سے باز پرس تو کیا ہوتی الٹے محکمہ تعلیم کے احکام کے علی الرغم
وزارت نے اسے سرکاری ملازمت سے نوازا! جس مسلمان ماسٹر نے اس سازش اور لاٹھیوں
کی فراہمی کی اطلاع ہیڈ ماسٹر اور افسران بالا کو دی تھی اس کا چند ہی دنوں کے بعد نرسنگھ پور
سے تبادلہ ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ مسلم پر تبادلہ کی یہ وجہ کیسے بتائی جا سکتی ہے۔

(۳) تیندورکھیڑہ (تحصیل نرسنگھ پور)

ایک دلگداز واقعہ

پنڈت رام چندر شرما آریہ پرچارک ۹ اپریل ۳۹ء کو اس موضع میں آئے۔ ایک
مقامی کانگریسی لیڈر سیٹھ کشوری لال پالیوال کے زیر صدارت ہندوؤں کا بہت بڑا جلسہ
ہوا۔ پنڈت جی نے گئو رکھشا پر بہت زور دیا اور کہا کہ گائے کے دشمنوں سے تمہیں دشمنی
رکھنی چاہیئے اور بدلہ لینا چاہیئے۔ اس موضع میں مسلمان انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ یہیں

ایک گھر بادا اللہ نامی قصاب کا بھی ہے۔ اس کا خاندان عرصہ پچاس سال سے اس موضع میں اپنے گھر کے اندر گاؤ کشی کرتا چلا آتا تھا۔ چونکہ اطراف میں اور خود قصبہ میں مسلم آبادی بہت کم ہے اس لئے یہ جانوروں کو گوشت بیچنے کی غرض سے بہت کم ذبح کیا کرتا تھا۔ بلکہ عموماً ضعیف اور ناکارہ جانور خرید کر صرف چمڑا کام میں لاتا تھا اور گوشت چیل کوؤں کو کھلا دیا کرتا تھا۔ پنڈت جی کے ویاکھان نے ہندوؤں کو جو پہلے ہی سے شیر ہو چکے تھے اور مشتعل کر دیا۔ یہ موقع کے منتظر رہے۔ اتفاق سے ۱۶ر اپریل کو بادا اللہ نے اپنے گھر کی چار دیواری کے اندر حسب دستور ایک ناکارہ جانور ذبح کیا۔ کہیں اس کی خبر ہندو سورماؤں کو لگ گئی۔ واضح رہے کہ اس کا مکان بستی کے کنارے پر ہے جہاں چند گھر اچھوتوں کے ہیں۔ خبر ملتے ہی ہندی اسکول کے ہیڈ ماسٹر دوسرے ٹیچر اور مقامی نیتاؤں کی سرکردگی میں چار سو ہندوؤں کے مسلح مجمع نے اس کے گھر پر دھاوا بول دیا۔ بادا اللہ یہ دیکھ کر جنگل کی طرف بھاگا۔ ہندو بہادر مکان کے اندر گھس گئے۔ اس کی بیوی اور دونوں لڑکیوں کو باہر نکال لائے۔ لڑکیوں کے کپڑے پھاڑ ڈالے گئے اور برہنہ کر دی گئیں اور ان کی رسوائی کی گئی۔ بیوی کو جو تیس سال سے نو مسلمہ تھی لے گئے اور حراست بیجا میں رکھا اس کی شدھی بھی کی گئی۔ جس وقت بادا اللہ کے گھر پر یہ ہنگامہ ہو رہا تھا کسی نے عورتوں کی بے عزتی کی خبر جنگل میں بادا اللہ کو پہنچا دی۔ وہ تن بہ تقدیر واپس آ گیا۔ اس کی خوب مرمت کی گئی۔ گائے کا گوشت اس کے کٹے ہوئے پیر اور دم وغیرہ باہر لا کر ایک چارپائی پر ڈھیر کئے گئے تھے۔ اسے پاؤں پڑنے اور چومنے کو کہا گیا۔ اس سے بہت سے ناروا کلمے کہلوائے گئے۔ تھوک چٹوایا گیا اور توبہ کرائی گئی کہ اب آئندہ کبھی ایسا نہ کریں گے۔ اس کے بعد گائے کا لاشہ سنوارا گیا۔ اسے نیا کفن پہنایا گیا اور پھولوں کے ہار ڈالے گئے اور بڑی دھوم کے ساتھ اس کا جنازہ اٹھایا گیا۔ جلوس میں گائے کھانے والوں کو ہر طرح کی گالیاں دی گئیں۔ پھر یہ لاشہ ایک جگہ لے جا کر دفن کیا گیا اور گائے کی قبر بنائی گئی۔

ہندوؤں نے جنازہ کو کاندھا دینے میں سبقت لے جانے کی کوشش کی۔ پولیس بھی آئی۔ سب انسپکٹر مسلمان تھے انھیں اچھی طرح دھمکیاں دی گئیں اور گالی بھی۔ مرمت ہوتے ہوتے رہ گئی۔ پیش بندی کے طور پر ان کے خلاف فوراً اوپر شکایتی درخواستیں بھیجدی گئیں۔ یہ جانتے تھے کہ نرسنگھ پور کے کانگریسی لیڈروں کا وزارت پر کیا اثر ہے۔ اور ان کے خلاف کرنا اپنے گلے میں رسّی ڈالنا ہے۔ پھر اُس وقت جان کا خطرہ بھی تھا۔ مجبوراً کچھ نہ کر سکے۔ اب ہندوؤں نے اطمینان سے اس کا انتظام کیا کہ گواہی اور ثبوت نہ مل سکے۔ چند نفس مسلمانوں کو خوف زدہ کرنے کے لئے ان کا مکمل بائیکاٹ کیا گیا۔ نمک اور ایندھن تک ملنا ناممکن ہو گیا۔ دھمکیاں اور سر راہ تمسخر کا سلسلہ جاری رہا۔ جس کنوئیں سے باد اللہ کے گھر کے لوگ پانی بھرتے تھے اُس میں کولتار کے پیپے اُنڈیل دیئے گئے۔ کسی طرح افسران بالا کو واقعات کی اطلاع ہوئی اور پانچ آدمیوں کا صرف زیر دفعہ ۱۴۵ تعزیرات ہند رسمی طور پر چالان کر دیا گیا۔ ملزمین میں ڈسٹرکٹ کونسل کے ہندی اسکولوں کے دو ماسٹر بھی تھے۔ سرغنوں کو پیروی کے لئے آزاد چھوڑ دیا گیا۔ جس روز ملزمین کی گرفتاری ہوئی ہندوؤں نے ایک احتجاجی جلسہ کیا جس میں مسٹر پالیوال اور مسٹر قلعدار جیسے کانگریسی لیڈروں نے تقریریں کیں کہ گرفتاری اور چالان سراسر زیادتی ہے۔ اِس دوران میں مسلمانوں کے بائیکاٹ، دھمکی اور دل آزاری کا سلسلہ جاری رہا۔ باد اللہ کی بیوی دباؤ ڈالنے کے لئے حراست ہی میں رکھی گئی۔ بالآخر ایک ایسی تحریر لکھ دینے پر باد اللہ کو مجبور کیا گیا جس میں تمام واقعات سے صریح انکار اور خود اُس کی طرف سے زیادتی کا اقبال ہو ورنہ بیوی واپس نہ دینے اور مزید ایذا رسانی کی دھمکی دی گئی۔ غریب بے یار و مددگار نے مجبور ہو کر ایسی تحریر لکھدی تب جا کر اُسے اُس کی بیوی واپس دی گئی اور اِس تحریر کو بہانہ بناتے ہوئے وزارت نے حکم جاری کر دیا کہ مقدمہ اُٹھا لیا جائے۔ چنانچہ ۲۴ر جون کو مقدمہ اُٹھا لیا گیا۔ اِس فتح پر خوب خوشی منائی گئی۔

اب وہاں کے چند گھر مسلمان اس قدر مرعوب ہو گئے ہیں کہ کچھ بیان کرنے سے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ اس واقعہ کا دلگداز نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے اور چشم پرنم کے ساتھ وہ یہ کہہ کر ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ "اب اور بے عزتی تو نہ کراؤ۔ تم تو چلے جاؤ گے اور ہم پر آفت آ جائے گی۔ بڑے بڑے افسروں کے سامنے روئے تو انھوں نے کچھ نہ کیا اب ہم پھر اپنے سر مصیبت مول لیں۔" وزارت اور ہندوؤں کا مدعائے دلی اس موضع میں خاطر خواہ طریقہ پر پورا ہوا۔ گاؤکشی بند ہوئی۔ گاؤکش سے پورا پورا انتقام لیا گیا۔ ہندوؤں کے رعب کا سکہ بیٹھا اور مسلمان اُن کے تابع فرمان ہونے پر مجبور ہو گئے۔

(۴) دھوئی کھرپا (تحصیل نرسنگھ پور)

۲۹ مارچ سنہ ۱۹۳۹ء کے رام نومی کے جلوس میں شرکت کرنے کے لئے دور دراز کے دیہاتوں سے ہندوؤں کے غول کے غول نرسنگھ پور آئے تھے۔ اسی جلوس میں شرکت کرنے کی غرض سے موضع کھرپا کی ایک "رام دُھن" پارٹی بھی آئی تھی۔ اس پارٹی کے ساتھ حسب ذیل حضرات بھی تھے:۔

روشن سنگھ مالگزار کھرپا و صدر مقامی کانگریس کمیٹی۔ یہ سکریٹری مہاکوشل کانگریس کمیٹی کے رشتہ دار بھی ہیں۔

مسٹر نرنجن سنگھ صدر ضلع کانگریس کمیٹی و ممبر آل انڈیا کانگریس کمیٹی۔ اور مسٹر اودے شنکر سیلاک پراوسیکیوٹر۔

نرسنگھ پور میں باوجود اشتعال انگیزی کے کوئی فساد نہ ہوا اور مسلم آزاری کا موقع نہ ملا اس لئے دلوں میں جذبات اُبلتے رہے۔ انہیں معلوم ہوا کہ موضع دھوئی میں کسی مسلمان کے پاس ایک ہندو عورت ہے۔ یہ گاؤں کھرپا سے دو میل پر ہے۔ ایک

بارات گھر یا جا رہی تھی۔ روشن سنگھ وغیرہ مسلح جماعت کے ساتھ یکم اپریل کو بارات میں شریک ہو کر دھوئی پہنچے۔ جس مسلمان کے متعلق ہندو عورت رکھنے کے جرم کا شک تھا اُس کے مکان پر دھاوا بول دیا۔ مردوں کو اچھی طرح پیٹا، اندر گھس گئے۔ عورتیں کسی طرح بھاگ نکلیں اور چھپتی چھپاتی پاس کے مواضعات بچھئی اور بھوری پار پہنچیں۔ اور یہ دقت تمام دوسرے دن نرسنگھ پور آئیں اور پولیس کو اطلاع دی۔ اس بلوائی جماعت نے پولیس کوٹوار کے تعارض کرنے پر اُس کی بھی خبر لی اور واپس ہوتے ہوئے دُلہن کے علاوہ اُس عورت کو بھی جبراً ساتھ لے گئے جس پر مسلمان کے ساتھ تعلق رکھنے کا شبہ تھا۔

پولیس کا قدم بہت دھیمے دھیمے اُٹھا۔ جیسے عام طور پر گرفتاری ہوتی ہے۔ پولیس ملزموں کو گرفتار نہ کر سکی۔ ایک اسپیشل پولیس گارڈ بھیجنی پڑی جس نے گاؤں میں ڈیرہ ڈال دیا۔ اس پولیس گارڈ کا سخت بائیکاٹ کیا گیا۔ اِنہیں پانی تک دستیاب ہونا مشکل ہو گیا بہ ہزار خرابی ملزم گرفتار ہوئے۔ سرغنوں میں صرف روشن سنگھ ملزم بنایا گیا۔ فوراً ضمانت ہو گئی۔ مقدمہ صرف زیر دفعہ ۳۶۳ تعزیرات ہند چلایا گیا۔ مقدمہ کی پیروی میں پولیس کی طرف سے بہت سہل انگاری برتی گئی۔ لمبی لمبی پیشیاں دی گئیں۔ تقریباً سولہ مرتبہ تاریخیں پڑیں۔ اس عرصہ میں مستغیث اور گواہوں پر ہر طرح کا ناجائز دباؤ ڈالا گیا۔ جو دو گھر مسلمانوں کے دھوئی میں ہیں اُن کا مکمل بائیکاٹ کیا گیا۔ یہ جان کے خوف سے بہت دنوں تک اِدھر اُدھر چھپتے رہے۔ جب یہ دیکھا کہ پولیس اُن کی حفاظت کا کوئی انتظام نہیں کرتی بلکہ طرح دیئے جا رہی ہے تو گھر بار کو بچانے اور مصیبت سے بچنے کی غرض جھکنے پر مجبور ہو گئے۔ اور جو کچھ ہندو چاہتے تھے وہ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ حسب دستور تین چار مہینہ کی ٹال ٹول کے بعد مقدمہ اُٹھا لیا گیا۔

سرغنہ ملزم سے کانگریس اور کانگریسی عہدے داروں کے تعلق کی تفصیل ابتدائی سطروں میں درج کی جا چکی ہے۔ ان حالتوں میں علاقہ کے گنے ہوئے غریب مسلمانوں کی

کیا حالت ہوئی خود قیاس کر لیجئے

(۵) رَتّی کرار (تحصیل نرسنگھ پور)

تحصیل نرسنگھ پور کے دو مواضعات رَتّی کرار اور رنکئی میں مسلمانوں کی آبادی خاصی ہے۔ یہ دونوں مواضعات پاس ہی پاس واقع ہوئے ہیں۔ رنکئی میں گاؤکشی ہوتی ہے۔ کسی تقریب کے موقع پر رنکئی والوں نے تھوڑا گائے کا گوشت اپنے رتی کرار کے رشتہ داروں کو بھیج دیا۔ اس کی اطلاع ہندوؤں کو ہوگئی۔ رتی کرار میں مسلمانوں کے تقریباً پندرہ گھر ہیں۔ ان سب کا کڑی سختی سے بائیکاٹ کیا گیا۔ حجام۔ دھوبی۔ سودا، سب بند کر دیا گیا۔ دھمکی اور تمسخر تو مشغلہ ہی تھا۔ جن کنوؤں سے یہ پانی لاتے تھے وہ بھی ان پر بند کئے گئے۔ پولیس کو اطلاع دی گئی مگر وہاں کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ رگھوناتھ سنگھ قلعدار جو علاقہ کے ممتاز کانگریسی لیڈر ہیں صلح کرانے کے نام سے بیچ میں پڑے اور صلح یوں کرائی کہ مسلمانوں نے "بہ رضا و رغبت" "بلا جبر و اکراہ" ایک اقرار نامہ لکھ دیا کہ وہ اب کبھی اس گاؤں میں گائے کا گوشت نہ لائیں گے نہ پکائیں گے۔ پہلے یہ لوگ نرسنگھ پور سے گائے کا گوشت لا کر پکاتے تھے۔ گاؤکشی تو ایک طرف ہی گائے کا گوشت کھانے کے حق سے بھی محروم کر دیئے گئے۔

(۶) کوریا۔ ڈنگی دمانہ وغیرہ

پنڈت رامچندر شرما کے لکچر کے بعد ہندو رضا کاروں کے دستے بازار کے دن ان مواضعات میں چلے جاتے جہاں مویشی بکتے ہیں اور مسلمانوں کے ہاتھ مویشی فروخت نہ ہونے دیتے۔ اسی سلسلہ میں حجت و تکرار اور فساد تک پر آمادہ ہو جاتے۔ اس تحریک میں علاقہ کے تقریباً تمام کانگریسی لیڈروں اور ڈسٹرکٹ کونسل کے ماسٹروں

نے علانیہ حصّہ لیا۔ چنانچہ ایک عرصے تک تیندور کھیڑا۔ کوریا۔ سائن کھیڑا۔ امگاؤں۔ دنگیدھانہ اور گوسنے گاؤں کے مویشی بازار میں مسلمانوں کو جانور ملنے مشکل ہوگئے۔ پولیس میں اطلاعیں دی گئیں مگر صدا بصحرا ثابت ہوئیں۔ مسلمانوں کے لئے نہ صرف جانور خریدنا مشکل ہوگیا بلکہ مسلمان کے لئے فروخت کرنا بھی مصیبت مول لینے کا سبب قرار پاگیا۔ چنانچہ موضع بوہری پار کے ایک شخص مسمی لضیر کو تحصیل کانگریس کمیٹی دنگیدھانہ نے جس کے صدر مسٹر روشن لال ساکن کھریا پاڑہ ہیں اس جرم میں طلب کیا اور کافی تنبیہہ کے بعد اور آئندہ مسلمان کے ہاتھ جانور نہ فروخت کرنے کا اقرار لے کر مبلغ عہ جرمانہ کیا گیا جو اس غریب کو ادا کرنا پڑا۔

۷۔ برمن (تحصیل نرسنگھ پور)

جنوری ۱۹۳۹ء میں میلہ کے موقع پر ایک مسلمان کانسٹیبل کلّو نامی نربدا پل کے اوپر ڈیوٹی پر تھا اس کے ذمّہ گاڑیوں کے نقل و حرکت کی نگرانی اور انتظام تھا۔ اس سے غلطی یہ ہوئی کہ اس نے ایک کانگریسی لیڈر مسٹر نرنجن سنگھ کی گاڑی کو روک دیا۔ حکمران جماعت کا ایک ممتاز فرد ایک معمولی سپاہی (وہ بھی مسلمان!) کی ہدایت کی تعمیل کیسے گوارا کر سکتا تھا۔ اس میں توہین محسوس ہوئی۔ نرنجن سنگھ اور اس کے ساتھیوں نے اتر کر اس بےچارے کو زدوکوب کیا۔ جو مجسٹریٹ وہاں ڈیوٹی پر تھے ان کے سامنے کئی ہندوؤں نے بھی گواہی دی کہ کانگریسیوں نے سراسر زیادتی کی ہے۔ باسوا اس کے فرائض سرکاری کی انجام دہی میں رکاوٹ پیدا کرنے کا جرم بدیہاً ثابت تھا پیش بندی کے طور پر فوراً تار کھڑکا دیئے گئے کہ کانسٹبل نے کانگریسی نیتا کی توہین کی۔ وزیر بہ نفس نفیس نرسنگھ پور آئے اور معاملہ کو پولیس کے ہاتھ سے لے کر تحقیقات ایک مجسٹریٹ کے سپرد کر دی۔ حسب دستور نرنجن سنگھ کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہوئی

معاملہ گاؤ خورد ہو گیا ۔ البتہ پولیس کانسٹبل کا اس علاقہ سے تبادلہ کر دیا گیا ۔

(۸) کریلی (تحصیل نرسنگہ پور)

(۱) پنڈت رام چند شرما اِس قصبہ میں اپریل ۳۹ءہ میں آئے ۔ اور یہاں "آدرس ہندو سبھا" قائم کی ۔ اِس ہندو سبھا کے ایک عہدے دار مونگا رام بھی مقرر ہوئے ۔ یہ ضلع کانگریس کمیٹی کے سکرٹیری ہیں ۔ یہ ایک مقامی کانگریسی کے مہمان ہوئے انہوں نے خوب شعلہ فشاں تقریر کی ۔ ان کی موجودگی میں پھلیا نامی ایک مسلمان دُھنیہ عورت کو پرانی کریلی سے اغوا کر کے لایا گیا اور جلسہ عام میں اس کی شدھی کی گئی جلسہ گاہ میں بہت بلند اور بڑا کانگریسی ترنگا جھنڈا لہرا رہا تھا ۔ اس تقریب کو بڑی اہمیت دی گئی اور علاقہ کے متعدد اور مقامی کُل کانگریسی لیڈروں نے اس میں شرکت فرض سمجھی ۔ اسے گئو مُتر پلایا گیا اور اس کے ہاتھ کا پانی اُسی جلسہ میں تمام ممتاز لیڈروں نے پیا ۔ اس کی شادی فوراً ہی ایک ہندو کاچھی کے ساتھ کر دی گئی ۔ عورت کے رشتہ داروں نے پولیس کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر رپورٹ تک درج نہ کی گئی ۔ عدالتی کارروائی ان غریبوں کے بس کی بات نہ تھی ۔ اِس عورت کو اب تک سخت پہرے کے اندر رکھا جاتا ہے ۔

(۲) ماہ مئی میں ایک اور مسلمان عورت کا اغوا کیا گیا ۔ یہ ڈونگریا موضع سے ایک شادی میں شریک ہونے کے لئے کریلی آئی تھی ۔ اِس کی بھی مجمع عام میں شدھی کی گئی اور کانگریسیوں نے علانیہ حصہ لیا ۔ اِس کے متعلق بھی پولیس نے رپورٹ لینے سے اغماض کیا ۔ تملق اور تحریص سے زیادہ تخویف اور تہدید نے اس علاقہ کے غریب مسلمان مرد اور عورتوں کو اتنا مجبور اور خوف زدہ کر دیا تھا کہ اُنہیں اطاعت کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا تھا ۔ پولیس کی علانیہ جانب داری اور حکام بالا کی بے پروائی

کے تجربات نے یہ احساس پیدا کر دیا تھا کہ آگے جد و جہد کرنا مزید مصیبت مول لینے کے مرادف ہے۔

(۳) ان واقعات نے اِن کے حوصلے اور بڑھائے اور اِن کی مُسلم دشمنی نے یہ سمجھایا کہ غریب اور بے کس مُسلم گھروں سے قدم آگے بڑھا کر پردہ نشینوں تک رسائی کی جائے۔ اس کی سازش شروع ہوئی اور نائی قوم کی ایک عورت مساۃ میدا کو جو مُسلمان گھروں میں آیا جایا کرتی تھی ورغلایا گیا کہ وہ پردہ نشین عورت یا لڑکی کا اغوا کرے۔ اُس کی ہمت نہ پڑی اور اُس نے انکار کر دیا۔ اِس جرم میں اسے چار پانچ مرتبہ زدو کوب کیا گیا۔ اِس نے ہر بار پولیس میں رپورٹ کی مگر وہاں سے اُلٹی اسی کو ڈانٹ نصیب ہوئی۔ آخر جب اس کے لئے راستہ چلنا دشوار ہو گیا تو اس نے اے۔ڈی ایس۔پی۔ نرسنگہ پور کو تحریری درخواست دی۔ افسر مذکور نے یہ درخواست کریلی ہی کے سب انسپکٹر کے پاس جن کے رویہ سے نا امید ہو کر اُس نے اوپر درخواست دی تھی بغرض تحقیقات بھیج دی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس غریب عورت پر پھبتیاں سرِ راہ حملے، گالی، تمسخر کا سلسلہ زیادہ ہو گیا۔ پھر اس نے ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس ہوشنگ آباد کو درخواست بھیجی اس پر نہ معلوم کس قسم کی دفتری کارروائی ہوتی رہی اِدھر دست درازیوں اور ایذا رسانی کا سلسلہ اِس کے خلاف اور تیز ہو گیا۔ ۳۰ ستمبر ۳۹ء کو اسے راستے میں پکڑ کر بُری طرح زدو کوب کیا گیا۔ یہ مجروح ہو گئی۔ پولیس کے پاس جانا زخموں پر نمک چھڑکوانا تھا۔ اس لئے بعض ہمدردوں کے مشورہ سے اس نے نائب تحصیلدار نرسنگہ پور کی عدالت میں استغاثہ دائر کر دیا۔ مجسٹریٹ نے پولیس رپورٹیں طلب کیں۔ لیکن دوسری پیشی پر بھی یہ داخل عدالت نہ کی گئیں۔ اِس کے لئے مجسٹریٹ نے پولیس کو مزید مہلت دی اور تاریخ بڑھا دی۔

(۴) موضع مہوپانی کے ایک مہتر نے کریلی کے ایک مہتر مسمی باجی لال کے

پٹنہ سے ایک گھڑی منگوائی۔ باجی لال ایک روز یہ گھڑی لگائے ہوئے تھا کہ پولیس نے دیکھ لیا۔ اِس شک پر کہ ایک غریب مہتر کے پاس نئی گھڑی کہاں سے آئی گھڑی بغرض تحقیقات ضبط کرلی۔ تحقیقات سے مہتر کا بیان صحیح ثابت ہوا اور مُسلمان ہیڈ کانسٹبل عبدالحمید نے گواہوں کے سامنے رسید لے کر گھڑی مہتر کو واپس کردی۔ کریلی تھانہ میں بھی ایک مُسلمان ہیڈ کانسٹبل تھا جس کی موجودگی ہندوؤں کو خار کی طرح کھٹک رہی تھی۔ چنانچہ مہتر سے یہ درخواست دلوا دی گئی کہ ہیڈ کانسٹبل مذکور نے گھڑی واپس نہیں دی اور اُس سے جھوٹی رسید لکھوا لی ہے۔ اس معاملہ کی تحقیقات ہوئی اور باجی لال کا بیان غلط ثابت ہوا۔ ڈی۔ ایس۔ پی نے باجی لال کے خلاف زیر دفعہ ۱۸۲ تعزیرات ہند مقدمہ چلانے کا حکم دیا۔ مقامی تمام ہندو لیڈروں نے پیروی میں حصّہ لیا۔ مقامی نوٹیفائڈ ایریا کمیٹی کا ہیڈ کلرک ہر پیشی پر پیروی کے لئے نرسنگہ پور جاتا تھا اور دفتر میں اُس کی حاضری لگتی رہتی تھی۔ کمیٹی میں اکثریت کانگریسیوں کی ہے۔ کمیٹی کے خزانچی مول چند نے مہتر کی طرف سے صفائی میں گواہی دی۔ کانگریسی لیڈروں کے دلچسپی لینے کے سبب مجسٹریٹ بھی ہوا کا رُخ پہچان جاتے ہیں۔ بہر حال مہتر بری کر دیا گیا۔ ہاں ہیڈ کانسٹبل کا کریلی سے بلاقصور تبادلہ کر دیا گیا۔

(۵) ان کی مُسلم دشمنی اِس شدت کی تھی کہ اگر کوئی انصاف پسند اور دیانت دار ہندو کسی مُسلمان کی حمایت کرے تو اُس کے پیچھے بھی پنجہ جھاڑ کر پڑ جاتے تھے۔ سماۃ میدا کا واقعہ اوپر درج ہو چکا ہے۔ مُسلمان ہیڈ کانسٹبل کے معاملہ میں گھڑی دیتے وقت جن کی گواہی رسید پر لی گئی تھی اُن میں ایک ہندو شیورام مسری واس بھی تھا۔ اس نے عدالت میں گواہی دی کہ گھڑی میرے سامنے دی گئی۔ بس اس سے انتقام لینے کی سازش شروع ہو گئی۔ چنانچہ چند دنوں بعد ہی تھانہ میں رپورٹ پہنچ گئی کہ ٹھو نامی ایک شخص کا سانڈ بیل غائب ہو گیا ہے اور اُس کا شک اِسی شیورام مسری واس پر ہے۔ پولیس نے اسے دق کرنا

شروع کر دیا۔ بار بار تھانہ پر بلوانا۔ حراست میں لے لینے۔ خانہ تلاشی لینے۔ چالان کر دینے کی دھمکیاں شروع ہوگئیں۔ اس نے اپنی مفصل داستان درد حکام بالا کو لکھ کر بھیج دی مگر دفتری روایات کے مطابق "تا تریاق از عراق آوردہ" کے مصداق کارروائی ہوتی رہی۔

(۶) انفرادی چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ مسلمانوں کے خلاف اتنا بڑھا کہ اچھے اور صاحب عزت لوگوں کی جائداد کو بھی نقصان پہنچانے کی طرف قدم بڑھنا شروع ہوئے۔ کریلی کے سیٹھ عبدالستار کے ٹین کے شیڈ کو ایک ہندو ورکر نہی ناتھ نے نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ یہ واقعہ ۱۵ر ستمبر ۱۹۳۹ء کی شب کا ہے۔ نوکروں کے تعارض کرنے پر انہیں بھی جلی کٹی سنائی۔ پولیس اور افسران بالا کو اطلاع دی گئی۔ حشر معلوم۔ اس واقعہ سے ایک روز قبل پنڈت جواہر لال نہرو کلکتہ میل سے کریلی اسٹیشن سے گزرے تھے تو اس لڑکے نے پنڈت جی کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ "آپ لوگ کب تک ہم ہندوؤں کو بزدل بنائے رکھیں گے۔ ہم کو بھی اپنے دشمنوں سے بدلہ لینے دیجیے"۔ اس پر پنڈت جی نے اس لڑکے کے گال پر ایک طمانچہ لگایا۔ واللہ اعلم یہ طمانچہ تنبیہہ کے لئے تھا یا پیار سے۔

(۹) آمگاؤں (تحصیل نرسنگھ پور)

موضع آمگاؤں میں دو گھر قصابوں کے ہیں۔ اس علاقہ میں ایک شخص رام سنگھ چوہان بیدھڑک ہے جو اپنے آپ کو کانگریسی پرچارک کہتا ہے۔ پنڈت ستا رام چندر شرما کے جانے کے بعد اس شخص نے دیہاتوں میں مسلمانوں کے خلاف عناد و نفرت کے جذبات پھیلانے شروع کئے۔ اور ان قصابوں کو خاص طور پر نظر میں رکھ لیا گیا۔ آمگاؤں کے قریب ایک جنگلی دیہات پر آبکاری والوں نے چھاپہ مارا۔ یہ موقع اچھا تھا۔ متعدد گواہیاں فراہم ہوگئیں کہ ناجائز کشید میں ان قصابوں

کا ہاتھ ہے - دونوں گھروں کے کرتا کوجن کا نام قادر اور سنو یا ہے گرفتار کر لیا گیا۔ انہیں چوبیس گھنٹہ حوالات میں رکھا گیا۔ عدالت نے انہیں بری کر دیا۔ مگر انہیں پریشان اور ذلیل تو اچھی طرح کر لیا گیا۔ ہاں - ایک ہندو نے اِن کی ضمانت کی تھی - اُس غریب پر حملہ کیا گیا اور اُسے بھی ایک مقدمہ میں پھانسنے کی کوشش کی گئی گو ناکام ہوئی -

(۱۰) گڈرواڑہ (تحصیل نرسنگھ پور)

۱۹۳۸ء کے محرم میں ہندو غنڈے دفن کیے ہوئے تعزیوں کو کربلا سے اُٹھا لائے اور ہولی کے الاؤ میں ڈال دیا۔ مسلمانوں نے تعارض کیا تو فساد پر آمادہ ہو گئے۔ پولیس میں رپورٹ کی گئی مگر پولیس حسب دستور خاموش رہی اور کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی -

(۱۱) سیونی (مالوہ[۵۱])

یہاں گاؤکشی برابر ہوا کرتی تھی۔ مگر ۱۹۳۷ء میں ایک گائے ذبح کرنے پر مسلمانوں کا مکمل بائکاٹ کیا گیا اور یہ بائکاٹ علاقہ کے تمام دیہاتوں میں پھیلا - چنانچہ حسب ذیل مواضعات میں مسلمانوں کو سودا یا پیشہ وروں کی امداد ملنی مشکل ہو گئی -

(۱) بھرکئی (۲) چھتر کھیڑہ (۳) بسونی (۴) نہر کولا (۵) جواکلائی
(۶) لوکھاٹی لائی (۷) بیرن کھیڑا (۸) سو پور وغیرہ

مسلمان مزدوروں اور پیشہ وروں کو بھوکوں مرنا پڑا - بازار کے دن مسلمانوں کی

---

[۵۱] یہ واقعہ اُس زمانہ کا ہے جبکہ کانگریس نے ابھی وزارت قبول نہیں کی تھی لیکن یہ عام طور سے معلوم ہو گیا تھا کہ عنقریب انٹرم منسٹری استعفا دے دیگی اور کانگریس وزارت قبول کر لے گی -

دوکانیں لوٹی گئیں مسلمان فقیروں پر خیرات بند کردی گئی اور یہ کہہ کر بند کی گئی، کہ جب تک اس علاقے کے تمہارے بھائی بند گؤ ماس کھانا نہ چھوڑیں گے، تم کو خیرات نہیں مل سکتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت سے اس تمام علاقہ میں گائے کشی بلکہ گائے کے گوشت کا فروخت کرنا قطعاً بند اور ممنوع ہے۔ دوکان لوٹنے والوں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی گئی۔

(۱۲) گوٹے گاؤں (تحصیل نرسنگہ پور)

(۱) یہاں ہر ہفتہ بازار میں مویشیوں کی خرید فروخت بھی ہوتی ہے۔ ہندوؤں کی طرف سے ایک خاص آدمی اور کبھی کبھی رضاکاروں کے دستے بھی بھیجے جاتے تھے کہ مسلمان سینگ دار جانور نہ خریدنے پائیں۔ جو شخص کسی مسلمان کے ہاتھ جانور بیچنے کی کوشش کرتا تھا اُسے دھمکی اور تخویف سے تنگ کر دیا جاتا تھا۔ کبھی کبھی مار پیٹ اور زبردستی جانور چھین لینے کا واقعہ بھی ہوا۔ پولیس نے اِس کے متعلق کسی قسم کی رپورٹ لینے سے اغماض کیا اور زبانی کہہ دیا جاتا کہ جاؤ نالش کرو۔

(۲) ۱۹۳۸ء کے دسہرے سے ایک ہفتہ پہلے ایک بڑے جلسہ میں علانیہ یہ کہا گیا کہ مسلمانوں کا بائکاٹ کرنا چاہئے چھوٹی قوموں کے پیشہ وروں میں خوب پروپیگنڈا کیا گیا کہ مسلمانوں کا کام کاج مت کرو۔ ہندو مالکان مکان نے مسلمانوں سے دوکانیں خالی کرنے کے لئے کہدیا۔ یہ سب اِس جرم میں کہ مسلمانوں نے اپنی تنظیم کیوں کی اور کانگریس کے خلاف شکایت کیوں کی۔ اِن واقعات کی اطلاع پولیس کو دی گئی۔ پولیس نے کہا کہ ہم اس میں کیا کر سکتے ہیں۔

(۳) پہلے نماز کے وقت باجہ مسجد کے سامنے نہیں بجا کرتا تھا لیکن اب بلا تکلف بجایا جاتا ہے۔ پولیس کوئی مداخلت نہیں کرتی۔ اور مٹھی بھر مسلمان مجبور ہیں۔

(۱۳) اِٹارسی

(۱) یہاں ہندوؤں نے جلوسوں میں مسلم آزار اور اشتعال انگیز نعرے لگانے اپنا شعار بنالیا تھا۔ ہندو غنڈوں کی ٹولیاں اکثر چھیڑ چھاڑ کرتی رہتی تھیں۔ پولیس کا یہاں بھی یہ رویہ رہا کہ اگر مسلمان رپورٹ کرے تو خاموشی لیکن اگر مسلمان کے خلاف رپورٹ ہو تو فوراً کارروائی۔ ۱۵ر جون ۳۹ء کو انجمن اسکول کے ایک مدرس عبدالحفیظ پر ہندو غنڈوں نے جن میں نانک کنجی ہندو ڈاکٹر بھی تھا سر راہ حملہ کیا۔ انہیں زدوکوب کیا گیا۔ پولیس میں اطلاع دی گئی کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ ۸ر جون کو میونسپل آفس کے پیچھے کنجی اور لچھمی نرائن نے ایک شخص عبدل کو بے قصور پیٹ دیا۔ پولیس میں اطلاع دی گئی، مگر کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ اسی کے برعکس مسلمان ہوٹل والے بگا کے خلاف کسی نے رپورٹ کردی تو اس کا فوراً چالان کر دیا گیا۔

(۲) یہاں مسجد کے سامنے نماز کے وقت باجہ نہیں بجتا ہے۔ مسلمانوں کو چڑھانے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ ٹاؤن ہال میں جو بالکل مسجد کے قریب ہے کوئی سمبلن اور متعدد بہانے سے جلسے شروع کئے گئے جن کی ابتدا ٹھیک عشاء کے نماز کے وقت کی جاتی اور جلسہ کی کارروائی شروع ہونے سے پہلے ہارمونیم اور دوسرے سازوں کو زور شور سے عین اس وقت بجایا جاتا جبکہ نماز شروع ہونے والی ہو۔ پہلے ایسا نہیں ہوا کرتا تھا۔ پولیس نے حسب دستور مداخلت کی ضرورت نہ سمجھی۔

۲۔ ضلع نیماڑ

(۱) کھنڈوہ:۔

(۱) ایک مسلمان کی گائے کو کسی شخص نے رات کے وقت بھالا مار دیا۔ یہ گائے مالک کے مکان کے قریب ہی زخمی ہوئی اور مر گئی۔ صبح کو ہندوؤں کو خبر ملی اور سارے شہر میں یہ افواہ پھیلائی گئی کہ مسلمانوں نے گئو ہتیا کیا۔ ہندوؤں میں بہت جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ وہ تو اتفاق سے پولیس کی تحقیقات پر بھی گائے مسلمان کی نکلی اور پولیس اس نتیجہ پر پہنچی کہ ذاتی جھگڑا اس حرکت کی تہ میں ہے۔ مگر ہندو اور کانگریسی لیڈروں نے ہندو عوام تک اصل حقیقت کو نہ پہنچایا اور جذبات کو مشتعل ہونے دیا۔ گورنمنٹ اسکول کے ماسٹروں اور لڑکوں کو ورغلایا گیا کہ وہ اسکول بند کئے جانے کا مطالبہ کریں۔ چنانچہ لڑکے اور کئی ماسٹر باہر نکل آئے اور اسکول بند کر دیا گیا۔ ان لڑکوں نے مقامی ہندو اور کانگریسی لیڈروں کی رہبری میں میونسپل اسکولوں پر دھاوا کیا اور لڑکوں کو زبردستی باہر نکال لائے اور دیواروں پر "ہڑتال" جگہ جگہ لکھ دیا گیا۔ ۲ بجے تک سوائے اردو اسکولوں کے تمام پرائمری۔ مڈل اور گورنمنٹ اسکول خالی ہو گئے۔ یہ سب ایک جلوس کی صورت میں گشت لگاتے گائے کا غم مناتے اور گائے کے دشمنوں کو برا بھلا کہتے اور ہڑتال کرنے کی ہدایت دیتے ہوئے جائے وقوع کے معائنہ کے لئے آئے شہر کی فضا بہت مکدر ہو گئی۔ سارے ہندوؤں نے ہڑتال کی۔ بلوہ کے خوف سے مسلمانوں کو بھی دوکانیں بند کرنا پڑیں۔ ڈاکٹر بدری پرشاد ممتاز کانگریسی لیڈر جو اس علاقہ کے کانگریسی ممبر اسمبلی کے بھائی بھی ہیں ایک دوسرے کانگریسی لیڈر مسٹر ورما اور مسٹر گوکھلے صدر ہندو سبھا کھنڈوہ کے ساتھ ڈی۔ ایس۔ پی کے بنگلہ پر گئے۔ اتفاق سے اسی وقت خان بہادر حفاظت علی صاحب ممبر اسمبلی بھی۔ ڈی۔ ایس۔ پی کے پاس پہنچے کہ شہر کی فضا سے ان کو مطلع کر دیں۔ ڈی۔ ایس۔ پی نے ہندو لیڈروں کو بتایا کہ گائے مسلمان کی تھی اور اس کے زخمی کرنے کا شک بھی ایک ایسے مسلمان پر ہے جس سے گائے کے مالک کی لڑائی ہے۔ یہ طوفان جو اٹھایا جا رہا ہے فضول ہے اور جلسہ کرنے سے منع کیا۔

لیکن جس جماعت اور جن افراد کو وزارت کی پشت اور دوستی حاصل ہو وہ اس کی کب پرواہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ اسی شام کو گاندھی چوک میں پبلک جلسہ ہوا جس میں کانگریسی لیڈروں نے بھی گائے کے شہید ہونے کا ماتم کیا اور مارنے والے کے خلاف اظہار نفرت کیا گیا۔ جیسی تقریریں ہوئی ہوں گی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جلسہ کے بعد سینما پر دھاوا بولا گیا کہ آج "یوم ماتم" ہے سینما بند کر دیا جائے۔ چنانچہ سینما والے کو فساد کے ڈر سے سیکنڈ شو بند کرنا پڑا۔ مسلمانوں نے افسران بالا اور پولیس کی توجہ اس طرف مبذول کرنے کی کوشش کی۔ مگر کسی کے خلاف کچھ نہ ہوا۔ اگر کہیں مسلمانوں کی طرف سے اس ہنگامہ کا عشر عشیر بھی ہوا ہوتا تو ۱۴۴ اور ۱۰۷ کا سلسلہ بندھ جاتا۔

یہ ظلم قابل غور ہے کہ مسلمان کی گائے کے مارے جانے کے غم میں اسکول، سینما بند کئے گئے۔ جلوس نکلا اور ماتمی جلسہ ہوا۔ ہڑتال کی گئی۔ مگر پولیس نے کسی سے کوئی تعارض نہ کیا۔ اب مسلمان کو اپنی گائے پر بھی حق نہیں!

(۳) ایک مقامی سنار کی بیوی کا ایک مسلمان کے ساتھ ناجائز تعلق ہو گیا تھا۔ وہ اپنے شوہر کا گھر چھوڑ کر اس مسلمان کے پاس چلی آئی۔ کسی نے مشورہ دیا کہ عورت سے تھانہ میں اطلاع کرا دینی چاہئے کہ وہ اپنی خوشی سے آئی ہے۔ عورت تھانہ پر اطلاع کرنے گئی۔ عورت کی رپورٹ تو نہ لکھی گئی۔ بلکہ اس کو بٹھائے رکھا گیا اور ہندو لیڈروں کو خبر کر دی گئی۔ فوراً مقامی کانگریسی نیتا اور ڈاکٹر بدری پرشاد معہ ہندوؤں کے ایک دستہ کے تھانہ پر پہنچ گئے اور پولیس نے بھی عورت کو اپنی تحویل میں رکھنے کی بجائے ان کے حوالہ کر دیا۔ ترغیب، تخویف اور تہدید سے عورت کو ہموار کر لیا گیا اور مسلمان کے مکان پر دھاوا بول کر یہ عورت جو مختصر ذاتی سامان اپنے ساتھ لائی تھی نکلوایا گیا۔ پولیس کے ذریعہ نہیں بلکہ قانون اپنے ہاتھ میں لے کر پولیس میں رپورٹ کی گئی مگر پولیس نے تو خود ہی تھانہ پر عورت حوالہ کی تھی اور مکان پر دھاوا کے وقت چشم پوشی کی تھی وہ کیا کارروائی کرتی۔ مسلمان نے استغاثہ کیا۔ مگر عدم ثبوت کی بنا پر

وہ چارج لگنے سے پہلے خارج ہو گیا۔

(۴۳) حیدرآباد ستیہ گرہ کے ختم ہونے پر اس "فتح" کی خوشی میں کھنڈوہ میں بھی جلوس نکالا گیا۔ جامع مسجد کے سامنے بگل اور باجہ بجایا گیا۔ اس مسجد کے سامنے باجہ نہ بجانے کا حق تسلیم شدہ ہے۔ مسلمان جب تھانہ میں رپورٹ کرنے گئے تو رپورٹ اس وقت نہیں درج کی گئی۔ اور ان کو سمجھا دیا گیا کہ اطمینان رکھو پولیس خود کارروائی کرے گی۔ مسلمانوں کی ایک جماعت ڈپٹی کمشنر کے پاس رپورٹ کرنے چلی گئی۔ اس عرصہ میں اسپتال کے قریب فساد ہو گیا۔ تین ہندوؤں کو معمولی زخم آئے۔ پولیس نے خوب دلسوزی کے ساتھ تحقیقات کی اور اٹھائیس ۲۸ مسلمانوں کا زیر دفعہ ۱۴۷ و ۱۴۹ اور ۴۵۲ تعزیرات ہند چالان کیا۔ (دفعہ ۴۵۲ ایسی دفعہ ہے کہ پولیس میں ضمانت نہیں ہو سکتی۔) ڈیڑھ ماہ تک ملزمین کی ضمانت عدالت سے بھی نہیں ہوئی۔ ڈیڑھ ماہ کے بعد سشن کی عدالت نے انہیں ضمانت پر رہا کئے جانے کا حکم دیا۔ اس مقدمہ میں پولیس نے چونہتر گواہ پیش کئے۔ جس مجسٹریٹ کے سامنے اس مقدمہ کی سماعت ہوتی رہی (ROUTIN WORK) انہیں بہت سے معمولی کے فرائض سے سبک دوش کر دیا گیا ہے تاکہ صرف اس مقدمہ کی سماعت جلد ختم کر سکیں۔

(۲) برہان پور

(۱) حیدرآباد ستیہ گرہ کے زمانہ میں ایک جلوس نکالا گیا جس میں انتہائی دل آزار نعرے لگائے گئے۔ اور بہت اشتعال انگیزی کی گئی۔ "حیدرآباد مردہ باد" "نظام مردہ باد" کے شور سے فضا گونج اٹھی۔ مسلمان لیڈروں نے مسلمانوں کو قابو میں رکھا۔ پولیس میں اس کی اطلاع دی گئی۔ وہاں حسب دستور خاموشی رہی۔

(۲) مسٹر محمد اصغر یہاں کے ایک معزز شہری ممتاز وکیل اور مسلمانوں کے سربرآوردہ

لیڈر ہیں کانگریس کے حامیوں نے ۲۸ اگست ۱۹۳۹ء کو ان پر نصف شب کے وقت باہر بلا کر حملے کا اقدام کیا۔ پولیس کو رپورٹ کی گئی مگر خاموشی۔ پھر نومبر ۱۹۳۹ء میں اسی جماعت کے آدمیوں نے دوبارہ گالی گلوج کیا اور دست درازی کرنے کی کوشش کی۔ اس کی اطلاع بھی پولیس کو دی گئی مگر کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔

(۳) مسٹر عبدالرحیم ضیا سکریٹری ضلع لیگ پر لوکل بورڈ کے انتخابات ۱۹۳۹ء کے موقع پر جس میں یہ کسی قسم کا کوئی حصہ نہیں لے رہے تھے محض شبہ کی بنا پر کانگریسی امیدوار کے کارکنوں نے حملہ کیا اور توہین کی۔ انہوں نے پولیس کو اطلاع دی حملہ آوروں کے نام بتائے اور ضربات کے نشان دکھائے۔ ابھی تک کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔

(۴) رابرٹسن ہائی اسکول کے بعض متعصب ہندو ماسٹروں نے ہندو لڑکوں کو اس قدر شورہ پشت بنا دیا کہ اس اسکول کے ہندو طلبا نے مسلمان ماسٹروں کی علانیہ توہین کرنی شروع کر دی اور سر راہ انہیں گالیاں دینے لگے۔ بلیک بورڈ پر لکھ دیتے "ہندوستان ہندو کا، نہیں کسی کے باپ کا" اور مسلمان ماسٹر سے کہتے کہ "پڑھئے تو بلیک بورڈ پر کیا لکھا ہوا ہے۔ ٹھیک ہے نہ؟" مسلمان لڑکوں کو بلا وجہ چھیڑتے اور چڑھاتے۔ یہ سلسلہ اتنا بڑھا کہ ایک روز ہندو لڑکوں نے ان متعصب ماسٹروں کی شہ پا کر متعدد مسلمان لڑکوں پر حملہ کر دیا۔ کسی کی ٹوپی چھین لی۔ کسی کے کپڑے پھاڑ ڈالے اور بہتوں کو زدوکوب کیا۔ مسلمان لڑکوں کا کلاس میں آنا مشکل ہو گیا۔ پولیس اور متعلقہ ارباب اختیار نے باوجود اطلاعات کے خاطر خواہ توجہ نہ کی۔ مجبوراً مسلمان لڑکوں کو ہڑتال کرنی پڑی جو پانچ روز جاری رہی اور کسی طرح معاملہ ختم ہوا لیکن پولیس نے اس فتنہ کے بانی مبانی ہندوؤں سے کوئی بازپرس نہ کی۔

(۵) ہندو مقررین کو تو ہر طرح آزاد چھوڑا گیا لیکن مسٹر محمد اصغر وکیل کا اس جرم میں کہ وہ عام جلسوں میں کانگریس کے خلاف تقریر کرتے ہیں اور مسلمانوں میں بیداری پیدا کرتے ہیں زیر دفعہ ۱۰۸ تعزیرات ہند چالان کر دیا گیا۔ اور محض انہیں زیربار اور پریشان کرنے کی

غرض سے مقدمہ بجائے برہان پور کے کھنڈوہ میں چلایا گیا۔ وجہ یہ بتائی گئی کہ برہان پور میں مقدمہ چلے گا تو بلوہ ہو جائے گا۔ اس مقدمہ کو جلد ختم کرنے کی کوشش نہ کی گئی ورنہ پریشان کرنے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ ۱۹۳۸ء کے شروع میں یہ مقدمہ چلا تھا اور تقریباً بارہ مہینہ میں سماعت ختم ہوئی۔ انہیں ایک سال کے لئے دو ہزار روپیہ کا مچلکہ نیک چلنی داخل کرنے کا حکم ہوا۔

(۶) جب پنڈت رام چندر شرما کو تحصیل نرسنگھ پور میں خوب آگ لگانے اور مسلمانوں کے خرمن امن و عافیت کو تباہ کرنے کی پوری اجازت دینے کے بعد ظاہری طور پر مقدمہ چلایا گیا اور رسمی اظہار افسوس کے بعد مقدمہ اٹھا لیا گیا تو حکومت اس تاک میں رہی کہ کسی مسلمان کے ساتھ بھی یہی سلوک کرنا چاہیئے تاکہ اس مقدمہ کے اٹھا لینے کے جرم کی پردہ پوشی ہو جائے۔ چنانچہ مولوی غلام مصطفےٰ فرخ آبادی کے مقدمہ کے سلسلہ میں یہ موقع مل گیا۔ مولوی صاحب موصوف نے صرف ایک تقریر ۱۱ جولائی ۳۹ء کو برہان پور میں کی تھی۔ پنڈت شرما تو مہینوں تقریر کرتے رہے اور جب کام ختم کر چکے تب مقدمہ کا ڈھونگ رچایا گیا۔ لیکن مولوی غلام مصطفےٰ کی صرف ایک تقریر پر دفعہ ۱۵۳ تعزیرات ہند نافذ ہو گیا۔ وارنٹ فرخ آباد بھیجا گیا۔ وہاں عدالت نے کھنڈوہ کی عدالت میں پیشی پر حاضر ہونے کی ضمانت لے کر چھوڑ دیا۔ یہ فرخ آباد سے اس ارادے سے چلے کہ ایک روز پہلے برہان پور پہنچ کر وکیل وغیرہ کا انتظام کریں گے کیونکہ کھنڈوہ میں یہ کسی کو نہیں جانتے تھے۔ لیکن پولیس تاک میں تھی اور مدعائے خاص تو مسلمان کو ذلیل اور پریشان کرنا تھا۔ اسی جرم اسی دفعہ اور اسی مقدمہ میں جس کے وارنٹ کی تعمیل فرخ آباد میں ہو چکی تھی بالکل خلاف قانون ایک اور وارنٹ تاریخ حاضری سے ایک روز پہلے جاری کیا گیا اور انہیں کھنڈوہ کے اسٹیشن پر گرفتار کر لیا گیا۔ اور انہیں عدالت میں ہتکڑی لگا کر پیش کیا گیا۔ ضمانت کی درخواست پر عدالت نے

اُس روز کوئی حکم نہیں دیا اور دو روز بعد کی تاریخ مزید بحث کے لئے دے دی۔ دو روز یہ حراست میں رہے۔ ۲۱ جولائی کو ان کی ضمانت سخت شرائط اور کافی رقم کے مچلکہ کے ساتھ ہوئی۔ مقدمہ چلا اور ان کے اظہار معذرت کرنے پر حکومت نے از راہ کمال عنایت و نوازش ان کے خلاف بھی مقدمہ اُٹھا لیا۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ حکومت نے پنڈت رام چندر شرما کے ساتھ رعایت کی۔ لیکن پنڈت رام چندر شرما کے ساتھ بوقت گرفتاری اور بعد گرفتاری جو سلوک کیا گیا اور مولوی غلام مصطفیٰ کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا وہ کانگریسی حکومت کی فرقہ پرستانہ ذہنیت کو آشکارا کر رہا ہے۔ ماسوا اس کے پنڈت جی کو جی بھر کر اپنے دل کا بخار نکالنے کا موقع دیا گیا۔ اور ان کی تقریر سے جو ہولناک نتائج پیدا ہوئے وہ تفصیل سے اوپر بیان کئے جا چکے ہیں لیکن مولوی صاحب کی صرف ایک تقریر ہوئی تھی اور اس کے خراب اثر پیدا کرنے کا ایک بھی واقعاتی ثبوت نہیں ہے۔ یہ مقدمہ تو صرف اس لئے اُٹھایا گیا کہ پنڈت شرما کے خلاف مقدمہ اُٹھانے کی دانستہ اور جانبدارانہ رعایت کے جرم کو ہلکا کیا جا سکے۔ اور ڈھٹائی کے ساتھ یہ کہا جا سکے کہ "ہم ہندو مسلمانوں کو ایک نظر دیکھتے ہیں"۔

(۷) لوہاری منڈی وارڈ میں دروازے سے باہر ایک بہت پرانی چھوٹی مسجد ہے۔ مسلمانوں نے اس کی مرمت کے لئے میونسپلٹی میں درخواست دی۔ میونسپل کمیٹی نے اس سلسلہ میں کیسا متعصبانہ فرقہ پرستی کا ثبوت دیا ہے اس کا تفصیلی ذکر لوکل سیلف گورنمنٹ کے تحت کہیں اور درج ہے اس جگہ یہ بتانا ہے کہ اس مسجد کے سامنے باجہ برابر بند کر دیا جاتا تھا۔ برہان پور کے ہنود اور مسلمانوں کے درمیان ایک پرانا معاہدہ ہے کہ ہر پرانی مسجد اور مندر کے سامنے ہر دو فرقے باجہ بند کر دیا کریں گے۔ اس مسجد کی مرمت کی درخواست کے موقع پر یہ کوشش کی گئی کہ اس مسجد کا قدیمی وجود قانونی حیثیت سے ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ مقامی میونسپل بورڈ کے صدر (جو کانگریسی ممبر اسمبلی بھی ہیں) کے بھائی مسٹر مزمدار وکیل نے جو خود بھی ممتاز کانگریسی

ہیں۔ ایسے۔ ڈی۔ ایم۔ برہان پور کی عدالت میں درخواست دے دی کہ اس مسجد کی تعمیر آیندہ چل کر نقض امن کا باعث ہوگی۔ فاضل مجسٹریٹ نے بغیر مسلمانوں کی طرف سے کسی قسم کا بیان لئے یا ثبوت طلب کئے دیوانی کے اختیارات بھی اپنے ذمہ لے لئے اور یکطرفہ فیصلہ دے دیا کہ (۱) یہاں پہلے مسجد نہ تھی (۲) یہاں باجہ بجتا ہے (۳) اس لئے اگر مسجد بنائی گئی تو اس کے سامنے سے ہر وقت مسلسل باجہ بجتا ہوا جلوس گذرے گا اور باجہ بند نہیں کیا جائے گا۔ پھر تماشہ یہ ہے کہ فوجداری مجسٹریٹ نے نقض امن کے موہوم شبہ پر حکم عارضی نہیں دیا ہے بلکہ استمراری۔ اس حکم کا مفصل ترجمہ ضمیمہ میں درج ہے تاکہ قانون داں حضرات یہ دیکھ لیں کہ مجسٹریٹ نے ایک ایسا حکم جاری کیا ہے جو قانوناً غلط اور اس کے اختیار سے قطعاً باہر ہے اور وہ بھی یکطرفہ بلا دوسرے فریق کی کچھ بھی سنے ہوئے۔ مگر یہ بھولنا نہ چاہیے کہ راج کانگریس کا تھا۔

(۸) یہ ایک مشہور حقیقت ہے کہ سٹہ کھیلنے اور کھلانے کا عادی مرض ہندوؤں کو ہے۔ مسلمانوں میں یہ لت بمقابلہ اُن کے بہت کم ہے۔ لیکن برہان پور میں جہاں مسلمان ایک تہائی سے کچھ ہی زیادہ ہیں اور گجراتی ہندو جو اس مرض کے سب سے زیادہ شکار مانے جاتے ہیں مسلمانوں کی تعداد سے کچھ ہی کم ہیں پولیس کو سٹہ بازی کے جرم میں گرفتار کرنے کے لئے پہلے ایک ہندو اور ایک مسلمان ملا اور دوسری بار سات مسلمان اور تین ہندو۔ دسمبر ۳۸ء سے ۲۰ دسمبر ۳۹ء تک صرف یہ دو گرفتاریاں اس سلسلہ میں عمل میں آئی ہیں۔ اس واقعہ کے لکھنے سے مقصد گرفتار شدہ مسلمانوں کے قصور وار یا بے قصور ہونے پر بحث کرنا نہیں ہے۔ بلکہ یہ دکھانا ہے کہ کس فرقہ کی جرائم پسندی سے چشم پوشی کی جاتی ہے اور کس فرقہ کی ذرا سی لغزش بھی فوراً قابل گرفت قرار پا جاتی ہے۔

(۳) زین آباد (تحصیل برہان پور)

(۱) برہان پور شہر سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر سڑک کے کنارے موضع کھڑکوڑ میں ایک پُرانی چھوٹی سی مسجد اور کچھ قبریں ہیں۔ زین آباد کے کاشتکار مُسلمان اس کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔ چھ سات سال سے ہندوؤں نے بتدریج یہاں اپنا قبضہ جمانا شروع کیا۔ پہلے ایک کٹیا بنی پھر ایک دیواستھان۔ پھر ایک مندر۔ پھر چبوترہ۔ مُسلمانوں کے اعتراض پر انہیں عدالتی مخمصہ میں لا گھیرا گیا۔ مال گزاری اور دیوانی عدالتوں کے طولانی اور کثیر الاخراجات سلسلہ کی تاب نہ لاکر یہ غریب ہمّت ہار بیٹھے۔ زمین کسی کی ہو۔ قبریں اور عمارت موجود ہی اور ہر شخص آنکھ سے دیکھ سکتا ہی۔ لیکن اس پر ہندوؤں نے مکمل قبضہ کر لیا ہی۔ پہلے تو بہت سُست رفتاری سے قدم اُٹھتا تھا لیکن سنہ ۱۹۳۷ء اور سنہ ۱۹۳۹ء کے درمیان جبکہ کانگریسی راج تھا بڑی تیزی کے ساتھ عمارتوں کی تعمیر اور قبضہ کی تکمیل کی گئی۔ قبر کے پاس گوبر کوڑا کرکٹ جمع کیا جاتا ہی۔ مسجد تو مسجد ہی نہ رہی اور قبرستان کے درخت کاٹ لئے گئے۔ درخت کاٹنے اور قبروں کی توہین کی اطلاع گاؤں کے ڈیٹھیکدار کو دی گئی۔ اِس پر یہ کارروائی ہوئی کہ چند ماہ بعد رپورٹ کرنے والے کو ڈیٹھیکدار کی رپورٹ پر اپنا گھر منہدم کرانا پڑا۔ قبروں کے انہدام کی رپورٹ کرنے پر اپنا گھر منہدم کرنے کا حکم کتنی منصفانہ کارروائی ہی۔

(۲) جن بزرگ شاہ زین الدین کے نام سے یہ قصبہ موسوم ہی اُن کا مقبرہ بھی اسی گاؤں میں ہی۔ ان کا عُرس ہر سال ۱۵ رمضان کو ہوتا ہی۔ اس مقبرہ تک جانے کا راستہ ایک اُفتادہ زمین سے ہو کر ہی۔ یہ زمین عرصہ دراز سے غیر مزروعہ تھی۔ لیکن سنہ ۱۹۳۸ء سے اس کی کاشت صرف اس غرض سے شروع کی گئی کہ مقبرہ کا راستہ بند ہو جائے۔ چنانچہ سنہ ۱۹۳۹ء کے عُرس کے موقع پر ہندو کھیت میں جمع ہو گئے اور زائرین کو کھیت میں سے ہو کر گذرنے سے روک دیا۔ اور کانٹے سے زمین گھیر دی۔ زائرین کو بڑی تکلیف ہوئی۔ اس گاؤں میں ڈھائی سو سے تین سو گھر ہندوؤں کے ہیں اور چالیس پچاس گھر مُسلمانوں کے۔ جو زائرین اس نئی افتادگی

بے خبر تھے اور کھیت کی طرف بڑھ چلے اُن کے ساتھ درشتی کا سلوک کیا گیا۔ ڈپٹی کمشنر اور پولیس نے اس سلسلہ میں کوئی انتظام نہیں کیا کہ راستہ کدھر سے دیا جائے اور مسلمہ اور قدیمی حق استعمال میں رُکاوٹ اور درشتی کی رپورٹ جب ڈپٹی کمشنر سے کی گئی تو جواب ملا کہ "عدالت جاؤ"

(۳) زین آباد قصبہ سے ملا ہوا ایک اور مقبرہ ہے جسے مولا علی کا مقبرہ کہتے ہیں۔ یہاں کے ہندو کاشتکار قبر سے ملا کر کھاد کا ذخیرہ رکھتے ہیں اور بھوسہ وغیرہ قبروں کے اوپر ڈھیر کیا جاتا ہے جس کو لانے اور رکھنے کے لئے قبروں کے اوپر سے آتے جاتے ہیں۔ مسلمانوں نے جب اعتراض کیا تو جواب ملا "راج ہمارا ہے۔ تم کر ہی کیا سکتے ہو" توہین قبر اور استعمال ناجائز کی اطلاع ڈپٹی کمشنر کو دی گئی مگر کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔

(۴) قصبہ کے پاس ایک اور قبرستان ہے جو "ملاؤں کا قبرستان" کے نام سے موسوم ہے۔ ہندو کاشتکار نے اس قبرستان کی زمین کے کافی حصہ کو مع قبرستان کے اپنے کھیت میں ملا لیا ہے اور ملاتا چلا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے اعتراض کا درشتی کے ساتھ جواب ملا۔ ڈپٹی کمشنر کو رپورٹ کی گئی مگر کچھ نہ ہوا۔ اس قصبہ کے مسلمان یا بہت چھوٹے کاشتکار یا غریب دوکاندار ہیں ان میں دیوانی لڑنے کی تاب کہاں۔ پھر شکایت کے سبب روزانہ ایذا رسانی اور بائیکاٹ کا چشم دید خطرہ ہمت توڑ دیتا ہے۔ خیر دیوانی تو الگ رہی۔ تعزیرات ہند کی توہین مقابر کی دفعہ سے بھی جو قابل دست اندازی پولیس ہے۔ ہندو مستثنیٰ کر دیئے گئے ہیں بشرطیکہ قبر مسلمان کی ہو۔

۳۔ ضلع ساگر

(۱) ساگر:۔

(۱) ۱۹۲۶ء میں ہندو اور مسلمانوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا کہ نماز کے وقت مسجد کے سامنے باجہ نہیں بجایا جائے گا۔ لیکن جب کانگریسی وزارت برسر اقتدار آگئی تو یہ معاہدہ خواب وخیال ہوگیا۔ ۱۹۳۷ء کے دسہرہ کے موقع پر ہندؤوں نے بہت بڑا جلوس نکالا جسے قصداً نماز کے وقت جامع مسجد کے سامنے لائے۔ یہ مسجد جہاں پر واقع ہے اُس کے چاروں طرف ہندؤوں کی آبادی بہ کثیر ہے۔ بیچ چوک میں صرف یہ مسجد ہے اور اُس سے متعلقہ دو کانیں چاروں طرف ہندؤوں کا محلہ ہے۔ جس وقت یہ جلوس پہنچا تو تھوڑے سے مسلمان جو مسجد کے اندر اور دوکانوں میں تھے ہندؤوں کے اژدہام میں گھر گئے۔ ہندؤوں نے نہ صرف زور زور سے باجہ بجا کر نماز میں خلل ڈالا بلکہ ایک فاتح کی حیثیت سے جے کارے لگاتے۔ چیختے۔ چلاتے اور باجہ بجاتے ہوئے مسجد کے چاروں طرف کئی بار گھومے۔ اور چھیڑ چھاڑ سے آگے بڑھ کر اپنی کثرت اور مسلمانوں کی قلت، نیز حکومت کی چشم پوشی اور پشت پناہی کے یقین کامل کا پورا فائدہ اُٹھاتے ہوئے دست درازی بھی شروع کردی۔ مسلمانوں کے اعتراض کرنے پر نعلغلہ بلند کرتے ہوئے حملہ آور ہوگئے مار پیٹ شروع ہوگئی۔ مسلمانوں کا بہت کافی نقصان ہوا۔ لیکن پولیس نے معاہدہ توڑنے والے مسلمہ روایات کی خلاف ورزی کرنے والے۔ بلوے کی ابتدا کرنے والے ہندؤوں سے کچھ نہ کہا اور صرف مسلمانوں کے خلاف مقدمات قائم کردیئے۔ اس سلسلہ میں ایک بھی ہندو کسی قسم کے جرم کا ملزم نہیں ٹھیرا۔

(۲) ۱۹۳۹ء میں ۷ رمحرم کو جبکہ مسلم نیشنل گارڈ علم لے کر واپس ہو رہا تھا۔ اُسی وقت ایک نقلی مُردے کا جلوس نکالا گیا اور ایسے راستے سے لے جایا گیا کہ

علم کے جلوس سے مڈبھیڑ ٹھیک کوتوالی کے سامنے ہو جائے - یہ جلوس اور کسی سال نہیں نکلا تھا اور ابھی ہولی کو کئی دن باقی تھے پولیس نے اس کے نکالنے اور مخصوص راستوں سے گذرنے میں کوئی مزاحمت نہ کی مسلمانوں نے باوجود اشتعال کے گذشتہ بلوہ کے تجربات کو پیش نظر رکھتے ہوئے معاملہ کو بڑھنے نہ دیا اور خود ہی دامن بچا کر چلے گئے ورنہ دوبارہ فساد ہوتا اور کون ملزم ٹھہرتا یہ ظاہر ہے۔

(۳) جب ۷ محرم کو بلوہ کرانے میں کامیابی نہ ہوئی تو ۸ محرم کو ساڑھے آٹھ بجے شب کے قریب نبی داد خاں کے علم پر بابو کالی چرن وکیل کے مکان کے پاس پتھر پھینکے گئے جس سے دو مسلمان زخمی ہوئے - پولیس میں اطلاع کی گئی مگر کوئی کارروائی نہ ہوئی۔

(۴) پھر نو محرم کو صدر بازار کی سواری کے راستہ میں بہاری کی پٹڑی کے پاس کانٹے بچھا دیئے گئے - پولیس شرارت کرنے والوں کا پتہ چلانے کی ضرورت نہ سمجھی یا حسب دستور ثبوت مہیا نہ ہو سکا۔

(۵) اسی روز یعنی ۹ محرم کو پٹی توری میں پیر محمد اور اس کے ساتھیوں پر جن میں ہندو بھی تھے جبکہ وہ براق کی سواری نکالنے جا رہے تھے پتھر پھینکے گئے - پیر محمد اور ایک ہندو لڑکا کروری لال مجروح ہوئے - پولیس میں اطلاع دی گئی - نتیجہ حسب سابق۔

(۶) واقعات یہ ثابت کرتے ہیں کہ اس کی منظم کوشش تھی کہ محرم کے موقع پر بلوہ ضرور کرایا جائے تاکہ گذشتہ بلوہ کی طرح مسلمانوں کو پھانسا جا سکے کیونکہ ۹ محرم کو متعدد جگہ پتھر پھینکنے اور اشتعال دلانے کے واقعات ہوئے - علاوہ اوپر لکھے ہوئے واقعات کے اسی روز ۸ بجے شب کو قاضی محلہ میں جہاں ہدایت علی شاہ کا تعزیہ اور تھیاں کا براق سجایا جاتا ہے مسلمانوں پر پتھر پھینکے گئے - پولیس حسب دستور خاموش رہی۔

(۷) شب دہم کو ۳ بجے رات کے وقت بڑا بازار میں قصاب منڈی کے

تعزیوں اور براقوں پر کافی پتھر پھینکے گئے۔ پتھر ایک زرد عمارت سے آرہے تھے۔ پولیس کو سب کچھ بتایا گیا۔ مگر کون سنتا تھا۔

(۸) نویں ہی محرم کو جبکہ سینچرہ کے مسلم اسکاوٹس شیخ بابو کا براق اٹھانے جا رہے تھے ان پر بھیم اکھاڑے سے پتھر پھینکے گئے۔ پولیس کو اطلاع دی گئی۔ نتیجہ حسب سابق۔

(۹) ۱۰ محرم کو جب پچھریا کے مسلم والنٹیر مکان واپس آرہے تھے پلٹن گنج میں ان پر پتھر پھینکے گئے۔

(۱۰) جب تعزیوں کا جلوس کربلا کی طرف جا رہا تھا۔ تو پلٹن گنج میں ایک مندر کے پاس سے ان والنٹیروں پر جو جلوس کے اخیر میں تھے پتھروں کی بارش ہوئی۔ پولیس سب کچھ دیکھتی رہی مگر کوئی کارروائی نہیں کی۔

ان تمام واقعات سے ظاہر ہوگا کہ مسلمانوں نے کس قدر برداشت، تحمل اور بردباری سے کام لیا اور پولیس نے دانستہ تغافل، اغماض اور جنبہ داری سے کام لیتے ہوئے شر انگیزوں کی حوصلہ افزائی کی۔

(۲) سیہلی:-

اس قصبہ میں مسلمانوں کو خوف زدہ کرنے کے لئے ان کا مکمل بائیکاٹ کیا گیا۔ بہت سے مسلمان ملازموں کو ہندوؤں نے برخواست کر دیا۔ پولیس نے شر انگیزوں سے کوئی بازپرس نہ کی۔

(۳) پتھریا:-

ایک مسلمان عطر والے کو ہندوؤں نے بری طرح پیٹا۔ اس نے پولیس کو اطلاع دی لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔

(۴) کھڑی :-

کھڑی کے ایک مسلمان درزی کو ہندو سب انسپکٹر پولیس نے اس جرم میں کہ اس نے اتنے قلیل وقت میں جتنا کہ سب انسپکٹر مذکور چاہتے تھے کپڑا سی کر دینے سے انکار کیا بہت بری طرح لات، گھونسوں اور ٹھوکروں سے مارا۔ وہ بہت کافی مضروب ہوا۔ واقعہ کی اطلاع افسران بالا کو دی گئی اور ضلع کانگریس کمیٹی کے صدر صاحب کو بھی جو اسمبلی کے ممبر بھی ہیں اطلاع دی گئی۔ صدر کانگریس نے تو صاف کہا کہ مسلم لیگ سے جا کر فریاد کرو۔ افسران بالا کی اطلاع دہی کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان ہیڈ کانسٹبل کو اس شبہ پر معطل کر دیا گیا کہ اسی نے درزی کو افسران بالا کے پاس شکایت کرنے کے لئے ابھارا ہے، اور بعد میں اسے برخواست بھی کر دیا گیا۔ درزی نے استغاثہ دائر کیا۔ مقدمہ کی سماعت ایک سال سے زائد ہوتی رہی۔ تاریخیں پڑتی رہتی ہیں تاکہ اس عرصہ میں گواہوں اور ثبوت کو مختلف ذرائع سے خراب کیا جا سکے۔

(۵) دموہ :-

(۱) موضع پیٹریا سگونی کی ایک مرہٹہ برہمن عورت مسماۃ سوپتری دیوی بیوہ سری دھر راؤ عمر پینتیس ۳۵ سال نے حکام کو باضابطہ اطلاع دینے کے بعد یکم دسمبر ۱۹۳۸ء کو اسلام قبول کیا اور ۲ر دسمبر ۱۹۳۸ء کو عبدالکریم ٹھیکہ دار ساکن دموہ کے ساتھ نکاح کر کے یہیں رہنے کے لیے چلی آئی۔ ہندو حلقوں میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ انتقام کی تدبیریں ہونے لگیں۔ مکان پر جا جا کر دھمکیاں دی گئیں اور غریب عورت کا راستہ چلنا مشکل ہو گیا۔ ۹ر دسمبر کو قمرالنساء (سابق سوپتری دیوی) نے پولیس کو تحریری اطلاع دی کہ اس کی جان خطرہ میں ہے۔ پولیس نے کوئی کارروائی نہیں کی۔ مجبور ہو کر اس نے باہر نکلنا بند کر دیا۔ اس عورت کے پہلے شوہر نے اپنی کل جائداد وصیت کے ذریعہ مقامی مندر کو دیدی تھی۔ عورت نے اپنے متوفی خاوند کی وصیت کے مطابق کل جائداد مندر کے پجاری کے حوالہ کر دی اور اس سے باقاعدہ رسید لے لی۔ یہ واقعہ جولائی ۱۹۳۸ء کا ہے۔ چھ مہینہ بعد جبکہ اس نے مسلمان ہو کر نکاح کر لیا تو ۹ر جنوری ۱۹۳۹ء

کو اس کی سابقہ سوکن ست بھاما کی طرف سے فوجداری میں نالش دائر ہوئی جس میں زیر دفعات ۱۰۹، ۳۰۶ و ۳۸۰ تعزیرات ہند قمر النساء اُسکے شوہر اور سچاری پر یہ الزام لگایا گیا کہ مندر کی منقولہ جائداد مالیتی ساڑھے چھ ہزار روپیہ انھوں نے دبالی ہے اور حلفی بیان داخل کیا کہ یہ مال عورت نے اپنے نئے مکان میں رکھا ہے۔ فاضل مجسٹریٹ مسٹر سپاسچپا ستے نے بغیر کسی تحقیقات کے صرف سوکن کے بیان پر عورت اور اُسکے مسلم شوہر کے خلاف وارنٹ گرفتاری اور وارنٹ خانہ تلاشی جاری کر دیئے ۱۰؍ جنوری کو وارنٹ جاری ہوئے اور ۱۱؍ ہی جنوری کی سہ پہر کو خانہ تلاشی لی گئی۔ مبینہ مال مسروقہ میں سے کچھ بھی برآمد نہ ہوا۔ عورت کے شوہر عبدالکریم ٹھیکہ دار کا کچھ کاروبار موضع پیٹر یا سگونی میں بھی ہے۔ اس غرض سے اُس نے متوفی سری دھر کے موقوفہ مکان کا ایک حصہ کرایہ پر لے رکھا تھا جسمیں اُس کا سامان رہتا تھا۔ اس مکان کا ایک حصہ پُجاری کے قبضہ میں بھی ہے اور عبدالکریم کی غیر حاضری میں پجاری اور ملازمین ہی اِس پر نگرانی رکھتے تھے۔ ۱۰؍ جنوری کی ناکامیاب خانہ تلاشی کے پندرہ دن بعد پھر ایک درخواست اُسی سوکن کی طرف سے دی گئی کہ مال مسروقہ عبدالکریم کے مکان واقع پیٹر یا سگونی میں ہے لہذا اُس کی تلاشی لی جائے۔ فاضل مجسٹریٹ نے اس مرتبہ بیان حلفی کی ضرورت بھی نہ سمجھی اور وارنٹ جاری کر دیئے۔ مکان کی تلاشی ہوئی اور مال مسروقہ کی جو فہرست دی گئی تھی جسکی مالیت ساڑھے چھ ہزار بتائی گئی تھی اُس میں سے تین پیلچے اور ایک چھنّا قیمتی مبلغ صہ پولیس کی رپورٹ کے مطابق اُس مکان سے برآمد ہو گئے۔ اس مقدمہ میں مستغیثہ نے ۱۸ گواہوں کو جو سب کے سب ہندو ہیں طلب کرنے کی درخواست دی۔ ان کے نام خرچہ داخل کئے بغیر سمن جاری کرنے کا حکم ہو گیا۔ ان واقعات کو دیکھ کر مسلمہ عورت اور اُس کے شوہر نے ڈپٹی کمشنر مسٹر مہتا کے یہاں انتقال مقدمہ کی درخواست دی جو نامنظور ہوئی۔ بیچارے کو ناگپور ہائیکورٹ دوڑنا پڑا جہاں سے انتقال مقدمہ کی درخواست منظور ہوئی اور مقدمہ دموہ سے ساگر کی عدالت میں منتقل کر دیا گیا۔

(۲) مسلمانوں کے بائیکاٹ کی تحریک یہاں زوروں پر پھیلائی گئی۔ دیہات سے آنے والے ہندوؤں کو بہ جبر منع کیا جاتا کہ وہ مسلمانوں سے کاروبار نہ کریں۔ اس کا سب سے زیادہ اثر مسلمان بیڑی فروشوں پر پڑا۔ جس ہندو کے پاس مسلمان کارخانہ کی بیڑی نظر آتی اس پر دباؤ ڈالا جاتا۔ ناریل والا نامی ایک ہندو کو صرف اس جرم پر زدوکوب کیا گیا کہ اس نے ایک مسلمان کے یہاں سے بیڑی خریدی تھی۔ پولیس کو اطلاع ہوئی مگر خاموشی رہی۔

(۳) ہندو سبھا کے ایک کارکن لال سنگھ اور گیا پان والا کپتان ہندو سبھا والنیٹر کور نے مسلمانوں کے بائیکاٹ کی تبلیغ علانیہ اور شورش انگیز طریقہ پر کی مسلمانوں سے سبزی خریدنے کے جرم پر سبزی کا چھین کے ساتھ یہ لوگ بُری طرح پیش آئے اس نے پولیس کو اطلاع دی مگر کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ یہ لوگ آس پاس کے مواضعات میں بازار کے دن خاص طور پر سر بازار مسلمانوں کے بائیکاٹ کی تبلیغ کرتے جس سے نقص امن کا بھی ہر وقت خدشہ ہو جاتا تھا مگر پولیس نے کبھی تعارض نہ کیا۔

(۴) غلہ کے بازار میں ایک عرصہ تک مسلمانوں کی بولی لی جانی بند کر دی گئی تھی۔

(۶) کیتھورا :-

اس قصبہ میں ہندوؤں کے ساڑھے تین سو گھر ہیں مسلمان صرف نو گھر ہیں وہ بھی بہت غریب۔ ان مسلمانوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ ہندو کے شرادھ کا کھانا کھائیں۔ ان کے انکار کرنے پر مکمل بائیکاٹ کیا گیا۔ ان کو کام دینا بند کر دیا گیا۔ کاشت کے لئے زمین دینے سے انکار کی دھمکی دی گئی۔ اور ہر طرح سے تنگ کیا گیا۔ بائیکاٹ ایک مہینہ تک جاری رہا۔ پولیس نے ان مسلمانوں کی دادرسی اپنے فرض سے باہر سمجھی۔

(۷) بنوار :-

اس گاؤں میں گیارہ گھر مسلمانوں کے ہیں۔ یہاں جمعہ کو بازار لگتا ہے۔ اس کے باعث اس روز مسلمانوں کی خاصی تعداد جمع ہو جاتی ہے جو ادھر اُدھر سے بھی آتے ہیں۔ جمعہ کی نماز

یہ لوگ نہیں پڑھ سکتے تھے کیونکہ کوئی مسجد نہ تھی۔ مسلمانوں نے کوشش کر کے ایک قطعہ زمین حاصل کیا اور مسجد کی نیو ڈالی۔ پھر کیا تھا ہندوؤں کی طرف سے دھمکیاں شروع ہو گئیں۔ بائیکاٹ کا آغاز ہو گیا۔ مسلمان غریب کاشتکاروں کو اطلاع دیدی گئی کہ آیندہ سال زمین کاشت کے لئے نہیں ملیگی۔ انہیں اس قدر تنگ کیا گیا کہ غریبوں نے مجبور ہو کر تعمیر بند کر دی۔ پولیس یا کسی کانگریسی لیڈر نے ان غریبوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہ کی۔

(۴) ضلع جبلپور:-

(۱) جبلپور۔ دسہرہ کا بلوہ

(۱) جبلپور میں ۱۹۲۷ء کے بعد سے فرقہ دارانہ فساد نہیں ہوا تھا لیکن کانگریسی وزارت کے برسر اقتدار آتے ہی ہندوؤں کے حوصلے بڑھ گئے اور ۱۹۳۷ء کے دسہرہ میں ہندوؤں نے کالی کا جلوس اس شہر میں نکالا۔ یہ بالکل نئی چیز تھی۔ اس شہر میں کبھی یہ جلوس نہیں نکلا تھا۔ بہ تعداد کثیر مسلح ہندو اس جلوس میں شریک ہوئے۔ جب دسہرہ کا تمام جلوس آگے نکل چکا تب کالی کی سواری اخیر میں آئی اور یک بیک شور مچا دیا گیا کہ پتھر آئے پتھر آئے اور مسلمانوں پر حملہ شروع ہو گیا۔ ہندو سب انسپکٹر اور متعدد ہندو ہیڈ کانسٹبل و کانسٹبلوں نے جو جائے وقوع پر ڈیوٹی کر رہے تھے کانگریسی وزیر اعظم کی تحقیقات کے موقع پر بیان دیا کہ انھوں نے پتھر آنے کا شور ضرور سنا مگر آتے ہوئے نہیں دیکھے۔ پتھر سے کوئی ہندو زخمی نہیں ہوا اور نہ سواری پر ہی ضرب لگی لیکن مسلمانوں پر حملہ شروع ہو گیا۔ سب سے پہلے ایک مسلمان کو بھالے اور چاقو سے زخمی کیا گیا۔ اسکے بعد سے ہر جگہ نہتے مسلمانوں پر حملہ شروع ہو گیا۔ حکومت کے اعداد و شمار کے مطابق اس بلوہ میں ۵۶ ہندو اور ۷۶ مسلمان زخمی ہوئے اور ایک ہندو زخمی ایک ماہ بعد مر گیا۔ مگر قصور وار زیادہ مسلمان ہی سمجھے گئے۔ ۲۴ ہندو گرفتار کئے گئے اور ۲۳ مسلمان۔ ایک مسجد کا کچھ حصہ بھی ہندوؤں نے برباد کر ڈالا۔ اس بلوہ کے موقع پر بہت سے کانگریسی ممبر اسمبلی جبلپور پہنچے۔ خود وزیر اعظم بھی تشریف لائے اور اسمبلی

میں ماہ دسمبر تحریک التوا پیش ہوئی جس میں بڑی زہریلی تقریریں کی گئیں اور وزیراعظم نے باوجود اس کے کہ پولیس کے ہندو حکام کا یہ بیان ہے کہ پتھر آتے ہوئے اُنہوں نے نہیں دیکھے۔ تحقیقات سے قبل ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہہ دیا کہ بلوہ مسلمانوں کے پتھر پھینکنے کے سبب ہوا مسٹر افتخار علی نے ٹوک کر کہا بھی کہ کیا پتھر ایک ہندو کے مکان سے آنے کے متعلق مستند بیان موجود نہیں ہے، وزیراعظم نے کہا کہ اس کی اُنہیں کوئی اطلاع نہیں۔ بہر حال ایک تحقیقاتی کمیشن کی تجویز کو حکومت نے قبول کر لیا۔ وزیراعظم نے جو تحقیقات کی اس میں ہندوؤں کی شرارت آشکارا ہو گئی۔ تحریک التوا پیش کرنے والے ہندو ممبر اسمبلی نے جرح میں یہ قبول کیا کہ اُنہوں نے سُنی سُنائی باتیں بیان کر دی تھیں۔ حکومت نے تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ کو چھپا رکھا ہے اور اب تک شائع نہیں کیا ہے ہندوؤں ہی کی تحریک پر اور ٹاؤن کانگریس کمیٹی کی درخواست پر یہ کمیشن مقرر کیا گیا تھا۔ مگر ہندو اور کانگریسی وزراء اسکی رپورٹ شائع کرنے سے خوف کھا رہے ہیں۔ کیوں اس لئے کہ ہندوؤں کی شرارت کا پردہ چاک ہو جائے گا۔

محرم میں اشتعال انگیزی:۔

(۲) مسلمانوں کو جی بھر کر کچلنے اور پھانسنے کا مدعائے دلی جب دسہرہ ۱۹۳۷ء میں پورا نہ ہو سکا تو محرم ۱۹۳۸ء میں بلوہ کرانیکی پوری کوشش کی گئی۔ یعنے دسہرہ کے بلوہ کے ۵ ماہ بعد ۵ محرم سے لیکر ۱۳ محرم تک تعزیوں اور سواریوں پر تینتیس ۳۳ بار خشت باری کی گئی مگر مسلمانوں نے بڑے تحمل سے کام لیا اور اشتعال انگیزی کو برداشت کرتے رہے اسلئے بلوہ نہ ہو سکا۔

انصاف کے قتل کی ایک خونی داستان ہولی کے فسادات

(۳) محرم کے چند دنوں بعد ہی ہولی آ گئی۔ ہندوؤں کا ہولی کے سلسلہ میں کبھی

کوئی بڑا جلوس نہیں نکلتا تھا بلکہ مختلف ٹولیاں اِدھر اُدھر گھوم کر آپس میں رنگ پھینکا کرتی تھیں۔ اس سال سارے چھوٹے چھوٹے جلوسوں کو نیبر یا دکھ کر ایک بڑا جلوس نکالا گیا۔ یہ جلوس مسلمان محلوں سے خاص طور پر گذرا۔ جلوس میں تمام کانگریسی لیڈر اور دو ممبر اسمبلی موجود تھے۔ جلوس والوں نے مسلمانوں پر حملہ شروع کر دیا۔ راستہ میں جو مسلمان ملا ان کی دست برد سے نہ بچا۔ پہلا حملہ انجمن اسلامیہ کے ایک طالب علم پر ہوا، یہ لڑکا میٹریکولیشن کے امتحان میں شریک نہ ہو سکا۔ پھر ایک تانگہ والے پر حملہ کیا گیا جسکی رپورٹ فوراً پولیس میں کی گئی۔ یہ اطلاع قبل اس کے کہ جلوس کوتوالی تک پہنچے کوتوالی میں دی جا چکی تھی۔ جلوس راستوں میں مسلمانوں کی خبر لیتا ہر مسلمان سے چھیڑ چھاڑ کرتا کوتوالی پہنچا اس وقت دس ہزار مسلح ہندو اس جلوس میں موجود تھے مسٹر نیاز احمد خاں کوتوال شہر اُن دنوں گھر میں غمی ہو جانے کے باعث چھٹی پر تھے یہ کوتوالی مسجد سے اپنے بچے کا سوم کر کے باہر نکل رہے تھے کہ پکڑ کر ان کے چہرے بھی گلال اور عبیر سے لال کر دئے گئے۔ اِن تمام حرکتوں کی اطلاع کے باوجود پولیس نے جلوس کو روکنے یا اس کے ساتھ اتنی کافی پولیس کر دینے کا کہ یہ مزید ہنگامہ نہ کر سکیں کوئی انتظام نہیں کیا۔ اِس طرح یہ فاتحانہ جلوس ملونی گنج کے چورستہ پر پہنچا جہاں گذشتہ دسہرہ میں بھی فساد ہوا تھا۔ یہاں اِن کی آتش انتقال شعلہ جوالہ بن گئی۔ پہلے ایک بڈھے مسلمان کو جو اپنی دوکان کے اندر بھاگ رہا تھا پکڑ کر باہر لایا گیا اور لاٹھیوں سے نہایت بیرحمی کے ساتھ اِسے مارا گیا۔ دوسرا شکار ایک مسلمان نوجوان کو بنایا گیا جو پھلوں کی ٹوکری لئے جا رہا تھا۔ تیسرا بد قسمت مسلمان اپنی بیمار بیوی کے لئے جو ایلگن اسپتال میں پڑی تھی کھانا لئے ہوئے سائیکل پر اس راستہ سے گذر رہا تھا کہ ان کے تیر ستم کا نشانہ بنا۔ یہ تینوں مجروح زخموں کے صدموں سے راہی ملکِ بقا ہو گئے۔ جلوس نے مسلمانوں کے مکانوں پر جو راستہ میں ملے بے شمار پتھر پھینکے اور متعدد دروازے توڑ ڈالے یہ مکان کے اندر داخل ہونا چاہتے ہی تھے کہ چند مسلمانوں نے مدافعت کرنی شروع کی۔ اتنے

میں پولیس کافی تعداد میں آگئی اور اسنے جلوس والوں کو تو اِدھر اُدھر منتشر کر دیا۔ البتہ جو مسلمان مدافعت کے لیئے جمع ہوئے تھے اُن کی خبر لے لی پھر کیا تھا یہ ٹولی جدھر گئی لوٹ کھسوٹ اور ڈھاڑ شروع کر دیا۔ ہر گلی کوچہ میں حملے ہونے لگے۔ یہ واقعہ ۱۶ مارچ ۳۸ء کا ہے۔ جب پولیس ہندوؤں کو جی بھر کر بخار نکالنے کا موقع دے چکی تو دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ ہوا۔ یعنے اس لیئے کہ مسلمان ہندوؤں سے بدلہ نہ لے سکیں مسلمان محلوں کی پوری ناکہ بندی کی گئی ہندو محلوں میں یونہی سا انتظام کیا گیا۔ ہندو محلوں میں مسلمان ہندو کانسٹبلوں کے سامنے پٹتے تھے اور یہ کھڑے دیکھتے تھے۔ ۱۷ مارچ کو ایک محلہ کے چند مسلمان جنازہ لیکر قبرستان گئے۔ راستہ میں گڑھا پھاٹک پر ہندوؤں نے چھیڑ چھاڑ کی مگر یہ نکل گئے۔ یہ چیز ہندوؤں کو شاق گذری اور واپسی کا انتظار کیا جانے لگا۔ مسلمان بھی تیور سمجھ گئے تھے۔ افسروں کو یہ اطلاع بھی دیدی گئی کہ مسلمان جنازہ کا ڈھونگ رچا کر محلوں میں گھسنا چاہتے ہیں۔ اسکی تصدیق کے لیے سٹی سپرنٹنڈنٹ اور سٹی مجسٹریٹ قبرستان پہنچے اور اپنا اطمینان کر لیا۔

مسلمانوں نے وہیں اُن سے کہا کہ وہ ہندوؤں کے تیور دیکھ چکے ہیں غیر مسلح ہو کر اُس راستہ سے واپس نہیں جائیں گے ان افسروں نے کہا کہ ہمارے ساتھ چلو۔ یہ آگے آگے اور پیچھے پیچھے مسلمان چلے لیکن جس وقت یہ گڑھا پھاٹک سے گذرنے لگے تو پتھروں کی بارش شروع ہو گئی، اور چاروں طرف سے ہندوؤں کا مسلح مجمع آگے بڑھتا ہوا نظر آیا۔ پولیس۔ پولیس افسر اور مجسٹریٹ کو بھی پتھر لگے۔ کانسٹبل اپنی لاٹھیوں کے ساتھ مکانوں میں چھپ گئے۔ تب مسلمانوں نے انہیں کانسٹبلوں کی لاٹھیاں چھین کر مجمع کا مقابلہ کیا اور انہیں آگے بڑھنے سے روکتے رہے اتنے میں پولیس کی بڑی تعداد آگئی اور ان گھرے ہوئے لوگوں کی جان بچی۔ مگر ان مسلمانوں کا دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی میں لاٹھیاں رکھنے کا الزام لگا کر چالان کر دیا گیا۔ ان مسلمانوں

کے گھر جالنے کی خبر ایک مسلمان محلہ میں پہنچی۔ اور وہاں کے مسلمان جان پہ کھیل کر باہر نکلنے لگے۔ راستہ میں بعض ہندوؤں سے مڈبھیڑ ہوئی جو زخمی ہوگئے۔ اسکی اطلاع ملتے ہی پولیس کے دستے کے دستے مسلمان محلہ کی ناکہ بندی پر تعینات کر دیئے گئے اکا دکا حملوں کا سلسلہ جاری رہا اور ۲۲ مارچ کی شب کو ایک ضعیف مسلمان کو جبکہ وہ بڑی سڑک پر سے گذر رہا تھا بھالا مارا گیا۔ یہ سات دن زخمی رہ کر انتقال کر گیا۔ مگر اسنے اپنے حملہ آوروں کے نام بتائے اور شناخت بھی کیا۔ معلومہ اعداد و شمار کے مطابق اس بلوہ میں چار مسلمان جان سے مارے گئے اور ۶۲ زخمی ہوئے اور ۴۶ ہندو زخمی ہوئے۔ مگر یہ واضح رہے کہ مسلمان مجروحین ضرب شدید کے شکار تھے۔ بھالے بلم اور چھروں کی مار تھی۔ برخلاف اسکے ہندوؤں کے زخم معمولی تھے۔ ایک کو بھی ضرب شدید نہیں تھی۔ یہ ۴۶ کی تعداد بھی اس طرح ہوئی ہے کہ ان میں بہت سے اسپتال نہیں گئے تھے۔ اور تحقیقات کرنے والے افسر کے سامنے یہ بیان دیا کہ انہیں یہ خفیف ضرب پتھر یا لاٹھی سے لگی ہے۔ اور تحقیقات کے سلسلہ کا ظلم سنئے۔ تحقیقات مقامی پولیس افسر کی بجائے (کیونکہ وہ مسلمان تھے اور چھٹی پر سے واپس آچکے تھے) سی۔ آئی۔ ڈی انسپکٹروں کے سپرد کی گئی۔ بہت سے سرغنہ ہندوؤں اور ایسے غنڈوں کو جن کا نام بتایا گیا کہ انہوں نے قتل میں حصہ لیا ہے شناخت کی پریڈ میں بٹھایا نہ گیا مگر شناخت کی فہرست میں ان کا نام شامل کر لیا گیا۔ ڈپٹی کمشنر کو درخواست دی گئی کہ ایسا ہو رہا ہے مگر الزام کو غلط قرار دیکر اسے نامنظور کر دیا گیا۔ مگر جب یہی بدمعاش بطور گواہ عدالت میں آئے تو انہوں نے اقبال کیا کہ ان میں سے تقریباً ایک درجن شناخت کے وقت پاس کے کمرے میں بٹھائے گئے تھے۔ جہاں وہ نظر نہیں آسکتے تھے۔ ہندوؤں نے بہت سی رپورٹیں سی۔ آئی۔ ڈی انسپکٹر کے آنے کے بعد کیں، ۱۶ کے واقعہ کی رپورٹ ۲۲ اور ۲۴ کو کی گئی۔ اور انہوں نے اپنے بیان میں اقبال کیا کہ اگر سی۔ آئی۔ ڈی انسپکٹر نہ پوچھتا تو وہ رپورٹ بھی نہ کرتے مسلمانوں نے اپنے حملہ آوروں کو جلد ہی شناخت کیا۔ برخلاف اسکے ہندوؤں سے بہت بعد میں شناخت کرائی گئی

انہوں نے جتنے مسلمان چاہے شناخت کرڈالے جہاں تک ممکن ہوسکے مسلمانوں کو مجرم بنانے اور ہندوؤں کی پردہ پوشی کرنے کی کوشش بلیغ کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ ۸۷ مسلمانوں اور ۵۲ ہندوؤں کا مختلف مقدمات کے تحت چالان ہوا۔ ذیل میں تقابل کے لئے مقدمات کی تفصیل درج کی جاتی ہے تاکہ قانون داں حضرات یہ دیکھ لیں کہ زیادتی کس نے کی ہوگی اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے مقدمات کی نوعیت کیا تھی اور باوجود کوشش کے مسلمانوں پر کس جرم کا الزام عائد ہوسکا۔

مسلمانوں کے خلاف مقدمات

۱۔ ۴۵ مسلمان زیر دفعات ۱۴۸ و ۱۴۹ و ۳۲۴ تعزیرات ہند جلوس پر سنگباری کرنے اور پانچ ہندوؤں کو معمولی زخم پہونچانے کے جرم میں ماخوذ کئے گئے

۲۔ ۱۲ مسلمانوں کے خلاف دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کا جرم تھا۔

۳۔ ۴ مسلمان زیر دفعہ ۱۴۷/۴۵۲ تعزیرات ہند کسی کو کوئی ضرب نہیں۔

۴۔ ۱۳ مسلمانوں کے خلاف دو آدمیوں کو ضرب خفیف پہنچانے اور ایک کار کو نقصان پہنچانے کا الزام تھا

کسی ہندو کو بھالے، بلم، یا چاقو کا زخم نہیں آیا تھا نہ کسی کو ضرب شدید جیسا کہ چالان

ہندوؤں کے خلاف مقدمات

۱۔ ۴۷ ہندوؤں کے خلاف زیر دفعات ۳۰۲۔ ۳۲۶۔ ۱۴۹ تعزیرات ہند تین مسلمانوں کے قتل اور بہتوں کو ضرب شدید پہنچانے اور بلوہ کرنے کا الزام تھا۔ اس گروہ میں کئی کانگریسی مالدار میونسپل کمشنر میونسپلٹی کا ایک اوورسیر، مقامی ہندو اسکول کا ایک ماسٹر اور متعدد بڑے لوگ ماخوذ تھے۔ قابل غور یہ امر ہے کہ سارا جلوس ابتدا سے اخیر تک مجمع ناجائز قرار دیا گیا تھا

۲۔ ۲ ہندو گڑھا پھاٹک کے فساد کے سلسلہ میں ماخوذ تھے۔

۳۔ دو ہندو ۲۲ مارچ کو جو ضعیف العمر مسلمان مارا گیا اسکے قتل اور متعدد لوگوں پر بلم اور چاقو سے

کی دفعات سے ظاہر ہے۔

حملہ کرنے کے جرم میں ماخوذ تھے۔

مقدمہ چلا۔ تقریباً چار ماہ تک اس کی سماعت ہوتی رہی اوائل اگست ۳۸ء میں مقدمات جس منزل پر پہنچ چکے تھے اُن کے تقابل کی تفصیل درج ذیل ہے:-

مسلمانوں کے خلاف مقدمات

۱۔ ۴۵ مسلمانوں کے خلاف جو مقدمہ تھا اُس میں ۳۵ شہادتیں گزر چکی تھیں۔ واقعات سے باخبر اصحاب اور وکلا صفائی کا اندازہ یہ تھا کہ ۴۵ میں سے مشکل دس کے خلاف فردِ جرم لگ سکتی تھی وہ بھی ضرب خفیف اور خشت باری کی۔ قرینہ غالب یہ تھا کہ بقیہ ۳۴ ملزمین فردِ جرم لگانے سے پہلے بری کر دیئے جاتے۔ بقیہ دس بھی اگر انتہائی تاریک پہلو لیا جائے تو جرمانہ کی سزا کے مستحق ہوتے۔

۲۔ دوسرے مقدمہ میں جس میں ۹ مسلمان ماخوذ تھے فیصلہ سنایا جانے والا ہی تھا، ننانوے فیصدی رہائی کی توقع تھی۔ مستغیث گواہ کا عدالت میں یہ بیان ہوا تھا کہ اُسے معلوم نہیں کہ کس نے اُسے مارا اور اُسنے چاروں ملزمین کے نام اپنے ایک پڑوسی کے کہنے سے بتائے ہیں اور اس پڑوسی اور ملزمین کی آپس میں دشمنی ہے۔

۳۔ تیسرا مقدمہ جس میں ۱۴ مسلمانوں کے خلاف

ہندوؤں کے خلاف مقدمات

۱۔ بڑا مقدمہ ۳۴ ہندوؤں کے خلاف جس میں بڑے موٹے کانگریسی، میونسپل کمشنر اور ماسٹر قتل عمد، ضرب شدید، اور مہلک ہتھیاروں کے ساتھ مجمع ناجائز بنا کر بلوہ کرنے کے الزام میں ماخوذ تھے۔ اس میں ۶۴ گواہوں کے بیان ہو چکے تھے اور ۱۶ اگست حکم کے لئے مقرر تھی اور روئداد مقدمہ سے یہ عام یقین ہو گیا تھا کہ سب کے سب سیشن سپرد کر دیئے جائیں گے۔

۲۔ دوسرا مقدمہ جس میں ۱۶ ہندو ماخوذ تھے اس میں استغاثہ کی گواہیاں ہو رہی تھیں اور مقدمہ کسی طرح کمزور نہیں ہوا تھا۔

۳۔ دو ہندوؤں کے خلاف جو مقدمہ تھا وہ ختم ہو چکا تھا اور ملزمین رہا کر دیئے گئے تھے۔ کیونکہ عدالت کی رائے میں یہ ثابت نہیں کیا جا سکا کہ یہی حملہ آور تھے اور بھالا جو زخمی کے ساتھ ملا اُس کے مالک بھی ملزمین تھے۔

بہرحال ہندوؤں کے خلاف جو اصل مقدمہ

دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کا الزام تھا ختم ہو چکا تھا جس
میں سات مسلمانوں کو فی کس ۵ جرمانہ داخل کرنے کا
حکم ہوا تھا جو اُنھوں نے دیدیئے

۴۔ چوتھا مقدمہ جسمیں ۱۳ مسلمان دو آدمیوں کو
ضرب خفیف پہنچانے کے ملزم تھے ابھی شروع
ہوا تھا۔ اسلیئے اسکے متعلق کوئی صحیح رائے قائم
نہیں کی جا سکتی۔

۳۔ تھا وہ پوری کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر
ہونے والا تھا، اور مجسٹریٹ کو ملزمین کے مجرم
ہونے کا یقین ہو چکا تھا جیسا کہ آگے کی سطور سے
معلوم ہوگا۔

مقدمات کی اس صورت حال نے کانگریسیوں کو بہت پریشان کیا یہ کیسے گوارا ہو سکتا تھا
کہ کانگریسی راج میں مسلمانوں کو قتل کرکے کوئی ہندو یا کانگریسی سزا بھگتے۔ چنانچہ ایک درخواست
حکومت کے نام بھیجی گئی کہ مقدمات اُٹھالیئے جائیں جس پر بے شمار ہندوؤں نے دستخط کیئے اور کسی
طرح دو تین مسلمانوں کے دستخط بھی حاصل کرلیئے گئے اس خبر کے عام ہوتے ہی مسلمانوں نے مقدمہ
اُٹھائے جانے کے خلاف سخت احتجاج کیا اور ۵ جولائی ۱۹۳۸ء کو بہت بڑے جلسہ عام میں تجویز
منظور کی گئی کہ مقدمات اُٹھانے کے معنی قاتل ہندوؤں کی طرفداری کرنا ہے۔ اس تجویز کی تائید میں تقریر
کرنے والوں میں کئی مسلمان وہ تھے جو خود ملزم تھے۔ یہ تجویزیں بروقت حکومت کو بھیج دی گئیں۔ مسٹر افتخار علی
ممبر اسمبلی کو مسٹر ڈی سلوا سابق صدر جبلپور میونسپل بورڈ نے اس سلسلہ میں یہ بتایا تھا کہ جب یہ درخواست
ڈاکٹر کھرے وزیر اعظم کے پاس پہنچی تو اُنہوں نے یہ کہہ کر واپس کردیا کہ یہ صرف ہندوؤں کی طرف سے
ہے معزز مسلمانوں کے دستخط اس پر نہیں ہیں۔ مقدمات چل ہی رہے تھے کہ ڈاکٹر کھرے نکال دیئے گئے
اور مسٹر شکلا وزیر اعظم ہوئے اس وقت کوئی مسلمان وزارت میں نہ تھا۔ اس وزارت نے مسلمانوں کے تمام
احتجاجات اور روایات عدل و انصاف کو ٹھکراتے ہوئے شرمناک طرفداری اور کھلی ہوئی فرقہ
پرستی سے کام لیکر تمام زیر سماعت مقدمات کے اُٹھالیئے جانے کا حکم دیدیا۔ بہانہ یہ بتایا گیا کہ ہندو مسلم
تعلقات اس سے بہتر ہو جائیں گے واقعات کی پوری تفصیل اوپر دیدینے کے بعد تبصرہ لاحاصل ہے۔

وزارت کی ذلیل قسم کی جانبداری عیاں ہے۔ صرف اتنا بتا دینا یہاں پر ضروری ہے کہ ہندو مسلم تعلقات
کو بہتر بنانے کا یہ نسخہ صرف جبلپور ہی کے لئے مناسب سمجھا گیا جہاں کئی کانگریسی قتل کے الزام میں ماخوذ تھے
ساگر اور دریا پور میں جہاں صرف مسلمان ماخوذ تھے اور بلوہ کے مقدمات چل رہے تھے اس نسخہ کے
ذریعہ ہندو مسلم تعلقات کو بہتر بنانے کا خیال وزارت کو نہ آیا۔ دوسری اہم چیز قابل تذکرہ یہ ہے کہ وزارت
کا یہ نادری حکم اسی روز بذریعہ تار مجسٹریٹ کو ملا۔ جس روز حکم سنایا جانے والا تھا۔ ہندوؤں کے خلاف
قتل کے مقدمہ میں مجسٹریٹ کے یہ ریمارک قابل غور ہیں:۔

"اگرچہ تمام ملزمین کے خلاف جرم ثابت ہو چکا ہے مقدمہ حسب ہدایت اٹھایا جاتا ہے"

یہ واضح رہے کہ صرف زیر سماعت مقدمات اُٹھائے جانے کا حکم ہوا تھا گذشتہ دسہرہ کے بلوہ میں جبکہ
ایک ہندو کی جان گئی تھی اور جن مسلمان ملزمین کو سزائیں ہوئی تھیں اُن کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا مسلمانوں
میں اس واقعہ سے بڑی سخت بد دلی پھیلی۔ اُنھوں آئینی احتجاج اور اظہار نفرت کے ہر طریقہ کو استعمال
کیا۔ مسلمان ملزمین نے حکومت کو اور عدالت میں درخواست دی کہ وہ یہ نہیں چاہتے کہ مقدمہ اُن کے
خلاف اُٹھایا جائے بلکہ وہ اس کا موقع چاہتے ہیں کہ عدالت میں اپنی بیگناہی ثابت کرکے باعزت
طور پر بری ہوں لیکن مسلمانوں کا یہ تمام شور و غل پادر ہوا ثابت ہوا۔ صوبائی مہاکوشل کانگریس
کمیٹی نے بھی یہ محسوس کیا کہ حکم ایسا صادر ہوا ہے کہ فرقہ پرستی اور جانبداری اظہر من الشمس ہے
اس لئے اس کو ڈھانکنے کے لئے یہ تجویز منظور کی کہ حکومت سے یہ استدعا کی جائے کہ وہ دسہرہ کے
بلوہ کے ملزمین کو رہا کردے۔ ایک تو صوبائی کانگریس کا مشورہ پھر حکومت خود بھی پردہ پوشی کی
تلاش میں تھی اُسنے اُس مسلمان ملزم کو جسے دسہرہ کے بلوہ میں ایک ہندو کی جان جانے کے سلسلہ
میں لمبی سزا ہوئی رہا کردیا۔ مگر یہ کارروائی مشتے بعد از جنگ تھی۔

مسلمانوں کی درخواست پر ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج جبلپور نے نظر ثانی کے اختیارات کو
استعمال کرتے ہوئے تمام ملزمین کو نوٹس دیا کہ وجہ بتائی جائے کہ کیوں نہ مقدمہ نئے سرے سے اُن
پر چلایا جائے۔ ہندوؤں پر یہ عنایات کی بارش کرنے کے بعد وزیر اعظم مسٹر شکلا اور مسٹر مصرا جبلپور

آئے۔ مسلمانوں نے سیاہ جھنڈیوں سے استقبال کیا اور احتجاجی مظاہرہ کیا۔ ہندوؤں نے خوب خوب دعوتیں دیں۔ مسٹر مصرا نے ایک ہندو مجمع میں بتایا کہ وزارت نے اُن پر کیا احسان کیا۔ اس پر ایک ہندو ملزم نے کہا کہ مگر سیشن جج کی عدالت سے ایسا نوٹس آیا ہے۔ اس پر مسٹر مصرا نے کہا کہ "اس کی فکر مت کرو۔ ۳۱ اگست سے پہلے سب ٹھیک ہو جائے گا" چنانچہ ہائیکورٹ میں درخواست دی گئی کہ سیشن جج کو ایسا نوٹس جاری کرنے کا اختیار نہ تھا۔ ہائیکورٹ نے مسل مقدمات اور سیشن جج سے جواب طلب کیا۔ سیشن جج نے لکھا کہ مقدمہ جس منزل پر تھا اُس وقت اُٹھا لیا جانا انصاف اور انتظام امن وقانون دونوں کے منافی تھا۔ ہائیکورٹ نے یہ فیصلہ دیا کہ حکومت کی طرف سے دائر کئے ہوئے مقدمات کو اُٹھا لینے کا حکومت کو ہر وقت حق ہے۔ خواہ یہ قدم کتنا غیر موزوں کیوں نہ ہو عدالت کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ وہ حکومت کو اس سے روک سکے، اور حکومت کے اُٹھائے ہوئے مقدمہ کو عدالت دوبارہ چلانے کی مجاز نہیں ہوسکتی۔ اِس طرح مسٹر مصرا کے قول کے مُطابق ہندوؤں کا بال بیکا نہ ہوا۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حکومت نے مقدمات ایسے وقت پر اُٹھائے کہ مسلمان استغاثہ کے حق سے بھی میعاد مقررہ گذر جانے کے باعث محروم ہو چکے تھے اسطرح چار بے گناہ مسلمانوں کے قاتلوں کو جو صرف اس لئے کہ وہ کانگریسی وزارت کے بھائی بند تھے بے داغ چھوڑ کر انصاف وعدل کو پوری بے دردی کے ساتھ قتل کیا گیا۔

(۳) ۱۹۳۸ء میں دسہرہ بہت زیادہ دھوم دھام سے منایا گیا نئی نئی جگہ کالی کی مورتیاں بٹھائی گئیں اور اُن جگہوں پر بھی جہاں مسلمانوں کو اعتراض ہو سکے۔ ہندوؤں میں ایسا فاتحانہ جوش تھا کہ دسہرہ کے انتظام کے لئے ایک ہزار مزید پولیس طلب کرنی پڑی۔ دسہرہ سے قبل ہی اکا دُکا حملوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور کئی دنوں تک رہا مسلمانوں نے انتہائی ضبط سے کام لیا ورنہ پھر بڑا سخت بلوہ ہوتا اور یہی ہندو چاہتے تھے۔

(۴) مارچ ۱۹۳۹ء میں مسلمانوں کی امن پسندی کے سبب محرم بہ خیریت گذر گیا۔ لیکن ہولی کے موقع پر پھر ہنگامہ ہو گیا۔ ہندو جلوس پھر اسی شان سے نکلے۔ اور مسلمانوں پر حملہ کرنا شروع کر دیا

مگر اِس دفعہ مسلمان مدافعت کے لئے تیار تھے اس لئے جان سے نہ مارے جاسکے۔ مگر اکا دُکا حملے بکثرت ہوئے اور شہر کا امن غارت ہوگیا۔ پولیس اس دفعہ بہت کافی تعداد میں تھی اسلئے ہندوؤں کی کوشش کے باوجود زیادہ ہنگامہ نہ ہوسکا۔ حملوں کی ابتداء ہوتے ہی فوج بھی طلب کر لی گئی جسنے ہندوؤں کو آزادی کے ساتھ کھیل کھیلنے کا موقع نہ دیا۔ دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ بھی ہوگیا پھر بھی کئی دنوں تک اکا دُکا حملہ ہوتے رہے اور ہندوؤں کی شر انگیزی کا خمیازہ مسلمانوں کو بھی بھگتنا پڑا کہ متعدد مسلمانوں کا چالان مختلف مقدمات کے سلسلہ میں ہوا

(۵) اِس فساد کے باعث شہر میں مختلف مقامات پر سوار تعینات کئے گئے تھے۔ ۱۹ مارچ ۳۹ء کو ایک سوار سے اور شہر کے ایک مالدار ہندو تاجر سیٹھ سگن چند راٹھی سے کچھ تکرار ہوگئی۔ سوار کا بیان یہ تھا کہ سیٹھ صاحب نے انتظام میں بیجا طور پر دخل در معقولات کی اور نامناسب الفاظ استعمال کئے۔ بھیڑ بہت جمع ہو گئی۔ خبر ملتے ہی سٹی کوتوال اور سٹی مجسٹریٹ موقع پر پہنچے اور ابتدائی تحقیقات سے سیٹھ صاحب کی زیادتی ثابت ہونے پر انھیں کوتوالی لے گئے۔ پولیس اِن کے خلاف کاغذات مرتب کرہی رہی تھی کہ ایک وفد جبلپور سے وزراء کے پاس ناگپور پہنچا اور معاملہ گاؤ خوردہو کر رہ گیا۔ اخبارات میں سیٹھ صاحب کی گرفتاری کی اطلاع شائع ہو چکی تھی چھ روز بعد لیعنی وزراء سے وفد کی کامیاب ملاقات کے بعد یہ بیان شائع ہوا کہ "سیٹھ صاحب گرفتار نہیں کئے گئے بلکہ پولیس اور سٹی مجسٹریٹ انہیں اسلئے کوتوالی لے گئے تھے کہ انہیں اگر کوئی شکایت سوار کے خلاف ہے تو لکھ کر دیدیں"۔ شاید پولیس نے اسی لئے انہیں چار گھنٹہ کوتوالی میں بٹھائے رکھا تھا۔ اصلی حقیقت یہ ہے کہ وزراء کی دخل اندازی سے پولیس کو ان کے خلاف مقدمہ نہ چلانے دیا

(۶) اِس بلوہ کے سلسلہ میں خود وزیر اعظم کی ذہنیت کا کیا حال تھا اُس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے کیا جاسکتا ہے۔ وزیر اعظم بلوہ کے بعد ہی جبلپور پہنچے اور شہر کا گشت لگاتے ہوئے پیشکاری کے قریب کسی کام سے اپنی موٹر روکی۔ ساتھ ساتھ مقامی لیڈروں اور حکام کا قافلہ تھا۔ وزیر اعظم اور حکام کی موٹریں دیکھ کر بہت سے تماشائی جمع ہو گئے۔ کہیں اُسی مجمع میں ایک موٹا تازہ لمبا تڑنگا

پٹھان بھی تھا۔ وزیر اعظم نے جو نہ معلوم کن جذبات سے مغلوب تھے ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس کو حکم دیا کہ اسے گرفتار کر لیا جائے۔ افسر مذکور نے دانستہ یا شاید سنا نہ ہو اس کی تعمیل نہ کی۔ تب وزیر اعظم نے ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کو پٹھان کی گرفتاری کا حکم دیا۔ یہ بیچارہ بے قصور گرفتار ہو کر تھانہ لیجایا گیا اور دن بھر حوالات میں رہنے کے بعد ضمانت پر رہا ہوا۔ اس کا چالان زیر دفعہ ۱۸۸ کیا گیا۔ پورے دو مہینہ کچہری کا چکر مختلف تاریخوں پر کاٹتا رہا۔ چونکہ کوئی گواہ دستیاب نہیں ہو رہا تھا اس لئے تاریخیں پڑتی جاتی تھیں۔ آخر ۱۲ مئی کو کورٹ انسپکٹر نے مقدمہ اٹھالئے جانے کی درخواست عدالت میں پیش کی۔ جج عدالت نے یہ ریمارک کرتے ہوئے کہ "جو ثبوت سامنے ہے اسے دیکھتے ہوئے مقدمہ اٹھالئے جانے کی اجازت دینا مناسب ہے" ملزم کے بری کئے جانے کا حکم دیا اور اس غریب کی جان بچی۔

(۷) چہلم کے زمانہ میں دفعہ ۱۴۴ نافذ تھی مسلمانوں نے درخواست دی کہ چہلم کا موقع ہے اکھاڑے بھی نکلتے ہیں اور مجمع بھی ہوتا ہے اسلئے یہ دفعہ اٹھادی جائے۔ ڈپٹی کمشنر نے جواب دیا کہ "کسی ایک قوم کے لئے کسی خاص قسم کی رعایت نہیں کیجا سکتی" بطور احتجاج مسلمانوں نے چہلم کا جلوس نہیں نکالا لیکن جب جون کے مہینہ میں ہندو پولیٹیکل کانفرنس کی صدارت کے لئے مسٹر ساورکر جبلپور آنے لگے اور ہندوانکے جلوس کی تیاریاں زور شور سے کرنے لگے تو مقامی حکام نے خطرہ محسوس کرتے ہوئے آٹھ دن کے لئے دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی۔ مقامی ہندو سیٹھ دوڑتے ہوئے وزراء کے پاس پہنچے اور بیرسٹر ساورکر کے آنے سے قبل دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کا حکم حکومت کی ہدایت پر واپس لے لیا گیا اور "کسی ایک قوم کے ساتھ خاص رعایت نہیں ہوسکتی" کا اصول دھرا کا دھرا رہ گیا۔ اصل میں مسلمان قوم کے ساتھ خاص کیا کوئی رعایت بھی نہیں ہوسکتی اور ہندوؤں کے ساتھ خاص کیا خاص الخاص رعایت ہوسکتی ہے۔

(۸) ان بے جا رعایتوں نے ہندوؤں کے حوصلے بہت بڑھا دیئے اور کانفرنس کے دوسرے ہی روز مسلمانوں کی ایذا رسانی کا سلسلہ شروع ہو گیا اور حسب ذیل ناگوار حادثات ہوئے۔

(۱) ہندو غنڈوں نے نندھیرد یو میں مہاراج پان والے کی دوکان کے پاس ایک مسلمان کو زدوکوب کیا (۲) ایک پنجابی مسلمان پر ہندو غنڈوں نے لاٹھی سے حملہ کیا اور گلی میں بھاگ گئے۔ (۳) ایک مسلمان میوہ فروش عورت اور اُسکے شوہر کو ہندو کانسٹبل نے نورد گنج پولیس چوکی میں زدوکوب کیا اور عورت کے کپڑے کھینچ کر اُسے نیم برہنہ کر ڈالا (۴) ایک پہلوان پر سُنہارائی میں حملہ کیا گیا (۵) ایک مسلمان لڑکے کو گول بازار میں زدوکوب کیا گیا (۶) بیل باغ میں ایک مسلمان لڑکا نل سے پانی پی رہا تھا کہ ایک ہندو نے اِسے دھکا دیکر گرا دیا (۷) سُنہارائی میں ایک حافظ صاحب پر حملہ کیا گیا (۸) نوارد گنج میں صدائے مسلم اخبار کے ہاکر کو زدوکوب کیا گیا (۹) انورخاں محبوب کے کارخانہ کے باہر ہندو اور مسلمان مزدوروں میں جھگڑا ہو گیا جس میں ۳ مسلمان گرفتار کر کے شام تک حوالات میں رکھے گئے۔

اس سے ظاہر ہوگا کہ ہندوؤں نے دوبارہ بلوہ کرانے کی کوئی کوشش اُٹھا نہ رکھی۔ وہ تو گذشتہ واقعات کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں نے بڑے ہی صبر، برداشت اور تحمل سے کام لیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ پہلے کی طرح ہندوؤں کا کچھ نہ بگڑیگا اور مسلمان پیس دیئے جائیں گے

(۲) کٹنگی (تحصیل پاٹن ضلع جبلپور)

ایک مسلمان نوجوان محمد حنیف نامی جو جبلپور کا رہنے والا تھا گھر سے ناراض ہو کر تن بتقدیر نکل کھڑا ہوا۔ اسکے پاس پیسے کم تھے۔ یہ لاری پر جبلپور سے کٹنگی آیا اور ۱۵ رمئی ۳۹ء کو بعد دوپہر یہاں پہنچا۔ اسکے پاس ایک نیا چھاتہ تھا اس نے اس کو ایک حلوائی کے ہاتھ چند آنوں میں فروخت کر ڈالا اس وقت ایک ہندو کانسٹبل آس پاس تھا۔ یہ کانسٹبل اس لڑکے کو پکڑ کر تھانہ پر لے گیا کہ چھاتہ چوری کا ہے۔ اور تحقیقات شروع ہوئی۔ رات بھر اسے حوالات میں رکھا گیا۔ ۱۶ رمئی کی صبح کو سات بجے پولیس کے بیان کے مطابق حوالات میں اس کا انتقال ہو گیا۔ لاش پورے ۲۴ گھنٹہ کے بعد جبلپور اسپتال بغرض پوسٹ مارٹم پہنچی۔ جبلپور مسلم لیگ کے دفتر میں بھی خبر پہنچی کہ کسی مسلمان کی لاش کٹنگی سے آئی ہے جو حوالات میں مر گیا تھا۔ جب مسلم لیگ کے آدمی اسپتال پہنچے تو معلوم ہوا کہ پوسٹ مارٹم ہو چکا ہے۔ مسٹر افتخار علی ممبر اسمبلی نے ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس

سے مل کر یہ استدعا کی کہ لاش کو سول سرجن دیکھ لیں تو اچھا ہو افسر مذکور نے وعدہ کیا کہ ایسا ہی ہوگا
مگر سول سرجن نے لاش نہیں دیکھی اور حسب معمول اسسٹنٹ سرجن کی رپورٹ پر تصدیقی دستخط کر دیئے
نہلانے کفنانے کے بعد لاش کو جب دفن کرنے لے چلے تو اور مسلمان آ گئے اور کہا کہ شہر میں نماز
کے لئے لیچلو اس پر کوتوالی کے ایک پولیس سب انسپکٹر نے جس کی موجودگی کی کوئی ظاہری وجہ نہ تھی
اصرار کیا کہ نہیں سیدھے قبرستان لیجا کر جلدی دفن کرو۔ چنانچہ لاش قبرستان لیجائی گئی۔ اتنے میں
اور مسلمان آ گئے اور بتانے لگے کہ کٹنگی سے جو لوگ آئے ہیں وہ یہ بیان کرتے کہ نصف شب کے بعد
حوالات کے اندر مار دھاڑ اور چیخنے چلانے کی آوازیں آتی رہیں اس پر شبہ قوی ہو گیا اور مسٹر
تاج الدین بھی قبرستان پہنچے یہ ۱۷ مئی کی ساڑھے چار بجے شام کا واقعہ ہے۔ افواہیں سنکر بہت
سے مسلمان جمع ہو گئے تھے۔ کثیر مجمع کے سامنے جب کفن کھولا گیا تو لوگ بھوچکا ہو کر رہ گئے (۱)
آنکھیں حلقۂ چشم سے باہر تھیں (۲) دونوں ہتھیلیاں زخمی تھیں (۳) دو انگلیاں ٹوٹی ہوئی تھیں
(۴) پشت اور ران پر ضرب کے نشان تھے اور کھال اُدھڑی ہوئی تھی (۵) بازو پر رسی سے باندھ کر
جانے کے نشانات تھے (۶) زبان منہ سے باہر تھی (۷) نتھنے خون آلود تھے مسلمانوں نے لاشہ کا فوٹو
لے لیا اور ڈپٹی کمشنر کو مسٹر تاج الدین نے لکھا کہ سول سرجن کو بھیجئے۔ سول سرجن آئے مگر چونکہ
پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کی تصدیق کر چکے تھے اسلئے معائنہ سرسری کیا اور کہا کہ ہڈیاں کہیں سے
نہیں ٹوٹی ہیں اور لاشہ اس قدر خراب ہو چکا ہے کہ جتنی علامات نظر آ رہی ہیں ان کے اسباب اب
نہیں بتائے جا سکتے۔ بارہ ساڑھے بارہ بجے رات کو تدفین ختم ہوئی۔ اس عرصہ میں معتبر ذرائع سے
یہ معلوم ہوا کہ نوجوان کی موت مشتبہ حالات میں ہوئی اور اس میں پولیس کا ہاتھ ہے۔ کئی مسلمان
لیڈر دوسرے روز کٹنگی پہنچے اور ایس۔ ڈی۔ ایم بھی تحقیقات کے لئے وہاں آئے مسلم لیگ
کے عہدہ دار کافی تحقیقات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگرچہ نوجوان کی موت پولیس کی جان
لیوا ضربات کی وجہ سے ہوئی لیکن جن لوگوں نے دیکھا ہے وہ خوف کے مارے شہادت دینے
کو تیار نہیں۔ چنانچہ انہوں نے افسر متعلقہ کو تحریری اطلاع دی کہ "ہمیں اطمینان ہو گیا ہے کہ

محمد حنیف کی موت پولیس والوں کے ہاتھوں ہوئی ہے چشم دید گواہ شہادت دینے سے خائف ہیں
جب تک کہ اس تھانہ کے پورے اسٹاف کا یہاں سے تبادلہ نہ کر دیا جائے ہم لوگ حکام بالا سے اس امر
کی درخواست کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس لئے اس کارروائی تک تحقیقات ملتوی رکھی جائے۔"
کافی تبادلۂ خطوط کے بعد مسلم لیگ کو یہ اطلاع دی گئی کہ "تبادلہ کیا جا رہا ہے۔" مگر بعد میں معلوم ہوا کہ
صرف سب انسپکٹر اور ایک کانسٹیبل کا تبادلہ ہوا ہے۔ بہرحال بہت سے مسلمانوں اور ہندوؤں نے
گواہیاں دیں۔ انہوں نے غریب نوجوان مسلمان کو مارنے گھسیٹنے اُسکے چلانے، چیخنے کے چشم
دید حالات بیان کئے۔ پولیس والوں کا بیان باہم بہت متضاد تھا لیکن ان سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ
حکومت نے تقریباً چھ ماہ بعد یعنی اتنے دنوں بعد کہ استغاثہ دائر کرنے کا حق باقی نہ رہے۔ ایک
بیان شائع کر دیا کہ "تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ پولیس والوں کا ہاتھ محمد حنیف کی موت میں نہ تھا
کیمیاوی ممتحن کے پاس سے جو رپورٹ آئی ہے اس کے مطابق ملزم کے معدہ میں دھتورا پایا گیا۔ اس
لئے موت دھتورے کے زہر سے ہوئی اور چونکہ وہ گھر سے ناراض ہو کر نکلا تھا اس لئے قرین قیاس ہے کہ
اس نے خودکشی کے لئے دھتورا کھا لیا ہو۔" چلئے چھٹی ہوئی لیکن ان باتوں کا کوئی خیال نہ کیا گیا کہ
(۱) اگر ملزم کو خودکشی کرنی تھی تو جبلپور سے کٹنگی جانے کی کیا ضرورت تھی؟ حوالات میں بند کرنے
سے پہلے تلاشی لیجاتی ہے پھر دھتورا اُسکے پاس کیسے رہ گیا؟ اگر اُسنے پہلے کھا لیا ہوتا تو راستہ
میں یا کٹنگی پہنچتے ہی اس کی حالت خراب ہو جاتی! لیکن وہ جبلپور سے روانہ ہو کر اچھا خاصہ کٹنگی پہنچا
اور حوالات میں اچھا خاصہ بند کیا گیا اس کی موت تیرہ گھنٹہ حوالات میں رہنے کے بعد ہوئی!
دھتورے کے زہر سے اتنی دیر میں موت نہیں ہوا کرتی! کیا ایسا ممکن نہیں کہ جن لوگوں نے
قاتلانہ حملہ کیا جب دیکھا کہ ضرب کا چھپانا ناممکن ہے تو خودکشی کا ثبوت پیدا کرنے کے لئے دھتورا
بھی کھلا دیا؟ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ لاش چوبیس گھنٹہ بعد کیوں بھیجی گئی؟ کیا اس لئے کہ خراب
ہو جائے تو علامات کا صحیح پتہ نہ چل سکے اور وہی ہوا پھر کٹنگی سے لاش عموماً پاٹن بھیجی جاتی ہے
جبلپور کیوں بھیجی گئی۔ اس سلسلہ میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کٹنگی کے سب انسپکٹر اور جبلپور

کے اسسٹنٹ سرجن میں گہری دوستی تھی۔ بہرحال حکومت کے نزدیک ہر مسلمان کی موت بے قدر و قیمت تھی۔ اس میں بھی ایسا ہی ہوا مسلمان کی موت کے سلسلہ میں کوئی ہندو کانگریسی راج میں ماخوذ ہو ہی نہیں سکتا۔

(۵) پناگر (ضلع جبلپور) :-

(۱) دیوری اسٹیشن تھانہ پناگر میں صرف دو گھر مسلمانوں کے ہیں ان میں سے ایک شخص محمد ولد عبدالرحمٰن عمر ۳۸ سال گاڑی چلانے کا پیشہ کیا کرتا تھا۔ ۳ اپریل ۳۹ء کا واقعہ ہے کہ اسکا بیل شام تک نہ آیا۔ وہ اس کی تلاش میں نکلا راستہ میں اس نے دیکھا کہ دو شخص بھیا لال اور دھیرا قوم کاچھی اُسکے بیل کو بُری طرح مار رہے ہیں۔ وہ معترض ہوا۔ بات تو تو میں میں سے آگے بڑھ گئی اور دونوں ہندوؤں نے محمد کو لاٹھیوں سے بُری طرح مارا۔ بعد زخمی ہونے کے محمد کسی طرح پناگر تھانہ تک پہنچا اور ساری سرگزشت سنائی۔ سب انسپکٹر نے کہدیا کہ " جاؤ عدالت میں استغاثہ دائر کرو۔ بیچارہ واپس چلا آیا اس کے پاس اتنا پیسہ نہ تھا کہ علاج کراتا اس کی حالت روز بروز بگڑنے لگی جب حالت بہت غیر ہوئی تو اس کے اعزا اُسے ۱۱ اپریل کو جبلپور اسپتال لے آئے۔ یہاں شام کو اس کا انتقال ہو گیا۔ پناگر کی پولیس کو حالت غیر ہونے کی اطلاع پہنچا دی گئی تھی۔ مگر پولیس نے مضروب کو اسپتال بھجوانے، معاملہ کی تحقیقات کرنے یا مرنے سے پہلے مفروضہ حملہ آوروں کو شناخت کرانیکی کوئی فکر نہیں کی اور کیوں کرتی مارا جانے والا مسلمان تھا اور مارنے والا ہندو

(۲) اگرچہ پولیس کی غفلت سے غریب محمد کی جان جا چکی اور قاتلوں کے خلاف ثبوت کا بہت اہم حصہ ضائع ہو چکا، مقدمہ چلا مئی ۳۹ء کے مہینہ میں مرحوم کے دو بھائی پاپا اور عبدالشکور اس مقدمہ کی سماعت کی غرض سے جبلپور آئے۔ شام کو یہ اپنے ایک عزیز کے یہاں مقیم ہوئے۔ ان کا آنا ہی تھا کہ ایک حوالدار ایک سپاہی اور مالگذار پناگر کا ایک ملازم گوکل وہاں پہنچے اور دونوں بھائیوں پر سائیکل کی چوری کا الزام لگایا۔ مکان کی بھی تلاشی لی گئی

لیکن سائیکل برآمد نہیں ہوئی پھر پولیس انہیں ساتھ لے گئی بہت دیر تک تھانہ میں بٹھائے رکھنے کے بعد رات کو انہیں رہائی نصیب ہوئی قصور اصلی یہ تھا کہ یہ اس مقدمہ میں بالیوں دلچسپی لے رہے ہیں اور صداقت کا اظہار کر رہے ہیں۔ اور دوسرا مدعا مسلمانوں کو تنگ و پریشان کرنا تھا کسی نے مسلمان کے خلاف ذراسی رپورٹ کی اور پولیس کارروائی کے لئے پہلے سے تیار موجود ہے

(۶) کٹنی :—

(۱) ہولی کے موقع پر ۷ مارچ ۳۹ء کو ایک شخص کٹرو برہمن نے رحمت اللہ نامی ایک مسلمان پر پیشہ دین کے ناکہ کے پاس دس بجے دن کو رنگ پھینکا اس کے معترض ہونے پر کٹرو نے اسے مارا۔ پولیس کو اطلاع دی گئی اور رحمت اللہ کے بیان کی تائید موہن لال کریرا آتشباز نے کی اور پولیس کو بتایا کہ میں نے جب کٹرو سے کہا کہ مسلمانوں کو مت چھیڑو تو اس نے مجھے گالیاں دیں اور مذاق اڑایا۔ پولیس نے کوئی کارروائی نہیں کی رحمت اللہ نے نائب تحصیلدار کی عدالت میں استغاثہ دائر کیا۔ نائب تحصیلدار نے رحمت اللہ پر زور دے کر مقدمہ اٹھا لینے پر مجبور کر دیا۔

(۲) ۷ مارچ کی شام کو مشن اسکول کے پاس کٹرو اس کے ایک ساتھی اور دو چار مسلمان لڑکوں سے مڈبھیڑ ہو گئی کٹرو زخمی ہوا۔ زخمی ہونے کے بعد کئی گھنٹے یہ ادھر ادھر دوڑتا رہا۔ اس کے بعد اسے اسپتال میں داخل کیا گیا۔ ۹ مارچ کو اسے جبلپور اسپتال لایا گیا۔ یہاں اس کا آپریشن ہوا۔ صبح کو یہ مر گیا۔ اس قصبہ کے مشہور شرانگیز ہندو لیڈر رام داس اگروال عرف للو نے اس معاملہ میں بڑی دلچسپی دکھائی۔ یہ شخص بیک وقت سناتن سبھا کا سیکریٹری بھی ہے۔ سبھا کی اور شیواجی دل کا بانی اور سرغنہ بھی۔ للو اور اس کے ساتھی لاش کو کٹنی لائے اور مسلمان محلوں سے گذرتے وقت مسلمانوں کو خوب خوب گندی گالیاں دیں۔ پولیس نے کوئی تعارض نہیں کیا۔ اس واقعہ نے پولیس اور ہندوؤں دونوں کو چراغ پا کر دیا۔ پولیس نے فوراً چھ مسلمانوں

کو قتل کے الزام میں زیر دفعات ۳۰۲ و ۱۴۸ ماخوذ کر لیا۔ ہندوؤں کی طرف سے حملوں کا آغاز ہوا جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۳) ۱۲ مارچ کو آٹھ بجے صبح کے وقت شیواجی دل کے والنٹیر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے باہر نکلے۔ اسٹیشن روڈ پر چار مسلمانوں پر حملہ کیا۔ نبی چھٹن۔ احمد زخمی ہوئے احمد کو ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ پولیس کو اطلاع دی گئی۔ شہر میں ہر طرف ہندو ٹولیاں تیر تیوروں کے ساتھ نظر آنے لگیں اور چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پولیس نے دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کر دیا مسلمانوں کے زخمی ہونے کے سلسلہ میں آٹھ ہندوؤں کا چالان صرف زیر دفعہ ۱۴۷ کیا گیا۔ نائب تحصیلدار نے چھ کو بری کر دیا اور دو کو پچاس روپیہ جرمانہ کی سزا دی۔

(۴) احمد مجروح کی مدد کو ایک شخص بہادر گٹا بھی دوڑا تھا۔ اسے گالیاں دی گئیں اور دوسرے ہی روز اس کی پان کی دوکان اس سے چھین لی گئی جو کئی ماہ بعد تک اسے دوبارہ نہیں مل سکی

(۵) ۱۳ مارچ کو دو مسلمانوں بشیر اور اکبر پر حملہ ہوا۔ دونوں زخمی ہوئے بشیر کو اسپتال میں رہنا پڑا اسے جبلپور اسپتال بھیجا گیا۔ پولیس نے چھ ہندوؤں کا چالان زیر دفعہ $\frac{۳۲۵}{۱۴۷}$ کیا نائب تحصیلدار نے سب کو بری کر دیا۔

(۶) ۱۵ مارچ کو معین الدین نامی ریلوے ملازم پر حملہ ہوا۔ اسے بھی اسپتال میں رہنا پڑا پولیس نے کوئی کارروائی نہیں کی۔

(۷) ۶ اپریل کو ڈیڑھ بجے رات کے وقت حافظ محمد حسین صاحب کے مکان واقع الفریڈ گنج میں آگ لگا دی گئی۔ یہ مکان للّو کے مکان کے قریب ہے۔ چار کانسٹبل جن کی ڈیوٹی اس علاقہ میں تھی للّو کے مکان میں سوئے ہوئے تھے۔ اسی روز اور اسی وقت چھیپا محلہ میں سردار نامی مسلمان کے گھر میں آگ لگا دی گئی۔ پولیس کو دونوں واقعات کی اطلاع دی گئی لیکن پولیس کو سراغ نہ مل سکا۔

(۸) ۸ اپریل کو ساڑھے ۶ بجے شام کے وقت جمن خاں ٹھیکہ دار پھٹہ محلہ میں ایک ہندو لیڈر

ہری پرشاد پاٹھک کے چوبے کی بھٹی کے پاس حملہ ہوا۔ اس میں آٹھ ہندوؤں پر زیر دفعہ ۱۴۷ مقدمہ چلایا گیا۔

(۹) ۱۴ اپریل کو پرمیشر دین کے ناکہ کے پاس کچھ جھگڑا ہو گیا۔ تیس چالیس ہندو اور اتنے ہی مسلمان جمع ہو گئے۔ خشت باری ہوئی مگر کوئی زخمی نہیں ہوا۔ ایک مسلمان کا ۲۰۶ میں چالان کیا گیا۔ اس پر تیس روپیہ جرمانہ ہوا۔ ایک مسلمان پر کانسٹیبل پر حملہ کرنے کا الزام لگایا گیا اور گیارہ مسلمانوں کا زیر دفعہ ۱۴۷ چالان کیا گیا۔ صرف تین ہندوؤں پر دفعہ ۱۴۷ مقدمہ چلایا گیا۔

(۱۰) ایک مہتر سے جو ہری پرشاد پاٹھک کی زمین میں رہتا ہے ایک مسلمان وزیر خاں عرف کلّو کے خلاف حملہ کرنے کی جھوٹی رپورٹ کرا دی گئی اور معاملہ کو اتنا بڑھایا گیا کہ مہتروں نے اسٹرائک کر دی۔ وزیر خاں کے خلاف زیر دفعہ ۱۵۳ مقدمہ قائم ہوا۔ مگر ثبوت نہ ہونے کے سبب عدالت نے فرد جرم لگائے بغیر انہیں چھوڑ دیا۔

(۱۱) ایک المناک داستان

اتنے مسلمانوں کو زخمی کرنے، گھروں میں آگ لگانے اور مار دھاڑ کرنے کے باوجود ہندوؤں کی آتش انتقام سرد نہ ہوئی، کٹڑو کی جان گئی تھی ان کے خیال کے مطابق کئی مسلمانوں کی جانیں لی جانی چاہئیں تھیں ورنہ کم از کم ایک کی تو ضرور، چنانچہ انہوں نے ایک اچھا شکار تاک کر اپنے دل کا بخار نکال ہی لیا۔ ۷ اپریل کو کٹنی کے ایک معزز مالدار اور مخیر مسلمان محمد محبوب مرحوم (جنہوں نے سرائے وغیرہ بھی بنوائی ہے) کا اٹھارہ سالہ نوجوان لڑکا محمد یونس عرف بابو مسجد سے مغرب کی نماز پڑھ کر اپنے ایک ساتھی کے ساتھ پڑاؤ سے گزر رہا تھا کہ دو نوں پر ہندوؤں کے ایک جتھے نے حملہ کیا۔ ساتھی تو کسی طرح بھاگ نکلا لیکن یونس پر مہلک ہتھیاروں سے قاتلانہ حملہ کیا گیا اور وہ وہیں جاں بحق ہو گیا۔ ساتھی نے پولیس کو اطلاع دی تحقیقات کے بعد بارہ ۱۲ بجے رات کو لاش اعزا کے حوالے کی گئی۔ جنہوں نے مرحوم کا لاشہ دیکھا ہے ان کا بیان ہے کہ ایک بہت بڑا اور گہرا زخم دل کے قریب تھا۔ یہ نہیں لکھا جا سکتا کہ آیا ایک بڑے چاقو

سے یا بھالے سے یہ زخم لگایا گیا ہو۔ ایک زخم چہرے پر تھا اور منہ اور نتھنے خون سے بھرے ہوئے تھے۔ پولیس نے اس سلسلہ میں چار آدمیوں کو گرفتار کیا۔ رام داس اگر وال عرف للّو شیبوا جی دَل کا سرغنہ بھی گرفتار ہوا لیکن پولیس نے اسے ہتھکڑی نہیں پہنائی۔ گرفتاری کے بعد ہندوؤں کے مجمع کو مخاطب کر کے نہایت اشتعال انگیز اور زہریلی تقریر کرنے دیا گیا۔ جبلپور میں جب اُتارا گیا تب بھی بلا ہتھکڑی کے۔ دفعہ ۱۴۴ نہ ہندو مجمع کو روک سکی نہ تقریر بازی کو نہ کسی ہندو کا دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کرنے پر چالان کیا گیا۔ اس گرفتاری پر ہندوؤں نے خوب شور مچایا سات روز مکمل ہڑتال کی گئی اور مسلمانوں کا مکمل بائیکاٹ نہ صرف کٹنی بلکہ آس پاس کے علاقوں میں بھی کیا گیا۔ بڑے بڑے کانگریسی حسب دستور دوڑ کر پہنچ گئے اور دس روز کے بعد ہی چاروں ہندو ملزمین کی رہائی اور مقدمہ نہ چلائے جانے کا حکم صادر ہو گیا۔ یہ ہیں ایک مسلمان کے خون کی قیمت کانگریسی راج میں۔ جب ۱۹ اپریل کو للّو رہا ہو کر کٹنی آیا تو ہندوؤں کا کثیر مجمع اسٹیشن پہنچا اور اسے خوب پھول ہار پہنائے گئے۔ جیکارے لگے۔ دفعہ ۱۴۴ کا اطلاق ان لوگوں پر کیسے ہو سکتا تھا۔ مسلمانوں کے بہت سخت احتجاج پر حکومت کو فکر ہوئی کہ اس قتل کے اصلی مجرموں کو چھوڑنے کے بعد کہیں نہ کہیں تو اسے ضرور چپکانا چاہیئے۔ چنانچہ یہ اطمینان دلایا گیا کہ خاص سی۔ آئی۔ ڈی انسپکٹر اس قتل کی سراغرسانی کے لئے تعینات کیا گیا ہے۔ اس انسپکٹر نے اس کی پوری کوشش کی کہ بثبوت گڑھ کر یونس مرحوم کے قتل کا جھوٹا الزام کسی مسلمان کے سر تھوپا جائے۔ اس سلسلہ میں اس نے کیا کیا کارروائیاں کیں۔ ان کی تفصیل اس درخواست سے معلوم ہو گی جو اس مسلمان نوجوان نے جو یونس مرحوم کا ساتھی تھا مقامی حکام کو دی تھی۔ اس کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

عزیز الحق ساکن کٹنی کی درخواست کا ترجمہ:۔

سی۔آئی۔ڈی انسپکٹر کے خلاف سنگین الزامات

"میں ایک سترہ سالہ نوجوان ہوں۔ میرے والد کا نام محمد عمر ہے جو ریٹائرڈ پولیس کانسٹبل ہیں۔ میں محلہ اولفرٹ گنج کٹنی مُرواڑہ کا باشندہ ہوں۔

گذشتہ ہولی کے فرقہ دارانہ فسادات کے موقع پر میں کٹنی میں تھا۔ محمد یونس ولد محمد محبوب کے ساتھ اکثر رہتا تھا۔ ہم دونوں ٹیکر یا مسجد میں ملے اور وہاں سے ریلوے اسٹیشن کی طرف چلے۔ ریلوے اسٹیشن سے ہم لوگ جھنڈا بازار کی طرف جا رہے تھے کہ جس وقت ہم دونوں مسلم ہوٹل کے سامنے پہنچے محمد یونس نے کہا کہ سینما کی طرف چلیں۔ جس وقت ہم دونوں پڑاؤ سے گذر رہے تھے تو ہمیں کھلی جگہ پر کئی بیل گاڑیاں رکھی ہوئی ملیں، جیسے ہی ہم لوگ گاڑی کے قریب پہنچے متعدد ہندو نوجوان لاٹھیوں سے مسلح گاڑیوں کے اندر سے نکل پڑے ہمیں گھیرنے کی کوشش کی۔ ہم دونوں جان لے کر بھاگے۔ میں تو بھاگ نکلا، لیکن محمد یونس گھر گیا اور اس پر بے رحمی کے ساتھ حملے ہونے لگے۔ میں نے اچھی طرح دیکھا کہ تمام حملہ آور ہندو تھے اور مجھ پر جو شخص حملہ آور ہوا تھا اور میرا پیچھا کیا تھا اُس کو میں نے اچھی طرح پہچان لیا تھا میں سینما کے قریب پہنچا اور کانسٹبل کو تلاش کیا لیکن جب کوئی نظر نہ آیا تو میں گھنٹہ گھر کے راستہ سے جھنڈا بازار کی طرف چلا۔ وہاں دو پولیس کانسٹبل کھڑے دکھائی دیئے میں نے انہیں بتایا کہ محمد یونس کو پانچ چھ ہندو گھیرے ہوئے ہیں۔ ایک کانسٹبل مجھے ساتھ لیکر اُس جگہ گیا جہاں یونس کو گھیرنے کے بعد پکڑ کر مارا گیا تھا۔ ہم نے محمد یونس کو زمین پر مُردہ پڑا ہوا پایا۔ اسکی پشت پر چھرا گھونپنے کا نشان تھا۔ اسکے کپڑے خون سے تر تھے اور گوشت کٹا ہوا تھا ایک دوسرا کانسٹبل رام گوپال بھی موقع پر آگیا۔ اس سے میرے ساتھ آنے والے کانسٹبل نے کہا کہ تھانہ جاکر سب انسپکٹر صاحب کو لے آؤ۔ رام گوپال چلا گیا اور سب انسپکٹر محمد حنیف

اور نائب تحصیلدار کٹنی کو لیکر واپس آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سب انسپکٹر ہیرا سنگھ بھی آ گئے
ہیرا سنگھ دوکاندار دل اور گاڑی والوں سے کچھ پوچھ گچھ کرنے کے بعد مجھے تھانہ لے گئے اور
میرا بیان لکھا۔ اُس روز میں نے جو کچھ اوپر لکھا ہے وہی کہا۔ مجھے پھر ایک لاری پر بٹھا کر جائے
وقوع پر لایا گیا۔ تقریباً نصف شب تک تحقیقات جاری رہی۔ مجھے دو کانسٹیبلوں کے ساتھ
مکان پہنچا دیا گیا۔ دوسرے روز صبح مجھے تھانہ پر بلایا گیا مجھ سے پھر سوالات کیے گئے اور
میں نے جو کچھ رات کو کہا تھا دہرا دیا۔ مجھے تین چار روز متواتر تھانہ پر طلب کیا گیا اور جرح
کی گئی میں اپنے بیان پر قائم رہا کیونکہ یہی درست اور سچ تھا۔ واقعہ کے چار پانچ روز بعد ایک
شناخت پریڈ میں مجھے شناخت کرنے کے لئے کہا گیا۔ میں نے کہا کہ جس آدمی نے میرا پیچھا کیا تھا
وہ اس میں نہیں ہے۔ بعض لوگوں کو دوسرے آدمیوں نے پہچانا اور وہ گرفتار کر لیے گئے۔
اس کے بعد مجھے گھر چلے جانے کو کہا گیا۔

چند دنوں کے بعد گرفتار شدہ لوگوں کو چھوڑ دیا گیا اور ایک سی۔ آئی۔ ڈی افسر
قتل کی تحقیقات کے لئے کٹنی آیا۔ مجھے سی۔ آئی۔ ڈی انسپکٹر نے تھانہ پر بلایا اور بیان
دینے کو کہا۔ میں جو کچھ جانتا تھا بتا دیا۔ اس پر اس افسر نے ڈانٹ کر کہا کہ سچ سچ بتاؤ
میں نے کہا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے بالکل سچ ہے۔ مجھے واپس گھر بھیج دیا گیا۔ مجھے تین چار
روز متواتر بلایا گیا اور سی۔ آئی۔ ڈی برابر مجھے ڈانٹتا۔ دھمکیاں اور گالیاں دیتا رہا پہلے
دن اس افسر نے کہا کہ میں ماسٹر سے کہہ کر تمہیں پاس کرا دوں گا۔ لیکن اس کے بعد سے
دھمکی اور بُرا سلوک شروع ہو گیا اس سلوک سے عاجز آ کر میں نے سی۔ آئی۔ ڈی انسپکٹر
کے خلاف ایک درخواست ڈی۔ سی کو دے دی۔

جیسے ہی سی۔ آئی۔ ڈی انسپکٹر کو اس کی خبر ملی کہ میں نے اُس کے خلاف درخواست
دی ہے اس نے مجھے زیادہ ستانا شروع کر دیا اور برملا کہا کہ مجھ کو یونس کے قتل
میں ماخوذ کر دے گا افسر مذکور نے مجھ سے کہا کہ یونس کو مسلمانوں نے مارا ہے۔ اور

یہاں تک کہہ دیا کہ محمد رفیق نامی ایک مسلمان اس سلسلہ میں گرفتار بھی کیا جا چکا ہے۔ اس کے بعد رفیق کو میرے سامنے لایا گیا اور مجھ سے کہا گیا کہ میں کہہ دوں کہ اسی نے میرا پیچھا کیا تھا میں نے ایسا کہنے سے انکار کیا اور کہا کہ یہ شخص نہیں تھا اور اپنے پہلے بیانات پر مصر رہا کہ حملہ آور سب ہندو تھے۔ اسی پر سب انسپکٹر نے مجھے بڑی گندی گالیاں دیں اور کہا کہ مجھے اور رفیق دونوں کو گرفتار کر لوں گا۔ اسکے بعد مجھے گھر جانے کی اجازت دی گئی۔

سی۔ آئی۔ ڈی۔ دو تین روز تک متواتر مجھے ڈانٹتا ڈپٹتا اور دھمکیاں دیتا رہا میری طبیعت چونکہ اچھی نہیں تھی میں سی۔ آئی۔ ڈی انسپکٹر اور ڈی۔ ایس۔ پی کو اطلاع دے کر بارا سپور چلا گیا۔ دس بارہ روز کے بعد سی۔ آئی۔ ڈی انسپکٹر بلاسپور پہنچا۔ میرے مکان پر آیا اور مجھے مکان سے تھانہ پر لے گیا۔ راستہ میں مجھ سے کہا کہ تم گرفتار ہونے والے ہو تھانہ پر پھر مجھے گرفتاری کی دھمکیاں دیتے ہوئے کہا کہ یہ کہہ دو کہ پولس کے قاتل مسلمان تھے۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ غلط ہے حملہ آور سب ہندو تھے۔ اس پر اس افسر نے میری پیٹھ پر ایک ہاتھ مارا۔ اس افسر نے مجھے ایک ٹائپ شدہ کاغذ دیا اور کہا کہ مجسٹریٹ کے سامنے کہہ دینا کہ پولس کے مارنے والے مسلمان تھے۔ میں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ تھانہ سے مجھے ایک مکان میں لے جایا گیا۔ میں نہیں جانتا کہ یہ کس کا مکان تھا۔ یہاں مجھے مٹھائی کھلائی گئی اور کہا گیا کہ پولس کے قتل کے سلسلہ میں مسلمانوں کا نام بجائے ہندوؤں کے لوں۔ میں نے اصلی ہندو حملہ آوروں کے بجائے جھوٹے طور پر کسی کو پھنسانے سے انکار کیا۔ مجھے ساڑھے بارہ بجے گھر آنے کو ملا۔ انسپکٹر مذکور نے کہا کہ میں تین بجے مکان ہی پر رہوں۔ اس لئے کہ وہ آئے گا۔ وہ ۳ بجے نہیں آیا۔ دوسرے دن یہ افسر اسٹیشن گیا اور میرے مکان پر ایک کانسٹبل بھیج کر مجھے اسٹیشن طلب کیا۔ یہاں مجھ سے اس نے کہا کہ میرے خلاف ایک وارنٹ ہے اور وہ مجھے کٹنی لے جائے گا چونکہ میری طبیعت اچھی نہیں تھی اس لئے میں نے کٹنی جانے سے انکار کر دیا۔ اس پر

اُس نے مجھے سمن دے دیا کہ میں کٹنی میں اُس کے سامنے حاضر ہوں۔ دوسرے دن میں بلاسپور سے روانہ ہو کر رجون کو کٹنی پہنچا۔ ۴ بجے شام کو میں اسٹیشن پر آترا پولیس کانسٹبل مجھے سیدھے تھانہ پر لے گیا۔ وہاں ہیرا سنگھ سب انسپکٹر اور سی۔ آئی۔ ڈی نے پھر زور دیا کہ میں رفیق کو ملوث کر دوں۔ سب انسپکٹر ہیرا سنگھ نے یہ بھی کہا کہ اس نے خواب میں پولس کو دیکھا جس نے اُس سے کہا کہ قتل رفیق نے کیا ہے۔ میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ جھوٹ نہیں بولوں گا اور رفیق یا کسی مسلمان کو اُن کے کہنے سے پھنسانے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ اُنھوں نے پھر بہت زور دیا اور کہا کہ اگر تعمیل نہیں کی گئی تو مجھے بھی پولس کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا جائے گا۔ میرے والد اُس وقت تھانہ میں موجود تھے میں نے رفیق یا کسی کو جھوٹ پھنسانے سے انکار کر دیا۔

مذکورہ بالا سطور میں وہ تمام باتیں بیان کر دی گئی ہیں جو پولس کے قتل کے سلسلہ میں میرے ساتھ پیش آئیں۔ مجھے سی۔ آئی۔ ڈی اور پولیس سب انسپکٹر کٹنی بہت تنگ کرتے ہیں۔ میں نے کچھ نہیں چھپایا ہے لیکن کسی کو جھوٹ پھانسنے کے لئے میں تیار نہیں سی۔ آئی۔ ڈی۔ انسپکٹر جو پولس کے قاتل یا قاتلوں کا سُراغ لگانے کے لئے کٹنی بھیجا گیا ہے۔ اُس نے بار بار اس کی کوشش کی کہ میں رفیق کا نام لے کر اُسے پھانس دوں مگر میں نے ایسا کرنے سے صاف انکار کیا۔

اپنی صحت کے مدنظر اور انصاف کے نام پر میں التجا کرتا ہوں کہ سی۔ آئی ڈی۔ مذکور کو حکم دیا جائے کہ وہ مجھ پر دباؤ نہ ڈالے کیوں کہ میں سی۔ آئی ڈی۔ سب انسپکٹر کٹنی یا کسی اور کے کہنے سے رفیق یا کسی دوسرے مسلمان کو جھوٹ پھنسوانے کے لئے ہرگز آمادہ نہیں ہوں۔

"عزیز الحق - درخواست کنندہ"

ایک ہونہار نوجوان کی جان گئی - ہندو قاتل چھوڑ دئے گئے - دوسرا نوجوان

بڑی مشکل سے پھنستے پھنستے بچا گیا ان واقعات کی روشنی میں امن اور عزت اور آبرو کے ساتھ مسلمان کا زندگی گذارنا ممکن ہو سکتا ہے!

(۱۲) رام داس اگروال عرف للو سرغنہ شیواجی دل اور پولس کے قتل کے سلسلہ میں کانگریسی حکومت کی عنایت سے رہا شدہ ملزم کے پاس ایک ڈھیر قوم کی داشتہ بھی ہے جس کا نام مسماۃ رمیا ہے اس عورت کے خلاف سرکاری بقایا کے سلسلہ میں وارنٹ جاری ہوا۔ عدالت کے چپراسی نے وارنٹ تعمیل کیا اور رقم نہ ملنے پر اس کی بھینس قرق کر ڈالی۔ اپنی حکومت کے زمانہ میں ممتاز لیڈر کی داشتہ کی بھینس معمولی چپراسی پکڑ کر لے جائے ناقابل برداشت توہین تھی۔ شیواجی دل کے والنٹیر جمع ہوئے اور دیوانی کچہری کے پاس سے چپراسی مذکور کو مار پیٹ کر بہ جبر بھینس چھین کر لے گئے۔ چپراسی نے تھانہ میں اور تحصیلدار صاحب کو رپورٹ کی دو والنٹیروں کا چالان کیا گیا۔ لیکن مار کھانے والا چپراسی اتفاق سے مسلمان تھا۔ اس لئے نہ کار سرکار میں مداخلت بیجا کا جرم اہمیت پا سکا نہ عدالت کے احکام کی توہین کا کوئی خیال رہا اور مقدمہ اٹھا لیا گیا۔

چھتیس گڑھ ڈویژن

۱۔ ضلع رائے پور

(۱) رائے پور

یہ شہر ان چند خوش قسمت مقاموں میں تھا جہاں ہندو مسلم تعلقات بہت ہی خوش گوار رہا کرتے تھے۔ لیکن کانگریس حکومت کے برسر اقتدار آتے ہی یہاں بھی زہر کے اثرات نمایاں ہونے لگے ۳۷-۳۸ء میں تو یہاں کچھ نہ ہو سکا لیکن ۳۹ء کے ہولی میں جو منظم کوشش بیک وقت صوبہ بھر میں مسلمانوں کو کچلنے کے لئے کی گئی

اور جس میں ہندوؤں کو حکومتِ وقت کی اعانت و سرپرستی کے سبب بڑی حد تک کامیابی ہوئی اُس شعلۂ جوالہ کی لپک سے یہ شہر بھی محفوظ نہ رہا۔ چنانچہ یہاں بھی ۱۱ مارچ ۳۹ء کو ہولی کے موقع پر بالکل خلاف دستور بہت بڑا جلوس نکالا گیا جو باجے گاجے کے ساتھ شور مچاتا جیکارے لگاتا ہوا چلا۔ یہ جلوس بڑی سڑکوں پر سے گھومتا ہوا مومن پاڑہ محلہ کی پشت کی طرف گیا۔ جس راستہ کی طرف اِس نے رُخ کیا نہ تو کوئی مشہور راستہ ہے نہ عام طور سے جلوس اِس راستہ پر گشت کرتے ہوئے نکلتے ہیں۔ اسی سے ظاہر ہے کہ ان کی نیت کیا تھی اور پہلے سے کیا کچھ انتظام کر لیا گیا تھا۔ یہ جلوس ایک بجے کے قریب اس جگہ پہنچا۔ یہ بھی واضح رہے کہ ہندوؤں کے اس انتظام اور ارادے کی خبر پولیس کو پہلے دے دی گئی تھی کہ ایسا سنا جا رہا ہے۔ مگر پھر بھی اس جلوس کے ساتھ جو مسلح تھا پولیس نہ تھی اس جگہ پہنچ کر ان سورماؤں نے بے خبر اور نہتے مسلمانوں پر وحشیانہ حملے شروع کر دیئے۔ ۱۳ مسلمانوں کو زخمی کیا جن میں بوڑھے بھی تھے اور کم عمر بھی بعض کو شدید چوٹیں آئیں یہ بلوائی مکانوں اور دوکانوں کے اندر گھس گئے اور لوٹ مار مچائی۔ مومنوں کے کرگہ کو توڑ ڈالا۔ بے کس عورتوں اور بیواؤں کے تانے جلا ڈالے۔ چھپر اور دروازے توڑ ڈالے۔ اتنے میں پولیس آ گئی۔ کئی واقعات اُس کی آنکھوں کے سامنے ہوئے مگر اس نے چون نہ کی۔ جب یہ صورت حال ہو گئی تو چند مسلمان بھی مدافعت پر تل گئے۔ بس یہ چیز غضب تھی۔ ہندو تو بھاگ گئے مگر پولیس نے مسلمانوں کی دیکھ بھال شروع کر دی۔ نقصان سارا مسلمانوں کا ہوا۔ زخمی یہ ہوئے۔ مال ان کا لٹا۔ سامان ان کا جلا۔ مکان ان کے ٹوٹے لیکن پولیس نے ۱۶ ہندوؤں کے ساتھ ساتھ گیارہ مسلمانوں کا بھی دفعہ ۱۴۷ کے تحت چالان کر دیا۔ یعنی جو جرم ہندوؤں نے کیا وہی مسلمانوں نے بھی اور تقریباً برابر تعداد میں۔ ہندو سرغنوں کو تو چھوا بھی نہیں گیا۔ اور بالآخر جون ۳۹ء میں دونوں فریقوں کی درخواست پر حکومت نے از راہِ نوازش مقدمہ اُٹھا لیا۔

(۲) دھمتری

(۱) رائے پور کے بعد اِس ضلع میں یہ سب سے بڑا قصبہ ہے جہاں خوش حال اور تعلیم یافتہ مسلمانوں کی تعداد کافی ہے اس لئے ہندوؤں کی نظرِ عنایت اس قصبہ کے مسلمانوں پر پورے طور سے رہی۔ اِس قصبہ میں پہلے کبھی باجہ مسجد کے سامنے نہیں بجتا تھا لیکن ۱۹۲۵ء میں ایک معاہدہ ہوا کہ مسجد سے پندرہ قدم دونوں طرف باجہ بند رہے گا۔ ۱۹۲۶ء میں اس کی یہ تشریح ہوئی کہ نماز کے اوقات کے لئے یہ پابندی ہے۔ اور نماز کے اوقات اُس وقت جو تھے مقرر کر دیئے گئے۔ موسم کے ساتھ ساتھ نماز کے اوقات بھی بدلتے ہیں لیکن باجہ کے لئے وہی اوقات جو ایک دفعہ اُس وقت کے موسم کے مطابق مقرر کر لئے گئے تھے قائم رہنے دیئے گئے۔ سابق کانگریسی وزیر اعظم مسٹر شکلا اُس زمانہ میں ہندوؤں کی طرف سے ایسے معاملات میں خوب پُر جوش نمائندگی کرتے تھے۔ چنانچہ اُنہیں سالوں میں اِنہوں نے اپنی رہبری میں مسلمانوں کو چڑھانے کے لئے یہ صورت نکالی کہ جلوس کے ساتھ دو دستے باجہ کے رکھتے۔ مسجد سے پندرہ قدم اس طرف جلوس کھڑا ہو جاتا اور باجہ بجتا رہتا۔ پھر ایک دستہ باجہ کا خاموشی کے ساتھ گذر جاتا اور مسجد سے اُس طرف پندرہ قدم پر پہنچ کر رک جاتا جب تک باجہ کا پہلا دستہ مسجد سے گذر کر آگے تک جاتا اِدھر کا دستہ زور زور سے باجہ بجاتا رہتا اور جب وہ دستہ رُک گئے۔ باجہ زور زور سے بجانا شروع کر دیتا تب اِدھر کا دستہ خاموشی کے ساتھ مسجد سے گذر کر اُس میں شامل ہو جاتا اور پھر جلوس آگے بڑھتا۔ یعنی شکلا جی اس امر سے اپنی تسکین کر لیتے کہ مسجد کے پاس سے گذرتے وقت باجہ بند نہیں ہوا۔ اس ذہنیت کے آدمی کو کانگریس میں وزارتِ عظمیٰ ملی۔ دھمتری کا قصبہ تو ان کی سابق فرقہ دارانہ حرکتوں کی جولاں گاہ تھا۔ اس لئے یہاں کے مسلمان تو یقیناً دوسری جگہوں سے نسبتاً زیادہ نوازشِ جفا کے مستحق تھے۔ اور کم و بیش ایسا ہی کرنے کی کوشش کی گئی

چنانچہ کانگریسی وزارت کے آتے ہی سب سے پہلے اس مسجد کے سامنے باجے کے پرانے معاہدے کو توڑنے کی کوشش کی گئی، اس لئے کہ یہ شکلاجی کا روندا ہوا میدان تھا۔ اس کے لئے یہ ترکیبیں نکالی گئیں کہ پولیس کبھی بھی رہے مگر ممنوعہ حد سے باجہ بجاتے ہوئے آگے نکل جانا ممنوعہ حد کے ختم ہونے سے پہلے بجانا شروع کر دینا وغیرہ۔ پھر اس میں یہ اضافہ کیا گیا کہ مسجد کے سامنے پہنچ کر ہنومان کی جے اور بجرنگ بلی کی جے کے نعرے خوب زور سے لگائے جانے خواہ جلوس شادی یا غمی کا کیوں نہ ہو۔ دوسرے ضرورت ہو یا نہ ہو ہر جلوس کو اس راستہ سے لے جانا لازمی قرار دیا گیا۔ اس کے بعد کوشش یہ کی گئی کہ باجہ بجا ہی ڈالا جائے لیکن پیشہ ور باجے والوں نے اس سے یہ کہتے ہوئے انکار کیا کہ اُنھوں نے کبھی ایسا نہیں کیا ہے اور ایسا کرنے سے وہ مجرم قرار پائیں گے۔ تب یہ ترکیب کی گئی کہ ہندو یتیم خانہ کے لڑکوں کو باجہ بجانا سکھایا گیا اور ان سے جلوس میں باجہ بجانے کا کام لیا جانے لگا خواہ وہ مذہبی جلوس ہو یا پرائیوٹ شادی کا جلوس تاکہ اگر مسلمان مشتعل ہو کر حملہ کر دیں تو دنیا کی ہمدردی ان کے ساتھ ہو کہ یتیم چھوٹے بچّوں پر حملہ کر دیا اور نہ حملہ کریں تو باجہ بجانے کی مراد پوری ہو جائے۔ ان بچّوں نے پولیس کی ہدایات کی کئی بار خلاف ورزی کی جیسا کہ ۱۹۳۹ء کے فرقہ وارانہ مقدمات زیر دفعات ۱۰۷ و ۱۴۷ میں پولیس کے بیانات سے ظاہر ہے۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کی طرح قانون خود ہاتھ میں لے لینے کے بجائے برابر پولیس کو اطلاع دی۔ چنانچہ صرف دو ماہ کے اندر ایسی سات رپوٹیں پولیس کو کی گئیں مگر وہاں کان پر جوں تک نہ رینگی۔ مسلمانوں نے پھر حکام بالا کو لکھا اس پر مسٹر بمبے والا ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے اپنے حکم مورخہ ۳ رجون ۱۹۳۹ء میں یہ لکھا کہ "مسلمانوں کو اطلاع دی جائے کہ اگر مسجد کے سامنے باجہ بند کرانے کا انہیں حق حاصل ہے تو وہ دیوانی عدالت کی طرف رجوع کریں"۔ یعنی پولیس سابقہ عملدرآمد اور روایات کے قیام میں مسلمانوں کی حفاظت نہیں کرے گی جس روز یہ حکم دھمتری پہنچا اور

ہندوؤں کو اس کا علم ہوا۔ فوراً عورتوں کے ایک جلوس کا انتظام کیا گیا اور باجہ کے ساتھ اسے قصداً اُس گلی میں لے جانے کی کوشش کی گئی، جدھر مسجد کا ایک رُخ پڑتا ہے اور اُدھر صرف مسلمانوں کی آبادی ہے۔ پولیس نے کوئی تعارض نہیں کیا۔ آخر مسلمانوں کا ایک وفد بھاگا ہوا ڈپٹی کمشنر مسٹر روڈرک کے پاس گیا جو اُس وقت دورہ میں کیمپ کیے ہوئے تھے اور اُن سے کہا کہ مسلمان اب زیادہ برداشت نہیں کر سکتے۔ باجہ برابر بند ہوتا آیا ہے پولیس کا ریکارڈ اس پر شاہد ہے۔ اگر دیوانی جانا چاہیئے تو ہندوؤں کو۔ اگر حکام اس کی طرف توجہ نہ کریں گے تو حالات کے ابتر ہونے کا یقین ہے۔ اس پر ڈپٹی کمشنر نے بعد تحقیقات بذریعہ منادی اعلان کرا دینے کا حکم دیا کہ:۔

"باجہ حسب دستور مقررہ اوقات میں لازمی طور پر بند ہوا کرے گا۔ تب جا کر اس بڑھتے ہوئے فتنہ کا سد باب ہوا۔

(۲) ۱۹۳۹ء میں جبکہ وزارت عظمیٰ شسکلاجی کے قبضہ میں تھی ہر جگہ ہندو فساد پہ تلے ہوئے بیٹھے تھے اور ہر جگہ پولیس ہندوؤں سے چشم پوشی کرتی اور طرح دیتی اس آگ میں بیٹھی تھی کہ مسلمان اُلجھیں اور انہیں پھانسو۔ بلوہ کرانے کے لئے جی بھر کر اشتعال انگیزیاں کی گئیں۔ یہی طرز عمل دھمتری میں بھی ہوا۔ چنانچہ ۳۹ء میں ۷ محرم کو مرہٹہ پاڑہ میں "ڈنکے" (مجلس ذکر و بیان معہ ساز و موسیقی) کا انتظام ٹھیک اُس جگہ کے قریب کیا گیا جہاں محرم کی سواری[1] رکھی جاتی ہے۔ پہلے کبھی بھی ایسا نہیں کیا گیا۔ پولیس نے کوئی تعارض نہیں کیا۔ تھوڑے شور و غل کے بعد خشت باری شروع کی گئی ایک مسلمان لڑکا مجروح ہوا۔ پولیس کو اطلاع دی گئی مگر خاموشی رہی۔

(۳) ۹ محرم کو سواری نکلنے والی تھی پھر یہاں "ڈنکے" کی نشست اس شب کو شروع کرنے کا اعلان کیا گیا۔ دن کے وقت حکام نے چند ہندو اور مسلمان لیڈروں کو بلایا تاکہ مصالحت ہو جائے۔ ہندوؤں کے نمائندوں نے یہ یقین دلایا کہ

[1] جنوبی ہندوستان میں تعزیہ کے بجائے سواری [illegible]

"ڈنکے" کی نشست ۱۱ بجے رات کو ختم کر دی جائے گی۔ اس یقین دلانے کی بنا پر سواری ۱۲½ بجے رات کو نکالی گئی۔ لیکن ڈنکے کا مجمع لاٹھیاں لئے ہوئے ڈیڑھ بجے رات تک بیٹھا رہا۔ پولیس یا حکام نے باوجود خلاف ورزی معاہدہ نہ انہیں منتشر کیا نہ تعارض کیا۔ اب پس تو کیا کرتے مسلمان لیڈروں نے ہوا کا رخ پہچانتے ہوئے مسلمانوں کو قابو میں رکھا اور مڈبھیڑ نہ ہونے دی۔

(۴) ۱۰ محرم کو صدر روڈ پر ہیر جی کے مکان کے پاس تعزیوں پر پتھر پھینکے گئے۔ پولیس کو اطلاع دی گئی۔ ایس۔ڈی۔ او نے مسلمانوں کے بیان لئے اور یقین دلایا کہ کارروائی کی جائے گی مگر کچھ نہ کیا گیا۔ پولیس نے اپنی آنکھوں سے مزدور سنگھ کے والنٹیروں اور ان کے سرغنہ رام لال کو نکلتے دیکھا۔ مگر خاموش رہی۔

(۵) جس روز مسلمانوں نے "کمال ڈے" کے سلسلہ میں جلسہ کا انتظام کیا۔ اسی روز اور اسی وقت جلسہ گاہ کے قریب ہندوؤں نے ہیجڑوں کے ناچ کا انتظام کیا۔ پولیس نے کوئی تعارض نہیں کیا۔

مُراد بر آئی

(۶) ان تمام اشتعال انگیزیوں کے باوجود بلوہ نہ ہو سکا تو باہر سے مدد طلب کی گئی اس کی صورت یہ ہوئی کہ پنگو حلوائی کی لڑکی کی بارات ۲۵ جون کو رائے پور سے آنے والی تھی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھایا گیا۔ اس بارات میں وہ چھٹے ہندو غنڈے بھی رائے پور سے لائے گئے جو ہولی کے موقع پر رائے پور میں فساد کرانے میں پیش پیش تھے اور جن کا پولیس نے چالان کیا تھا۔ ادھر مقامی مزدور سیوا سنگھ کے والنٹیر بھی بن بلائے مہمان ہوئے (مزدور سیوا سنگھ کا بانی ایک شخص رام لال ہے جو کئی مرتبہ دیوالیہ ہو چکا ہے۔ اس نے ایک مسلمان بیڑی کے تاجر کی تجارت کو ناکام بنانے کے لئے امداد باہمی کے اصول پر بیڑی کا کارخانہ کھول دیا ہے اور اپنے کارخانہ کی بیڑی کو مقبول بنانے کے لئے کارخانہ کے مزدوروں کا ایک سنگھ

بنا ڈالا ہے جو خدمتِ قوم کے بہانہ ہر ہنگامہ کے موقع پر مہیا کر دیئے جاتے ہیں) حلوائی نے عدالت میں خود بیان دیا کہ "مزدور سیوا سنگھ کے والنٹیروں کو ہم نے مدعو نہیں کیا تھا مگر وہ لاٹھیاں لئے بارات کی حفاظت کے لئے موجود تھے" قابل غور یہ امر بھی ہے کہ اس شادی کے قبل تقریباً بارہ شادیوں کے جلوس حال ہی میں دھمتری میں ہندوؤں کے نکلے مگر مزدور سیوا سنگھ کے والنٹیر "خدمت" یا "بارات کی حفاظت" کے لئے اُن میں موجود نہ تھے۔ یہ خدمت لاٹھیوں کے ساتھ صرف بنگو حلوائی کے بارات کے موقع پر مناسب سمجھی گئی جبکہ رائے پور کے غنڈے بھی آرہے تھے یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ۱۴ ارجون کو یہ بارات "رسگائی" کے لئے آئی تھی تو اس نے مسجد کے سامنے ممنوعہ اوقات میں باجہ بجایا تھا اور بڑی مشکل سے اس نے باجہ بند کیا تھا۔ بہرحال ۲۵ رجون کی شب کو جامع مسجد میں وعظ ہو رہا تھا۔ اس مسجد کے قریب ہی بارات ٹھہری ہوئی تھی، ½ ۹ بجے شب کو یکایک مسجد میں پتھر آنے لگے وہ بھی بہت کافی تعداد میں کچھ مسلمان باہر دیکھنے کے لئے نکلے تو ان کو چھیڑا گیا۔

(۱) پتھر سے احمد علی نامی کے سر پر ضرب آئی اور خون بہنے لگا۔ کئی اور مسلمانوں کے چوٹیں آئیں رات کو اکا دکا حملہ ہوتے رہے اور نہتے اور بے خبر مسلمان پٹتے رہے۔ رات کو تھانہ تک پہنچنا مشکل تھا۔ اس لئے صبح کو مضروب مسلمان تھانہ پر پہنچے اور رپورٹیں درج کرائیں۔

(۲) ایسی سولہ رپورٹیں درج ہوئیں، ۲ بجے رات تک قصبہ بھر میں ہندو ٹولیاں مسلمانوں کو ایذا پہنچاتی رہیں اور پولیس دیکھتی رہی۔ تمام ممتاز مسلمانوں کے مکان پر پتھروں کی بارش کی گئی۔

(۳) ایک مسلمان نورالحسن کو اُس کی لکڑی کی ٹال میں پیٹا گیا اور اُس کا صندوقچہ اٹھا کر لے گئے۔ پولیس نے طریقہ یہ اختیار کر رکھا تھا کہ متعدد ہندو آس پاس موجود رہتے اور جہاں کوئی مسلمان رپورٹ لکھانے آتا تو سب انسپکٹر کہتا اچھا بیٹھو کہو کیا کہتے ہو جب وہ کہہ چکتا تو دو چار ہندو آکر رپورٹ لکھوانے اور رپورٹ لکھانے والے مسلمان کا نام

بتا دیتے - پولیس فوراً یہ رپورٹ درج کر لیتی اور غریب مسلمان شکایت کنندہ سے ملزم بن جاتا - یہی حال نورالحسن کا ہوا - یہ غریب پٹا بھی مال بھی چوری گیا - جب رپورٹ کرنے گیا تو اس کی رپورٹ نہیں لی گئی - اس نے واپس آکر تحریری رپورٹ لکھی اور دینے گیا تو اس عرصہ میں اس کے خلاف رپورٹ موجود تھی اور جن لوگوں کے نام اس نے حملہ آوروں میں بتائے تھے وہی اس کے خلاف رپورٹ کرنے والے نکلے - پولیس نے اس کی رپورٹ نہ لے کر اسی کا چالان زیر دفعہ ۴۵۲ کر دیا اور تین اور مسلمان اس کے ساتھ ملزم بنائے گئے یہ سب مسلمان جھوٹا مقدمہ ہونے کے باعث مسٹر اونیل آئی سی - ایس مجسٹریٹ سکنڈ کلاس کی عدالت سے اگست ۳۹ئہ میں بغیر فرد جرم لگائے بری کر دیئے گئے -

(۴) رسائی باڑہ میں ایک ہندو ٹولی نے پانچ مسلمان پر حملہ کیا رپورٹ کی گئی مگر کوئی توجہ نہ کی گئی -

(۵) حاجی ولی کے مکان کو گھیر لیا گیا اور پولیس کے سامنے اس پر پتھر پھینکے گئے - صبح کو انہوں نے رپورٹ کی کوئی کارروائی نہیں کی گئی -

(۶) صدر بازار کے ایک مسلمان دوکاندار رحیم بخش کو آدھی رات کے وقت پکارا گیا کہ شکر خریدنی ہے - جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا ہاتھ پر لاٹھی ماری گئی - اس نے فوراً دروازہ بند کر لیا - اس نے پولیس میں اطلاع دی ڈاکٹری معائنہ بھی ہوا - مگر کوئی کارروائی نہیں کی گئی -

(۷) ایک معزز مسلمان عبدالحئ کے مکان پر پتھروں کی بارش کی گئی، انھوں نے پولیس میں اطلاع دی کوئی کارروائی نہیں ہوئی -

(۸) ۲۶ جون کو باضابطہ طور پر مسلمانوں کا بائیکاٹ اور ان کی دوکانوں اور کارخانوں پر پکٹنگ کی گئی - مسلمانوں کے تمام ہندو ملازمین کو کام پر جانے سے روک دیا گیا - قصبہ کے اندر آنے والے تمام راستوں پر پہرہ بٹھا دیا گیا اور دودھ دہی بیچنے والوں اور ہر پیشہ ور

اور مزدور کو تنبیہ کے ساتھ ہدایت کی گئی کہ مسلمانوں کو سودا نہ دینا اور مسلمانوں کا کام مت کرنا۔ ہاشم بیڑی والے کے کارخانہ پر پکٹنگ کی گئی اور عثمان ابا کے کارخانہ لاکھ پر پکٹنگ کی گئی۔ کسی ہندو کو اندر جانے نہ دیا گیا اور مسلمان تو حملہ کے خطرہ کے باعث خود ہی نکل نہیں رہے تھے۔ پولیس کو اطلاع دی گئی مگر پولیس نے نہ کوئی اس کی روک تھام کی نہ کسی کے خلاف اس سلسلہ میں کوئی کارروائی کی۔

(۹) اکا دکا اور راہگیر مسلمانوں پر حملہ کا سلسلہ صبح سے پھر شروع ہوا۔ مٹھ پاڑہ اور رسائی پاڑہ کے پاس جو خالص ہندوؤں کے محلے ہیں ان میں حملوں کا زور تھا لیکن پولیس نے کوئی انتظام نہیں کیا۔

(۱۰) مٹھ پاڑہ کے قریب لطیف کچھی کو جو ایک کاروباری آدمی تھا بری طرح زخمی کیا گیا۔ جب یہ تھانہ پر رپورٹ درج کرانے گئے تو انہیں اسپتال بھیج دیا گیا۔ جب اسپتال سے یہ واپس آئے تو ان کے خلاف رپورٹ موجود تھی، انہیں کو زیر دفعہ ۱۵۲ گرفتار کر لیا گیا اور وہ ہزار کی ضمانت پر چھوڑا گیا۔ نہ معلوم کیوں پولیس نے چالان عدالت میں پیش نہیں کیا۔

(۱۱) ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پولیس کی سازش سے ہندو غنڈوں نے دھمتری کو فتح کر لیا ہے جو چاہتے تھے کرتے تھے۔ بائیکاٹ بھی ہو رہا ہے۔ ہندو ملازم اور پیشہ ور کو بہ جبر روکا بھی جا رہا ہے۔ حملے بھی ہو رہے ہیں۔ ادھر ایک جلوس نکالنے کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ اسی دن کو تین جلوس "رام تا پھوچانی" کے نام سے یکے بعد دیگرے نکالے گئے۔ جلوس کو واقعی بنانے کے لئے چند عورتوں کو بھی اس میں شامل کر دیا گیا۔ جلوس کے ساتھ باجہ بھی تھا۔ پولیس نے کوئی تعارض نہیں کیا کہ ایسے وقت جلوس کا اور وہ بھی عورتوں کے ساتھ کیا موقع ہے اس جلوس والوں نے صاحب علی نام کے ایک مسلمان کو بلم سے زخمی کیا۔ انہوں نے رپورٹ لکھوائی جو یونہی سی لکھی گئی تب انہوں نے ایک تحریری رپورٹ بھیجی۔ ایک ہندو کا چالان کیا گیا جو استغاثہ کی سرسری پیروی کے باعث رہا ہو گیا۔

(۱۲) جلوس کا مقصد ظاہر تھا مسجد کے سامنے باجہ بجانا اور راستہ میں مار دھاڑ کرنا وہ انہوں نے کیا تینوں جلوسوں نے واپسی ٹھیک ظہر کی نماز کے وقت کی اور ممنوعہ وقت ہونے کے باوجود باجہ مسجد کے سامنے بجایا۔ پولیس کے منع کرنے پر بھی نہ مانے مگر پولیس نے اس عدول حکمی اور خلاف ورزی پر کوئی کارروائی نہیں کی۔

(۱۳) سیٹھ ہاشم کے باورچی پر سینما کے سامنے ½ ۱۱ بجے دن کو حملہ ہوا گو اس کے چوٹ کافی تھی مگر اسے اسپتال میں رہنے کی اجازت نہ ملی۔ اس نے ۲۷ کی صبح کو جب وہ تھانہ تک آسکا رپورٹ کی۔ جب رپورٹ کرکے واپس جارہا تھا تو پھر اس پر حملہ کیا گیا۔ یہ زخموں کی تکلیف اور خوف کے باعث باہر نکلا کسی نے پولیس میں اس کی اطلاع کردی۔ چار دن کے بعد پولیس نے لاری بھیجی۔ اس پر وہ آیا۔ اس کا بیان قلمبند ہوا۔ اس نے اپنے حملہ آوروں کے نام بتائے۔ دونوں حملوں کے متعلق لیکن پولیس نے کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔

(۱۴) ایک شخص گلاب اور اس کے دو بھائی جو مٹی ڈھونے کا اور مزدوری کا کام کرتے ہیں بیلچہ لئے ہوئے اپنی بہن کو دیکھنے رسائی پاڑہ کی طرف چلے۔ ان پر ایک مجمع نے حملہ کیا اور رگیدا۔ انہوں نے بھاگ کر ایک مسلمان کے گھر میں پناہ لی۔ مجمع نے گھر کو گھیر لیا اور دھمکی دی کہ نکلو ورنہ گھر میں آگ لگادیں گے۔ یہ مارے خوف کے نکل آئے۔ اور بھاگے ان کو زدوکوب کیا گیا اور ان کا پیچھا کیا گیا۔ یہ اپنے گھر تک کسی طرح پہنچے اور گھس گئے۔ ہندوؤں کی ٹولی نے مکان کے اندر گھس کر ان کو پکڑا اور مارنے لگے اتنے میں پولیس آگئی اور اس وقت انہیں موت سے رہائی ملی۔ انہوں نے رپورٹ درج کرائی مگر حسب دستور ان کے خلاف بھی ایک رپورٹ مہیا ہوگئی اور انہیں گرفتار کرلیا گیا اور ایک ہزار روپیہ کی ضمانت پر رہا کیا گیا۔ لیکن نہ معلوم کیوں پولیس نے عدالت میں چالان نہیں پیش کیا۔

(۱۵) باہر کا ایک مسلمان لڑکا جو ناٹک کا کام کرتا تھا میونسپل سرائے میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اسے شدید طور پر زخمی کیا گیا۔ اسے تھانہ پر لایا گیا۔ اسپتال بھیجا گیا۔ پھر اس کا پتہ نہ چلا۔ قرینہ یہ ہے کہ پولیس نے اسے اُلٹا سیدھا کہہ سُن کر دھمتری سے روانہ کر دیا۔ اور اُس نے بھی خیریت اسی میں سمجھی ہوگی کہ یہاں سے نکل چلو، پردیسی اور وہ بھی غریب کر ہی کیا سکتا تھا۔

(۱۶) ایک مسلمان بخشش علی پر میونسپل سرائے کے سامنے حملہ کیا گیا۔ دو مسلمان مسمی رؤف اور پاپا اِس کے بچانے کے لئے دوڑے۔ ان پر بھی لاٹھیوں اور بلم سے حملہ کیا گیا۔ انہیں چوٹیں آئیں۔ انہوں نے تھانہ میں جا کر اطلاع دی۔ لیکن طے شدہ سازش کے مطابق ان کے خلاف رپورٹ پہنچ گئی اور انہی کو زیر دفعہ ۳۲۴ گرفتار کر لیا گیا۔ یہ ضمانت پر چھوڑے گئے اگست میں عدالت نے انہیں فرد جرم لگائے بغیر رہا کر دیا۔

(۱۷) ایک بہت ہی متمول، معزز اور مخیر مسلمان تاجر سیٹھ عبداللطیف جہاز امرتسری اپنے بال بچوں کے ساتھ سیٹھ عثمان ابا کی موٹر پر آرہے تھے کہ اِن کی موٹر گھیری گئی اور ان پر حملہ کیا گیا بڑی مشکل سے وہ عثمان ابا مالگذار کے مکان تک پہنچے۔ سیٹھ جہاز بہت ہی خدا ترس آدمی ہیں اور یہ ہر مقامی قومی تحریک میں امداد کیا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی فیاضی سے مقامی آریہ سماج اور ہندو سبھا بھی محروم نہیں رہی ہے۔ مگر مسلمان ہونے کا قصور ایسا تھا کہ یہ سب سلوک کچھ کام نہ آیا اور ہندوؤں کی دست برد سے نہ بچ سکے موٹر چور چور کر دی گئی پولیس نے موٹر تباہ کرنے کے الزام میں جہاز صاحب کی شکایت پر پانچ ہندوؤں کا چالان کیا۔

(۱۸) ہندو ٹولی کو اس کا بڑا رنج ہوا کہ ایک موٹا شکار مع اپنے ساتھیوں کے جان بچا کر نکل گیا۔ اس لئے اُنہوں نے جہاز صاحب کا پیچھا کیا اور عثمان ابا کے مکان کو گھیر لیا۔ پتھروں کی بارش شروع ہوئی کھڑکی اور دروازے توڑ ڈالے گئے۔ اور اندر گھسنے کی کوشش کی گئی۔ قریب تھا کہ یہ لوگ گھس ہی جاتے کہ جہاز صاحب نے بندوق سے فیر کر دیا۔ اسی اثناء میں ایک اور فیر بھی ہوا۔ جس میں دو مزدور جو جانوروں اسپتال کے چھپر پر کام کر رہے تھے

گولی کھاکر گر گئے اور بعد میں رخصت ہو گئے ان مزدوروں کے مرنے کا الزام جہاز پر لگایا گیا۔ انہیں گرفتار کر لیا گیا اور ان پر قتل کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔ ہندوؤں نے خوب خوب جھوٹی گواہیاں دیں مگر مسٹر یادو مجسٹریٹ رائے پور کی عدالت سے مسٹر جہاز بغیر فرد جرم لگائے بری کر دیئے گئے۔ فاضل مجسٹریٹ نے ہندو گواہوں کی کذب بیانی پر مدلل بحث کی ہے اور سب انسپکٹر پولیس کے بعض طرز عمل کی مذمت کی ہے مجسٹریٹ اس نتیجہ پر بھی پہنچے ہیں کہ سب انسپکٹر نے اس سلسلہ میں پولیس ڈائری میں جعل بنایا ہے اور بیان کے الفاظ کو اپنے مطلب کے مطابق بنانے کے بعد میں بدل ڈالا ہے۔ مجسٹریٹ نے سب انسپکٹر پر یہ بھی الزام لگایا ہے کہ گولی چلنے کے فوراً بعد ہی وہ جائے وقوع سے گذرا مگر حالات کی خبر ہو جانے کے باوجود رک کر صورت حال کو سنبھالنے کی کوشش نہ کی نہ مجمع کو منتشر کرنے کی۔ بلکہ سیدھے تھانہ چلا آیا۔ مجسٹریٹ کے خیال میں سب انسپکٹر کا طرز عمل اس موقع پر نامناسب اور قابل اعتراض رہا اس غلط الزام کی پاداش میں اس عمر سیدہ معزز اور صاحب خیر مسلمان کو دو مہینہ حوالات میں بند رہنا پڑا۔

(۱۹) جب ہندوؤں نے کافی طور سے ہنگامہ مچا لیا مگر ان کی توقع کے خلاف کسی مسلمان کی جان نہ گئی، بلکہ اتفاقی طور پر دو ہندو ہی جان سے گذر گئے اور مسلمان بھی اس عرصہ میں بہت کچھ مدافعت کے لئے تیار ہو گئے تو ہنگامہ کی ابتداء کے تقریباً انیس گھنٹہ بعد دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ ۲۶ جون کو چار بجے شام کے وقت کیا گیا۔ لیکن ہندوؤں پر اس کا اطلاق برائے نام رہا وہ لاٹھیاں لے کر گھومتے اور جمع ہوتے۔ صرف کبھی کبھی لاٹھیاں ان سے لے لی جاتیں۔ کسی کے خلاف دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی میں چالان نہ کیا گیا۔

(۲۰) سیٹھ عباس نے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کو ۳ بجے دن کو رپورٹ کی کہ ہندو مجمع بڑھ رہا ہے۔ اُن کی موٹر پر بُری طرح پتھر پڑے ہیں۔ انہیں مٹھ پاڑہ سے اپنے عزیزوں کو لانا ہے اس کے لئے پولیس کی مدد دی جائے۔ افسر مذکور نے سب انسپکٹر کو ہدایت کی کہ وہ خود ساتھ جا کر ان کی حفاظت کرے۔ جب موٹر مٹھ پاڑہ پہنچی تو سخت بارش پتھروں کی ہوئی سب انسپکٹر

نے نہ تو اُس وقت مجمع کو تنبیہ کی نہ بعد میں اس سلسلہ میں کوئی کارروائی کی۔

(۲۱) رام پال سنگھ ماسٹر آر۔ ڈی پرائمری اسکول کو شرارت میں حصہ لیتے ہوئے خود سب ڈویژنل مجسٹریٹ نے دیکھا۔ وہ خود اسے پکڑ کر تھانہ پر لے گئے۔ انہیں تھوڑی دیر تھانہ پر روکا گیا۔ مگر تحصیلدار نے آکر مداخلت کی اور انہیں پھر آزادی سے جو چاہیں کرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔

(۲۲) ۲۶ رجون کی شام تک پولیس نے گیارہ مسلمانوں کو گرفتار کر لیا مگر ایک ہندو پر ہاتھ نہ ڈالا

(۲۳) ہندوؤں کی شکایت پر مسلمانوں کے مکانوں کی تلاشی لی گئی۔ مسجد کی تلاشی لی گئی ولی محمد نامی مسلمان کی خانہ تلاشی لی گئی اور مسجد پر چھاپہ مار کر دھاوا بولا گیا۔ مسلمانوں کی پیہم شکایتوں کے باوجود بلکہ پولیس کی آنکھوں کے سامنے ارتکاب جرم کے باوجود کسی ہندو ادارے یا مکان کی تلاشی نہیں لی گئی۔

(۲۴) دونوں قوموں کے لائسنس داروں کی بندوقیں ضبط کی گئیں مگر تمام ہندوؤں کی بندوقیں اُن کو فوراً واپس مل گئیں۔ مگر مسلمانوں کی بندوقوں کی واپسی میں ٹال مٹول اور دانستہ دیر سے کام لیا گیا اور بعض کی تین چار ماہ بعد تک بھی واپس نہیں ہوئیں۔

(۲۵) سیٹھ عثمان اباکے لاکھ کے کارخانہ اور کوئلہ کے گودام میں ۲۷ رجون کی شب کو آگ لگا دی گئی۔ یہ جل کر خاکستر ہو گئے۔ بلوہ کے ایک ہفتہ بعد مسٹر پٹھودھن سب جج سکنڈ کلاس کے سامنے دو ہندوؤں نے بیان دیتے ہوئے اس سازش کا پردہ چاک کیا۔ اُنھوں نے اس آتش زنی میں مقامی ہندو لیڈروں کی شرکت کی تفصیل بتائی اور بتایا کہ غنڈوں کو مفت شراب پلا پلا کر مست بنایا جاتا اور رام دہار اجاتا تھا۔ مگر چونکہ بڑے لوگ پھنستے تھے اس لئے حسب دستور ایسے بیانات کے باوجود معاملہ گاؤ خورد کر دیا گیا۔

(۲۶) ۲۵ رجون کی شب کو مسجد پر جو خشت باری ہوئی تھی اور رات بھر مسلمانوں پر حملے ہوتے رہتے تھے اس سلسلہ میں پولیس نے ۱۹ ہندوؤں کے ساتھ ساتھ ۱۱ مسلمانوں کا بھی بلوہ کے الزام میں چالان کیا۔

(۲۷) دفعہ ۱۴۴ کے بعد بھی مسلمانوں پر حملہ کا سلسلہ جاری رہا۔ عبدالرشید نامی مسلمان پر ۲۶ر جون کو ساڑھے سات بجے شام کے قریب حملہ کیا گیا۔ پولیس کو اطلاع دی گئی مگر کوئی کارروائی نہیں ہوئی

(۲۸) محی الدین ماسٹر ہندی میونسپل اسکول جب ۲۷ر جون کو اسکول گئے تو انہوں نے دیکھا کہ چوٹ بنانے کے لیے جو چاقو اسکول میں رکھا رہتا ہے وہ سامنے پڑا ہوا ہے۔ انھیں خیال گذرا کہ اس تمام ہندو ماحول میں وہ اکیلے مسلمان ہیں اس لئے ممکن ہے کوئی اسے ان کے خلاف استعمال کرے انہوں نے اٹھا کر جیب میں ڈال لیا۔ حریف ہندو ماسٹروں نے اس امر کی اطلاع فوراً تربینی لال وکیل ہندوؤں کے لیڈر کو پہنچائی۔ وکیل صاحب تحصیلدار کے پاس گئے۔ اور ہندوؤں کے عملسا تحصیلدار صاحب فوراً اُن کے ساتھ اسکول آئے۔ ماسٹر موصوف کو تھانہ پر لایا گیا۔ ان کی تلاشی لی گئی اور چاقو برآمد کیا گیا۔ انہیں زیر دفعہ ۱۸۸ گرفتار کر لیا گیا اور دو ہزار کی ضمانت طلب کی گئی۔ اتنی بڑی ضمانت کا انتظام شام کے وقت نہ ہو سکا۔ رات بھر بیچارے کو حوالات میں رہنا پڑا اور دوسرے روز صبح کو ضمانت دے کر ان کی رہائی ہوئی۔

(۲۹) ولی محمد آتشباز کے مکان کو تین سو ہندوؤں نے گھیر رکھا اور خوب خشت باری کی اس نے پولیس میں رپورٹ کی اور حملہ آوروں کے نام بتائے۔ ہندوؤں کی رپورٹ پر اسکے مکان کی تلاشی لی گئی مگر اس کی خوش قسمتی سے کوئی قابل اعتراض چیز نہ نکلی۔ دو مہینہ کی تحقیقات کے بعد جبکہ شہادت اور ثبوت بہت کچھ متاثر ہو چکے اس کے مکان پر بلوہ کرنے کے الزام میں گیارہ ہندوؤں پر مقدمہ چلایا گیا۔ اس آتشباز سے ہندوؤں کو خاص بغض تھا سبب یہ ہے کہ کانگریس اکثریت کے اسمبلیوں میں آتے ہی ہندوؤں کے حوصلے بڑھ گئے تھے ۱۹۳۷ء کے محرم میں مسلمہ حق استعمال کے باوجود اسے اپنا تعزیہ اپنے مکان کے سامنے کھلی جگہ سے نکالنے پر اعتراض کیا گیا اور اس کے مکان کو جو راستہ جاتا ہے وہاں کچی دیواریں بنا دی گئیں۔ پولیس نے دونوں فریق کے خلاف ۱۴۵ کی کارروائی کی۔ تعزیہ تین دن پڑا رہا آخر فیصلہ یہ ہوا کہ سواری کے گذرنے کے لیے ۴ فٹ کا راستہ ہونا چاہیے۔ مالک زمین کو ورغلایا گیا کہ وہ اپنی

یہ کھلی زمین اناتھ آلیہ کو دی ہے مگر مالک نے عقل سے کام لیتے ہوئے ایسا نہ کیا اور اس نے چودہ فٹ راستہ چھوڑ دینے کے فیصلہ کو قبول کر لیا۔ اس زمین کے آگے ایک اور قطعہ زمین چھپا بائی کا ہے جس کے بعد سڑک آتی ہے۔ ۱۹۳۹ء کے محرم میں چھپا بائی کو ابھارا گیا کہ تعزیہ اپنی زمین سے نہ جانے دے۔ دفعہ ۱۴۴ کے تحت کارروائی شروع ہوئی اور ۱۴ فٹ راستہ دئے جانے کا حکم ہوا۔ اب ہندوؤں نے دیوانی میں مقدمہ دائر کیا ہے۔ جون کے بلوہ میں اس سے انتقام لینے کی سعی بلیغ کی گئی مگر الٹے اسی کے گھر کی تلاشی ہوئی اور اس کے حملہ آوروں کے خلاف دو ماہ بعد مقدمہ چلایا گیا۔

(۳۰) پولیس نے حسب دستور مسلمانوں کے نقصانات کی کثرت کے باوجود فوجداری مقدمات میں ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں کا بھی چالان کیا۔ لیکن سب سے بڑی ستم ظریفی یہ کی کہ اکیس ہندوؤں اور ۱۹ مسلمانوں کے خلاف دفعہ ۱۰۷ کے تحت بھی مقدمہ دائر کر دیا۔ اس میں ہندوؤں کے تمام لیڈروں اور سرغنوں کو شامل نہ کیا بلکہ معمولی بدمعاش اور مشتبہ ہندوؤں کو۔ مگر مسلمانوں کے سربرآوردہ اور معزز لیڈروں کو ماخوذ کر ڈالا۔ مسٹر عبدالحکیم وکیل جو دھمتری کے سب سے زیادہ کامیاب وکیل ہیں (یہ امر بھی رقابت خیز ہے) اور بار ایسوسی ایشن کے صدر اور مسلمانان دھمتری کے سب سے زیادہ باثر لیڈر ہیں۔ اُن کا بھی دفعہ ۱۰۷ کے تحت میں چالان کیا گیا ہے یہ امر واقعہ ہے کہ حکام نے ہر نازک موقع پر قیام امن کے سلسلہ میں اُس کو بلایا کر مدد طلب کی اور ان کے ہی تدبر اور رسوخ کی بدولت متعدد بار صورت حال سنبھل گئی۔ مگر مسلمان ہونا اور کانگریس کے سیاسی مخالف ہونے کا جرم ایسا تھا کہ کیسے بخشا جا سکتا تھا

(۳۱) ہندوؤں کی یہ سازش کہ وہ بلوہ کرانے پر تلے ہوئے تھے اور پہلے سے سب انتظامات مکمل کر چکے تھے تین ناقابل تردید واقعات سے مکمل طور پر ثابت ہو جاتی ہے (۱) بارات میں وہ ہندو غنڈے بلوائے گئے جو رائے پور میں فساد کے بانی مبانی تھے (۲) مزدور سیوا سنگھ

کے والنٹیر بلا دعوت لاٹھیاں لیکر بارات کی "خدمت" کے لئے موجود ہو گئے حالانکہ اس سے پہلے بارہ شادیوں میں اُنہوں نے کوئی "خدمت" نہیں کی (۳) مقامی سینما کا سکنڈ شو اُس روز بند رکھا گیا۔ مالک سینما مشہور مہاسبھائی ہے۔ ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے مسلمان معززین پر یکطرفی کارروائی لازمی سمجھی گئی۔ اس سلسلہ میں دھمتری کے بعض حکام کے متعلق بھی جو اُس وقت وہاں متعین تھے۔ چند باتوں کا تذکرہ ضروری ہے یوں تو کانگریسی وزارت کی مرکزی پالیسی اور طرزِ عمل نے ہر افسر کو ہندو پرست اور ہندوؤں کا طرفدار ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ مگر دھمتری کے تحصیلدار صاحب اس سعادت مندی کی نمائش میں زیادہ جوش دکھانے کے عادی تھے حیدرآباد ستیہ گرہ کے سلسلہ میں مقامی سینما نے ایک "بینیفٹ نائٹ" (کھیل کی آمدنی بغرض امداد دے دینا) دیا۔ تمام مقامی غیر مسلم حکام نے اس میں شرکت کی (تحصیلدار صاحب سب انسپکٹر وغیرہ) سیوا سنگھ کی امداد کے سلسلہ میں بھی اس سینما نے ایک "بنیفٹ نائٹ" دیا۔ اس کی سرپرستی حکام نے کی تحصیلدار صاحب نے جو اُس وقت میونسپلٹی کے افسر انچارج تھے میونسپل اسکول کے ماسٹروں کو ہدایت کی کہ وہ اس کھیل کے ٹکٹ فروخت کریں۔ سب انسپکٹر صاحب کی ذہنیت تو اوپر دیئے ہوئے واقعات سے ظاہر ہے لیکن یوں بھی یہ بہت ہی نیک نام پولیس افسر تھے۔ ۳۵-۱۹۳۴ء میں جبکہ یہ لکھنادون میں تعینات تھے ایک ناگوار واقعہ کے باعث سرکل انسپکٹر سے سب انسپکٹر بنا دیئے گئے تھے۔ مسٹر یادو مجسٹریٹ نے سیٹھ جہاز کے مقدمہ قتل کے سلسلہ میں ان کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اُس کا تذکرہ کیا جا چکا ہے فساد کے بعد ان کا تبادلہ کر دیا گیا تھا۔ بلوہ کے بعض مقدمات میں ان کی گواہی تھی اس کے لئے انہیں ۱۹ ستمبر ۳۹ء کو دھمتری کی عدالت میں طلب کیا گیا تھا۔ یہ رائے پور تھانہ سے جہاں یہ متعین تھے ۱۸ ستمبر کو روانہ ہو گئے۔ مگر ۱۹ کو عدالت حاضر نہ ہوئے معتبر لوگوں کا بیان ہے کہ یہ رات بھر اور دن بھر قصبہ کی ایک آوارہ دلالہ مسماۃ امٹھی کے مکان پر فروکش رہے اور شراب و عیش کی مستی میں عدالت آنے کا خیال نہ رہا۔ ۲۰ ستمبر کی صبح کو یہ حاضر عدالت

ہوئے۔ انہیں عدالت سے گیارہ بجے دن کو فرصت ہو گئی۔ اور انہوں نے اپنی روانگی بھی لکھا دی مگر شام کو بہ لنشہ میں بدمست اُسی عورت کے مکان پر پائے گئے۔ ہمدردوں نے ایک خاص لاری کرکے ۲ بجے رات کو انہیں رائے پور چلتا کیا تاکہ راز طشت از بام نہ ہو جائے۔ ایسے قابل اور نیک نفس افسروں کے ذمہ مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا انتظام تھا۔

(۳) بھاٹا پارہ :-

ناگ پنچمی ۳۹ء کے موقع پر یہاں کے ہندوؤں نے چھیڑ چھاڑ کی کوشش کی ایک بہت بڑے جلوس کا انتظام کیا گیا اور منادی کرادی گئی کہ اُس روز دوکان بند رکھی جائے مگر پولیس نے کچھ شرائط ایسی لگا دیں کہ ارادوں میں کامیابی کی توقع نہ رہی۔ مقصد خلاف دستور مسجد کے سامنے باجہ بجانا تھا پولیس نے اس کی اجازت نہ دی اس لئے جلوس کو خیرباد کہہ دیا گیا۔ ناگ پنچمی سے آٹھ دن پہلے دیولال تیلی سے ایک درخواست دلوادی گئی کہ ایک مسلمان عبدالحمید نامی اُس کی گائے چرا کرلے گیا ہے۔ پولیس کی تحقیقات پر یہ بات غلط نکلی۔ سب انسپکٹر نے افسران بالا کو لکھا کہ تیلی پر جھوٹی رپورٹ دائر کرنے کے جرم میں مقدمہ چلایا جائے۔ مقامی کانگریسی لیڈروں نے اوپر تک دوڑ شروع کردی کہ ایسی اجازت نہ ملے اور معاملہ کو کھٹائی میں ڈال دیا گیا۔

(۴) دُرگ :-

(۱) یہاں مسلمانوں کو چھیڑنے کے لئے مسلمان ہی کو آلۂ کار بنایا گیا ایک آوارہ منش اور بے وزن شخص منتظم الدین سے یہ کام لیا جاتا کہ یہ مسلمانوں کے جلسوں میں ہنگامہ مچائے اور مسلمان لیڈروں کو سرِراہ گالیاں دے۔ کانگریس کے مخالف مسلمانوں کو تنگ کرے۔ مسلم اداروں کے انتظام کے متعلق غلط فہمیاں پھیلا کر نفاق پیدا کرے۔ اس کے خلاف پولیس میں بے شمار رپورٹیں کی گئیں مگر کانگریسی وزارت کے باعث یہ ہمیشہ بچتا رہا۔ ۱۹۳۸ء

میں ایک شخص لطیف نے اِس کے خلاف زیر دفعہ ۳۲۳ استغاثہ دائر کیا۔ اِس پر اسے عدالت نے زیر دفعہ ۵۰۶ بتیس روپیہ جرمانہ کی سزا ۱۹ نومبر ۱۹۳۸ء کو ہوئی۔ اس نے نہ صرف مسلمانوں کو پریشان کرنا شروع کیا بلکہ پولیس افسروں کی بھی پگڑی اچھالنی شروع کی۔ ۲۰ اگست ۱۹۳۸ء کو اس نے عدالت کے اندر بڑا ہنگامہ مچایا اور افسروں کو خوب خوب گالیاں دیں۔ پولیس نے اس کے خلاف زیر دفعہ ۵۰۴ افسروں کو گالیاں دینے کے جرم میں اور زیر دفعہ ۱۰۷/۱۵۱ ہنگامہ کرنے کے جرم میں دو مقدمات قائم کئے مگر کانگریسی حکومت نے یہ دیکھتے ہوئے کہ (۱) یہ کانگریسی ہے (۲) مسلمانوں کو پریشان کرتا ہے (۳) جن افسروں کو اس نے گالیاں دیں وہ بھی مسلمان تھے دونوں مقدمات کے اٹھائے جانے کا حکم صادر کر دیا۔ قصبہ کے مسلمان اس کا بائیکاٹ کر چکے تھے۔ حکومت نے یہ بتا دیا کہ مسلمانوں کے دشمن حکومت کی نظر میں کتنے محبوب ہیں، خواہ وہ پرلے درجہ کے بدمعاش کیوں نہ ہوں۔ اس کے خلاف زیر دفعہ ۳۶۶ اغوا کا مقدمہ بھی چلا تھا وہ بھی اٹھا لیا گیا۔

(۲) ایک مالک مقبوضہ اراضی جس کا رقبہ ½ ۱۲ ایکڑ سے کچھ کم تھا عرصہ دراز سے مسلمانوں کے قبضہ میں بہ حیثیت قبرستان چلی آرہی تھی۔ مسلم جماعت نے اسے خاردار تاروں سے گھیر دیا تھا اور اس میں بہت سی پرانی قبریں موجود تھیں۔ یہی ایک قبرستان اس قصبہ کے مسلمانوں کے لئے تھا۔ موجودہ مالگزار نے جو ماشاء اللہ کانگریسی دوست ہے ۱۹۳۷ء میں مسلمانوں کے خلاف قبضہ دہانی کا دعویٰ دائر کر دیا۔ عدالت نے مدعی کے حق میں فیصلہ کر کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کے سوا کل زمین کی ڈگری دے دی۔ معائنہ کے وقت عدالت نے جو حد بندی مقرر کی تھی اُسے بھی بدل ڈالا۔ یعنے ڈگری میں تو بہت سی قبریں مدعی کو دے ہی دی تھیں قبضہ دلاتے وقت حد بندی اس طرح کر دی کہ مسلمانوں کا اور زیادہ نقصان ہو گیا۔ دیوانی ڈگری پاتے ہی اس شخص نے نہ صرف اُس زمین کو مع قبروں کے جوت ڈالا جو اُسے ڈگری میں ملی تھی، بلکہ مسلمانوں کی زمین میں واقع قبروں پر

بھی ہل چلا دیا۔ پولیس اور سب کے نمائندہ کانگریسی لیڈروں نے کوئی تعارض نہیں کیا۔ غریب
مسلمان اپنے آبا و اجداد اور اعزا کی قبروں کی یہ بے حرمتی آنکھوں سے دیکھتے رہے اور
آہ سرد بھر کر رہ گئے۔ مسلمانوں کے بہت شور مچانے اور احتجاج کرنے کے بعد جب قبرستان
پر اچھی طرح ہل چل چکا تو پولیس نے شخص مذکور کا زیر دفعہ ۲۹۷ توہین مقابر کے الزام
میں چالان کیا۔ اس سلسلہ میں یہ تذکرہ بے جا نہ ہوگا کہ جس محال میں یہ زمین واقع ہے اُس
کی زمینداری صوبہ متوسط و برار کی اسمبلی کے کانگریسی صدر مسٹر گھنشام داس گپتا و برادران
کے قبضہ میں ہے۔ اور گپتا جی کا بھی مسکن درگ ہی میں ہے۔ قانون بندوبست کے مطابق اس
اراضی کا لگان عہ سالانہ ہے۔ خان بہادر مرزا ظہور الحسن بیگ صاحب مالگذار درگ راوی
ہیں کہ جب گپتا جی کے والد آنجہانی کے پاس مسلمان یہ لگان ادا کرنے کے لئے گئے تھے تو
اُنہوں نے فرمایا کہ "ہمارے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا لگانا چاہتے ہو۔ ہم مسلمانوں کے قبرستان
کی آمدنی کھائیں اور قبروں کی زمین کا لگان وصول کریں"۔ وہ کانگریسی نہ تھے لیکن
گپتا جی اور ان کے بھائی "قوم پرست" ہیں۔ چنانچہ جس لگان کو مسلمان سمجھے ہوئے
تھے کہ معاف کر دیا گیا ہے گپتا جی کے بھائیوں نے نالش دائر کر کے وصول کر لیا۔ افسوس
ہے کہ حیدرآباد ستیہ گرہ کے روح رواں کے خاندان ان کے خاندان کو اپنے گھر میں
مسلمانوں کے ساتھ اس سے زیادہ قوم پرستانہ سلوک کرنے کا موقع نہ مل سکا کہ
اُن کے محال کا مالگذار مسلمانوں کے قبرستان پر ہل چلا دے اور وہ خود معمولی رقم
کا لگان بھی جو پہلے نہ لیا جاتا تھا کانگریسی دور میں بطور جزیہ وصول کر چھوڑیں

(۳) ضلع بلاسپور :-

(۱) بلاسپور :-

(۱) ۱۹۳۸ء میں اس شہر کے اندر چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی۔ جلوسوں کے سلسلہ
میں تعلقات کشیدہ ہونے لگے۔ یہاں باجہ مسجد کے سامنے نہیں بجا کرتا ہے۔ لیکن چھیڑنے کے

لئے یہ ترکیب نکالی گئی کہ مسجد کے سامنے "گھنٹہ" بجانے کی کوشش کی گئی کہ یہ تو باجہ نہیں ہے۔ اس طرح آپس میں فرق گی بڑھائی گئی پولیس نے اسی کی آڑ میں ۱۶ جون ۱۹۳۸ء کو ۴۲ مسلمانوں پر زیر دفعہ ۱۴۷ مقدمہ قائم کر دیا۔ اس میں ایک مقامی معزز انکم ٹیکس دینے والے مسلم لیڈر محمد اسحاق جان کو بھی ماخوذ کیا گیا۔ لیکن کسی ہندو کا چالان نہیں کیا گیا۔ مسلمان ملزمین ثبوت نہ ہونے کے باعث ستمبر میں بری ہو گئے۔

(۲) مارچ ۱۹۳۹ء میں اس جرم پر کہ مسلمانوں نے اپنی شکایات بار بار حکام کے کانوں تک اور اخبارات میں پہنچائیں چودہ مسلمانوں کے خلاف زیر دفعہ ۱۴۴ کارروائی کی گئی، اور ان سے مچلکے لے لئے گئے۔

(۳) ۱۲ ستمبر ۱۹۳۹ء کو ایک جلوس کے موقع پر مسجد کے سامنے "گھنٹہ" ٹھیک نماز کے وقت (۸½ بجے شب کو) بجایا گیا۔ پولیس کو اطلاع دی گئی مگر کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ بلکہ معتبر اصحاب کے بیان سے پتہ چلا کہ خود سب انسپکٹر پولیس نے اس حرکت کے لئے ابھارا تھا۔ اس امر کی اطلاع بھی حکام بالا کو دے دی گئی۔

(۲) کنٹاگھورا :—

جولائی ۱۹۳۹ء میں ہندوؤں نے مسجد کے سامنے خوب باجہ بجایا جیکارے لگائے اور مسلمانوں کا تمسخر اڑایا۔ بعض مسلمان بھی مدافعت کے لئے مجبور ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۶ مسلمانوں کا چالان کر دیا گیا۔

(۳) اکل تارا :—

۱۹۳۹ء میں محرم کے موقع پر مسلمانوں کو قدیم راستہ سے تعزیے لے جانے میں مزاحمت کی گئی اور ہندو آمادہ فساد ہو گئے۔ تین روز تعزیہ سڑک پر پڑا رہا۔ آخر ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے آکر تعزیہ اٹھوایا۔ ان ہندوؤں کے خلاف جنہوں نے شرانگیزی کی کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

(۴) مونگیلی :—

یہاں ایک ہی شخص ہیں جو مسلمانوں کی ہر تحریک کے روح رواں ہیں۔ ملا عبدالقیوم تاجر، کوشش انہی کو پریشان کرنے کی کی گئی۔ ایک معمولی پٹوا بتولی نامی جو سڑک کے کنارے دوکان لگایا کرتا تھا ملاجی سے لین دین کیا کرتا تھا۔ ایک روز اس سے کچھ حجت ہو گئی۔ فوراً پولیس میں رپورٹ کی گئی۔ یہ امر قابل غور ہے کہ جب پہلی رپورٹ کو پولیس نے نظر انداز کر دیا تو دوسری رپورٹ خود مسٹر دیودت سکریٹری تحصیل کانگریس کمیٹی نے کی اور شہادت بھی دی۔ زیر دفعہ ۳۲۳ ملاجی کے خلاف مقدمہ چلا۔ تمام ممتاز کانگریسیوں نے حصہ لیا۔ مسٹر تیواری ممبر اسمبلی بطور وکیل پیش ہوئے۔ نتیجہ ظاہر تھا۔ ملاجی پر ۳۶ روپے جرمانہ ہو گیا۔

ناگپور ڈویژن

(۱) ضلع چھندواڑہ

(۱) سیونی

۱۹۳۷ء سے یہاں اشتعال انگیزی اور چھیڑ چھاڑ کی کوشش شروع ہوگئی جب کانگریسی وزارت نے قلمدان سنبھال لیا تو اس میں تیزی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ اگست ۳۷ء میں ہندوؤں نے ایک بہت بڑی میٹنگ کی جس میں گائے کی حفاظت کی آڑ لیکر مسلمانوں کے خلاف خوب زہریلی تقریریں کی گئیں۔ مسٹر جٹار، کانگریسی ممبر اسمبلی نے بھی اس میں سرپرستانہ طریقہ پر شرکت کی۔ اس جلسہ کے سلسلہ میں جو اشتہارات تقسیم کئے گئے ان میں ہندوؤں کو اشتعال دلانے اور مسلمانوں کی توہین کرنے کے لئے یہ جملہ بھی درج تھا۔

"گاؤکشی اور انسان کشی ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں"

مسلمانوں کے صبر و ضبط اور بعض سنجیدہ ہندوؤں کی دانشمندی کے سبب بات بڑھنے نہ پائی لیکن پولیس نے ان تمام اشتعال انگیزیوں کی روک تھام کی ضرورت نہ سمجھی اور نہ ایسے

اشتہارات نکالنے والوں سے باز پُرس کی گئی۔

(۲) چھپارہ :—

یہاں پہلے مسجد کے سامنے باجہ بند کیا جاتا تھا۔ مگر ۱۹۳۲ء سے اِس طریقے کی پابندی نہ رہی، لیکن کانگریسی حکومت کے زمانہ میں نہ صرف باجہ بجانا ضروری سمجھا گیا بلکہ اسے مسلمانوں کو چڑھانے کا ذریعہ بھی قرار دیا گیا۔ وہ اِس طرح کہ ٹھیک نماز کے وقت مسجد کے سامنے باجہ بجانا دیر تک وہیں کھڑے رہنا اور دل آزار نعرے لگانا۔ ۱۹۳۷ء کے دسہرہ کے موقع پر کالی کا جلوس بڑی دُھوم دھام سے نکالا گیا۔ جلوس چار بجے شام کو نکلا اور رات بھر گشت کرتا رہا اور صبح کی نماز کے وقت مسجد کے سامنے واپس پہنچا اور خوب شور مچانے لگا۔ کوشش یہ تھی کہ مُسلمان اُلجھیں۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔ نمازی مسلمان مسجد کے اندر رہے دروازہ بند کئے بیٹھے رہے۔ مجبوراً جلوس آگے چلا گیا۔ جلوس کے بخیریت چلے جانے کے بعد سرکل انسپکٹر پولیس مع تین چار کانسٹبلوں کے ہتکڑی لئے ہوئے مسجد کے اندر گھس آئے۔ کانسٹبل صحن میں کھڑے رہے مگر انسپکٹر صاحب جوتوں سمیت اندر چلے گئے۔ اور قاضی حسین علی صاحب پیش امام جو تلاوت کر رہے تھے بُرا بھلا کہتے ہوئے ہاتھ پکڑ صحن میں لے آئے اور ہتکڑی پہنا دی کہ تم گرفتار کئے گئے۔ کئی گھنٹے حوالات میں بند رکھنے کے بعد تقریباً ساڑھے گیارہ بجے ان کو رہا کیا گیا۔ سرکل انسپکٹر نے کانسٹبلوں کے ساتھ قاضی صاحب کو تو حوالات بھیج دیا۔ مگر خود مسجد میں ہی رہے۔ باوجود استدعا اور اصرار کے جوتہ نہیں اُتارا۔ پھر انہوں نے موذن سے ڈانٹ کر چابی لی اور ویسے ہی جوتہ پہنے تمام اندر گھس کر معائنہ کیا اور طاقچوں اور الماریوں کو کھول کر ان کی تلاشی لی۔ تلاشی لیتے ہوئے کلام مجید اور پاروں کی بے دردی کے ساتھ اُٹھا پٹک کی۔ موذن نے احتجاج کرنے پر اسے سخت سُست کہا گیا۔ ان تمام امور کی اطلاع حکام کو دی گئی مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ دسہرہ کے جلوس سے ایک دو روز پیشتر ہندوؤں نے اکھاڑہ کے ساتھ جلوس نکالا جس میں مسلمانوں کا مذاق اُڑانے

کے لئے چند شیر بھی بنے جیسے کہ مسلمان محرم میں بنتے ہیں اور انتہائی اشتعال انگیز اور دل آزار نعرے لگائے مثلاً "کالے پیلے یا حسین۔ لمبے چوڑے یا حسین۔ بھوکے ننگے یا علی" وغیرہ۔ مگر پولیس نے کارروائی تو کجا اِسے روکا تک نہیں۔ ایک دو مسلمان کانسٹبلوں نے منع کیا مگر اِن کی کون سُنتا تھا۔

(۳) پانڈھرنا:—

(۱) مارچ ۱۹۳۹ء میں منظم سازش کے تحت یہاں بھی بلوہ کرانے کی کوشش کی گئی۔ یہاں مسجد کے سامنے باجہ نہیں بجتا لیکن ڈنڈی بجائی جاتی ہے۔ اِس سال جبکہ اپنی حکومت تھی مسجد کے جبری احترام کو خیرباد کرنے کا پورا عزم کر لیا گیا۔ یکم مارچ ہی سے انتظامات شروع ہو گئے۔ سرگرمیاں اور خفیہ جلسے ہونے لگے۔ مسلمانوں کو بھی اطلاع ہو گئی۔ اُنھوں نے پولیس کو اطلاع دی۔ لیکن پولیس نے کسی پیش بندی کی ضرورت نہ سمجھی۔ ۵ مارچ کی شب کو ہندوؤں کا ایک بہت بڑا جلوس نکلا اور سارے قصبہ میں گشت کرتا ہوا چلا۔ جب یہ جلوس مسلمانوں کی دوکانوں کے سامنے سے گذرتا تو انہیں گالیاں سناتا ہوا جاتا۔ کیوں کہ ہولی کا تو جلوس تھا۔ گالی بکنے اور گانے کی کوئی ممانعت تو تھی نہیں۔ چوک بازار میں پہنچکر اِس جلوس میں بہت کافی اضافہ ہو گیا۔ جلوس چوک کی مسجد کے سامنے رُکا۔ یہاں جی بھر کر مسلمانوں کو گالیاں دی گئیں۔ باجہ پیٹا گیا اور مسجد پر سنگ باری شروع کر دی گئی۔ تین مسلمان سنگ باری سے زخمی ہوئے۔ اتنے میں پولیس آ گئی۔ اِس نے صرف مجمع کو آگے بڑھا دیا۔ رات کو ہندوؤں نے قبرستان کے اطراف کے تار اور لکڑی کے کھمبے اکھاڑ کر ہولی کے آلاؤ میں ڈال دیئے دوسرے روز مسجد کے سامنے پولیس کا پہرہ بٹھا دیا گیا۔ لیکن مسلمانوں کو گالیاں دینے والے نقص امن کرنے والے مسجد پر سنگ باری کرنے والے۔ مسلمانوں کو زخمی کرنے والے اور قبرستان کی چار دیواری اُکھیڑ کر لکڑیاں جلا دینے والے ہندوؤں میں سے کسی

کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

(۲) مگر ہندوؤں کے خیال کے مطابق ہولی کے موقع پر حوصلے اچھی طرح پورے نہ ہوئے اس لئے اور موقع کی تاک میں رہے۔ ۲۸ رجون کو کانگریسی اور مہاسبھائی لیڈر ایک سفری سینما کے قریب دو کانوں پر شب کو بیٹھ گئے۔ اس سینما کا شرکت دار منتظم مسلمان تھا۔ اس لئے عالم خیال یہ تھا کہ سینما مسلمان کا ہے۔ ان لوگوں نے ایک ہندو والنٹیر امبا داس کو بھیجا کہ سینما کے اندر بلا ٹکٹ داخل ہونے کی کوشش کرے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ لازمی طور پر اُسے روکا گیا۔ اُس نے چھوٹتے ہی گالی دے دی۔ اس پر تکرار بڑھی۔ یہاں انتظام پہلے سے تھا ہی فوراً بگل بجادیا گیا اور دو ہزار ہندوؤں کا مجمع اکٹھا ہوگیا اور اس نے مسلمانوں کو مارنا شروع کیا۔ ایک معزز مسلمان عبدالحمید صاحب کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ تقریباً بیس مسلمان زخمی ہوئے جن کو لاٹھیوں اور بھالے کے زخم تھے پولیس نے ان میں سے کسی کو ڈاکٹری معائنہ کے لئے نہیں بھیجا۔ البتہ اس خلفشار میں چند ہندو بھی زخمی ہوئے جس میں ایک لڑکے کو زیادہ چوٹ آئی۔ اُسے فوراً ناگپور اسپتال بھیجا گیا۔ ہندوؤں کی ٹولی نے متعدد مکانات اور دوکانوں کو بھی نقصان پہنچایا اور ایک مسلمان کے ٹھیلے کو لوٹ لیا۔ پولیس کی تحقیقات شروع ہوئی کسی ہندو کا قصوروار ہونا نہ ثابت ہوسکا۔ دو مسلمان فوراً گرفتار کرلیے گئے۔ جن کی ضمانت بھی پولیس کے یہاں سے نہ ہوسکی۔ اور انہیں چھندواڑہ جیل بھیجدیا گیا۔ بعد میں چھ مسلمان اور گرفتار کئے گئے۔ فساد کے دوسرے روز ہندوؤں نے مکمل ہڑتال کی اور مسلمانوں کے بائیکاٹ کی تحریک شروع ہوئی۔ اس کی وجہ سے مسلمانوں کو کافی دنوں تک بڑی تکلیف رہی جب پولیس طرفداری پر تلی ہوئی ہو اور اکثریت جان کی دشمن ہورہی ہو تو قانون کی ضرورت کے مطابق شہادت ملنی کوئسی مشکل بات ہے لیکن جھوٹ کو مکمل فروغ نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے نتیجہ حسب مراد نکلنے میں اکثر کمی

رہ جاتی ہے۔ اس مقدمہ میں بھی باوجود سعی بلیغ کے صرف ایک مسلمان کے خلاف سنگین جرم ثابت ہوا جسے مجسٹریٹ کے فیصلہ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۹ء کے مطابق ۹ ماہ کی سزا ہوئی۔ بقیہ کے مچلکہ لئے جانے کا حکم ہوا۔ مجسٹریٹ نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے کہ "یہ امر تعجب انگیز ہے کہ پولیس نے ہندوؤں کا چالان کیوں نہیں کیا۔"

(۴) بیتول :-

۱۸۸۷ء میں یہاں کے ہندو مسلمانوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا کہ ہندو مسجدوں کے سامنے باجہ نہیں بجائیں گے اور مسلمان چند مندروں کے سامنے باجہ نہیں بجائیں گے۔ مسلمانوں نے اب تک معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کی لیکن ہندوؤں نے منقطع دیا ،اس کی کوشش کی۔ چنانچہ ۱۹۳۶ء میں پھر معاہدہ کی تجدید کی ضرورت پڑی۔ بیتول اسٹیشن کے پاس عرصہ چودہ سال کا ہوا مسلمانوں نے ایک مسجد بنائی۔ اس کے اطراف میں آبادی کم تھی۔ اس لئے ادھر سے جلوس وغیرہ نہیں نکلتے تھے۔ اب آبادی زیادہ ہو گئی ہے جلوس نکلے لیکن گذشتہ چودہ سال میں اس مسجد کے سامنے کبھی باجہ کے ساتھ جلوس نہیں گیا۔ اکتوبر ۱۹۳۷ء میں ہندوؤں نے کالی کا جلوس اس راستہ سے لے جانے پر اصرار کیا۔ مسجد جس سڑک پر ہے وہ نہ صدر راستہ ہے نہ اُدھر ہندو محلہ ہے چند راستوں اور ہندو محلوں کے راستوں کو چھوڑ کر یہی راستہ جلوس کے لئے منتخب کیا گیا۔ اس لئے کہ اس پر مسجد واقع تھی مسلمانوں نے حکام کو اطلاع دی۔ دفعہ ۱۴۴ نافذ ہوئی بڑے بڑے ہندوؤں نے پیروی شروع کر دی۔ اِدھر اُدھر آدمی دوڑنے لگے۔ اور یہی ہوتا کانگریسی راج میں تمام ہوتا آیا ہے لیکن باوجود اس کے کہ یہ مسجد چودہ سال سے موجود ہے اور ۱۹۳۶ء کے معاہدہ کا اطلاق اس پر یقیناً ہوتا ہے انتظامی حکام نے اس کو نظر انداز کرتے ہوئے ہندوؤں کو مسجد کے سامنے باجہ بجانے کا حق دے دیا۔ اور انہوں نے اپنے دل کا بخار بھی بھر کر نکال لیا۔ ہندوؤں سے یہ نہیں کہا گیا کہ دیوالی کی طرف

رجوع کرو۔

(۳) ضلع چاندہ :—

(۱) چاندہ :—

جولائی ۱۹۳۸ء میں پولیس کی تحقیقات کی بنا پر چمنگی کے دو ممبروں ایک ہندو مسمیٰ ناناجی اور ایک مسلمان امام علی نامی پر زیر دفعہ ۴۰۹ مقدمہ چلا۔ دونوں کو عدالت ماتحت نے چار ماہ قید سخت کی سزا دے دی۔ دونوں نے سیشن جج کے یہاں اپیل کی، ناناجی کے بھائی ضلع کانگریس کمیٹی کے سکریٹری تھے۔ امام علی کے بھائی بھی تعلقہ کانگریس کمیٹی کی مجلس انتظامیہ کے ممبر تھے۔ دونوں بھائیوں نے اپنے اپنے بھائی کے کانگریسی حلقے کے ذریعہ وزراء کے کان تک معاملہ کو پہنچایا۔ مسٹر جھنا وزیر عدالت نے ڈپٹی کمشنر مسٹر نگہ کٹی کے ذریعہ جبکہ ڈسٹرکٹ جج کے یہاں اپیل زیر سماعت تھی کاغذات منگوا لئے سیشن جج کے یہاں سے فیصلہ صادر ہونے سے پہلے وزارت کے دربار سے ہندو ملزم ناناجی کی رہائی کا حکم ہو گیا اور کاغذات واپس کر دیئے گئے کہ ناناجی کے معاملہ کو چھوڑ کر امام علی کے متعلق اپیل کا فیصلہ معمول کے مطابق کر دیا جائے۔ سیشن جج نے عدالت ماتحت کے فیصلہ کو بحال رکھا۔ ناناجی تو وزیر عدالت کی عنایت سے بری ہو ہی چکے تھے۔ میاں امام علی کو جیل جانا پڑا۔ امام علی کے کانگریسی بھائی نے الہ آباد، بمبئی اور کلکتہ میں رہنے والے "ہائی کمان" کے تمام دروازے کھٹکھٹا ڈالے مگر باوجود کانگریسی ہونے کے کسی نے بات تک نہ پوچھی۔

(۲) تورگاؤں (تحصیل برہمپوری ضلع چاندہ) :—

اس گاؤں میں ہندوؤں کی آبادی تین چار ہزار کے قریب ہے مسلمانوں کی تعداد پچاس سے ساٹھ تک ہے۔ یہاں ایک مسجد بھی ہے۔ ۱۹۳۹ء میں یہاں بھی شورش کی گئی، پہلے تو مسجد کے سامنے باجہ بجایا گیا۔ پھر نماز کے وقت باجہ بجانے اور مسلمانوں

کی چھیڑنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور بالآخر ایک روز یہ طے کر لیا گیا کہ مسلمانوں پر اپنے برسرِ حکومت ہونے کا سکہ بٹھا دیا جائے۔ چنانچہ ظہر کی نماز کے وقت ایک بڑا جلوس باجہ کے ساتھ لایا گیا اور مسجد کے سامنے رُک کر خوب جے کارے لگائے باجہ بجایا اور دل آزار نعرے لگانے لگے۔ اِس وقت مسجد میں صرف دو مسلمان نماز پڑھ رہے تھے۔ اِنھوں نے جلوس والوں سے کہا کہ اس شور اور ہنگامے سے حاصل ہی کیا ہے۔ بس اتنا کہنا غضب تھا۔ ہندو شور با اُن کے پیچھے دوڑے۔ وہ بے چارے مسجد کے اندر گھس گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ ہندوؤں کا ایک بڑا جتھا بھی مسجد کی طرف بڑھا دروازہ توڑ ڈالا اور اندر گھس گئے۔ ایک ٹولی نے تو ان دونوں مسلمانوں پر بے رحمی کے ساتھ حملہ شروع کر دیا۔ اور دوسری ٹولی نے تمام جھاڑ فانوس۔ لوٹا گلاس اور مسجد کا دیگر سامان چور چور کر دیا۔ مسجد کی عمارت کو بھی نقصان پہنچایا۔ دونوں مسلمان کسی طرح موت کے منہ سے بال بال بچے۔ ان دونوں زخمی مسلمانوں کو نزدیک ترین اسپتال میں جو مل میں ہی لایا گیا مگر ڈاکٹر نے کوئی توجہ نہ کی اور کہا کہ زخم معمولی ہیں چلے جاؤ۔ اس پر یہ دونوں زخمی چاندہ لائے گئے۔ یہاں چند مسلمان ہمدرد مل گئے اور ان کو لے کر ۹½ بجے شب کے وقت ڈی۔ڈی۔ ایس۔ پی۔ کے بنگلہ پر پہنچے۔ اور سارا حال سنایا۔ دونوں سے ایک مسلمان کو اسپتال میں داخل کیا گیا اور ایکس رے سے معائنہ کرنے سے معلوم ہوا کہ اس کی پسلی ٹوٹ گئی ہے۔ سات ہندوؤں کا متعدد دفعات کے تحت چالان ہوا مجسٹریٹ نے اُن تین ہندوؤں کو جو سرغنہ مانے جاتے ہیں فردِ جرم لگائے بغیر بری کر دیا۔ صرف چار معمولی ہندوؤں کے خلاف مقدمہ چلایا گیا اس کے ساتھ ساتھ ان دو مجروح مسلمانوں کا بھی ہندوؤں کے جلوس میں خلل انداز ہونے کے جرم میں چالان کر دیا گیا۔ کسی ہندو کو ضرب نہیں آئی۔ دو مسلمان مجروح ہوئے۔ ایک کی پسلی توڑ ڈالی گئی۔ مسجد کی توہین کی گئی۔ دروازہ توڑ ڈالا گیا۔

سامان برباد کر ڈالا گیا - اور ملزم دو مسلمان، اور چار ہندو تھے

(۴) ضلع ناگپور: —

(۱) رام ٹیک: —

(۱) یہاں مسلمان آٹے میں نمک کے برابر ہیں - اس وجہ سے ہندو مسجدوں کے سامنے باجہ بجانے میں آزاد ہیں - ۱۹۳۹ء میں قاسم علی شاہ کے مزار کا تعویذ توڑ ڈالا گیا - مسلمانوں میں بڑا ہیجان ہوا - احتجاجی جلسہ کر کے حکام کو اطلاع دی گئی مگر حکام قبر کی توہین کرنے والے کا پتہ نہ چلا سکے -

(۲) ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو رمضان کے دنوں میں جبکہ مسلمان کافی تعداد میں افطار کرنے کے لئے مسجد میں جمع ہوتے ہیں عین نماز مغرب کے وقت ہندوؤں نے جلوس میں مسجد کے سامنے باجہ بجایا - پولیس کو مسلمانوں نے پہلے سے اطلاع کر دی تھی کہ ہندو ایسا کرنے والے ہیں مگر پولیس نے کوئی تعارض نہ کیا -

(۳) یہ جاترے کی جگہ ہے - ۱۹۳۹ء کے جاترے کے موقع پر مسلمانوں کی دوکانوں پر ہندو والنٹیر تعینات کئے گئے کہ وہ ہندوؤں کو مسلمانوں کی دوکانوں سے سودا خریدنے سے باز رکھیں - پولیس نے ان والنٹیروں سے کوئی تعارض نہیں کیا -

(۲) کاٹول: —

(۱) یہاں میونسپل حدود کے اندر میونسپلٹی کے حکم کے مطابق گائے ذبح کرنے کی اجازت نہیں - یہاں کے قصاب گائے میونسپل حدود کے باہر ذبح کرتے ہیں - اور وہیں فروخت بھی کرنا پڑتا ہے - ۱۹۳۹ء میں ایک روز یہ خبر مشہور ہو گئی کہ دو قصابوں نے اپنے گھر میں گائے ذبح کر ڈالی ہے - ہندوؤں میں ایک شور مچ گیا اور ان مفروضہ مجرمین کے گھر پر دھاوا کیا گیا - ایک قصاب کا گھر جلا دیا گیا اور مکان میں گھس کر اثاثہ لوٹ لیا گیا - پولیس نے ان ہنگامہ کرنے والوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی البتہ

ان دونوں قصابوں کا خلاف ورزی قواعد کے جرم میں چالان کر دیا گیا۔

(۲) دولت گیر نامی ایک ہندو ایک مسلمان مسمی چھوٹو کی عورت کو بہ جبر بھگا لے گیا۔ بڑی جد و جہد کے بعد عورت کی واپسی ہوئی۔ اغوا کرنے والے کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

(۳) مواڑہ :-

۱۹۳۸ء کے اخیر میں ایک روز ایک ہندو تیلی کی سولہ سالہ لڑکی کھیت میں مردہ پائی گئی۔ اس کے جسم پر جلنے کے نشانات تھے اور گردن کے قریب چاقو کا زخم تھا اس کی تحقیقات دو ہندو سب انسپکٹروں نے ایک مسلمان سرکل انسپکٹر کی نگرانی میں کی ہندوؤں کی طرف سے درخواست دی گئی کہ مسلمان سرکل انسپکٹر نہیں ہونا چاہیئے۔ فوراً ناگپور سے ایک سینئر انسپکٹر چاؤ جی بھیجے گئے۔ چاؤ جی نے ایک ماہ کے بعد گواہ پیدا کئے۔ اس قصبہ میں مہاسبھا۔ کانگریس اور مسلم لیگ تینوں کی سرگرمیاں کافی ہیں۔ تحقیقات کے بعد تین مسلمان نوجوانوں کا جو مسلم لیگ کے زبردست حامی اور کارکن تھے قتل اور زنا بالجبر کے الزام میں چالان کر دیا گیا۔ جب سیشن میں یہ مقدمہ چلا تو بنائے ہوئے گواہوں کے پرزے اڑنے لگے۔ فاضل جج نے ان تمام گواہوں کو جھوٹا بتاتے ہوئے سخت ریمارکس کئے ہیں۔ تحقیقات کرنے والے ایک ہندو سب انسپکٹر جب جرح میں ٹھہر نہ سکے تو یہ کہہ دیا کہ ڈائری کے جن بیانات پر دونوں ہندو سب انسپکٹروں کے دستخط ہیں جھوٹی ہیں اور ہم لوگوں نے سرکل انسپکٹر کے کہنے سے جھوٹی ڈائری لکھی۔ یہ تینوں ملزم سیشن سے صاف بری ہو گئے اور جج نے سب انسپکٹر کے طرز عمل پر سخت ریمارکس لکھے۔ اور یہ بھی لکھا کہ گواہ سب بنائے ہوئے ہیں۔ ہندو سب انسپکٹر کے خلاف ڈیپارٹمنٹل تحقیقات ہوئی۔ اس میں سب انسپکٹر نے کہا کہ عدالت میں جو میں نے ایسا کہا کہ میں نے جھوٹی ڈائری سرکل انسپکٹر کے کہنے سے بنائی وہ بیان غلط ہی میں نے مسٹر نائیڈو اسسٹنٹ پبلک

پر اسیکوٹر (ممتاز کانگریسی لیڈر اور ناگپور میونسپل بورڈ کے وائس پریسیڈنٹ) کے کہنے سے ایسا کہہ دیا۔ اب تماشا دیکھئے کہ نہ جھوٹ بولنے والے ہندو گواہوں کے خلاف کوئی کارروائی کی گئی۔ نہ جھوٹا گواہ پیدا کرنے والے ہندو انسپکٹر چاودھری پر کوئی آنچ آئی۔ نہ اس متعدد بار صریحاً جھوٹ بولنے والے ہندو سب انسپکٹر کو عہدہ کے لئے نااہل سمجھا گیا۔ نہ ہندو اسسٹنٹ پبلک پراسیکوٹر سے کوئی بازپرس کی گئی۔ البتہ مسلمان سرکل انسپکٹر سپرنٹنڈنٹ گرا اور انھیں وارننگ دیدی گئی!

(۴) پاٹن ساونگی :-

اس قصبہ میں ہندوؤں کی آبادی چار ہزار کے قریب ہے اور مسلمانوں کے پچیس گھر ہیں۔ یہاں ستر پچھتر سال کی پرانی ایک مسجد ہے۔ اس مسجد کے سامنے ہر وقت باجہ چالیس قدیم ادھر اُدھر بند کر دیا جاتا تھا۔ کانگریسی راج قائم ہونے پر ہر جگہ کی طرح یہاں بھی ہندوؤں نے سر اُٹھایا اور ہر مقام کی طرح یہاں بھی پولیس اور حکام نے ہندوؤں کی طرفداری کی اور مسلمانوں کے ساتھ بے انصافی کی۔ یہاں ہندوؤں کے سرغنہ گاؤں کی کانگریس کمیٹی کے ایک ممبر انند راؤ پٹیل ہیں۔ یہ سزایافتہ بھی ہیں۔ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۱۰ کے تحت ان کا مچلکہ اور پولیس کی نگرانی بھی ہو چکی ہے اور توہین عدالت کے جرم میں بھی سو روپیہ جرمانہ کی سزا پا چکے ہیں۔

(۱) ۲۲ اپریل ۱۹۳۸ء کو انند راؤ پٹیل اور متعدد دیگر کانگریسی اور سبھائی ہندوؤں کی سرکردگی میں ہندوؤں کا ایک جلوس بینڈ بجاتا ہوا مسجد کی طرف آیا۔ سیتارام ہیڈ کانسٹبل اس جلوس میں بلا وردی شریک تھا۔ مسجد کے پاس چند باوردی کانسٹبل کھڑے تھے۔ جب باجہ مسجد کے سامنے بھی بجایا جانے لگا تو ایک مسلمان گل محمد نے آگے بڑھ کر اس پر اعتراض کیا کہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ آج کیوں ایسا کر رہے ہو۔ اسے گھونسے اور دھکے مار کر کنارے کر دیا گیا۔ جلوس کے اکثر لوگ بھالے اور برچھیاں

سے مسلح تھے (۲) ۲۹ راپریل ۱۹۳۸ء کو ہندوؤں کا ایک عام جلسہ ہوا جس میں کانگریسی لیڈروں نے بھی تقریریں کیں اور ۳۰ راپریل کو ایک جلوس باجہ کے ساتھ نماز کے وقت مسجد کے سامنے لے جانے کا فیصلہ ہوا۔ اس کی اطلاع وقت سے قبل ساونگیر تھانہ میں دے دی گئی۔ ۳۰ راپریل کو سب انسپکٹر آئے اور انھوں نے جلوس کو دوسرا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس چیز نے ہندوؤں کو بہت چراغ پا کر دیا۔ اور مسلمانوں کے بائیکاٹ کی تحریک شروع کر دی گئی۔ یہ بائیکاٹ صرف مسلمانوں تک محدود نہیں رہا بلکہ اُن ہندوؤں پر بھی نزلہ گرا جنہوں نے پولیس کے سامنے مسلمانوں کی حمایت میں حق بات کہنے کی جرأت کی تھی۔ اس بائیکاٹ کا سلسلہ بہت دنوں تک جاری رہا (۳) دو مہینہ گذر جانے کے بعد ہندوؤں نے پھر یہ فیصلہ کیا کہ ۱۲ رجولائی کو بہت بڑا جلوس بینڈ کے ساتھ مسجد کے سامنے سے لے جایا جائے۔ مسلمانوں نے اس کی اطلاع وزیر اعظم، ڈپٹی کمشنر، ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس اور تھانہ دار ساونیر کو بروقت دی۔ سب انسپکٹر اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس آئے اور ۶ رجولائی سے ۸ رجولائی ۱۹۳۸ء تک تحقیقات کرتے رہے۔ ۱۰ رجولائی کو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ایک تحریری معاہدہ ہوا جس پر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کی موجودگی میں دونوں قوموں کے لیڈروں نے دستخط کیے۔ اس کی رُو سے مسجد کے سامنے جلوس کے گذرنے کے سلسلہ میں چند پابندیاں عائد کی گئی تھیں اور باجہ بند کرنے کے متعلق مسلمانوں کا حق مان لیا گیا تھا بعض حکام اور چند کانگریسی ہندوؤں کو معاہدہ کی اطلاع اور تفصیل سے تکلیف ہوئی اور ریشہ دوانیاں شروع ہو گئیں۔ ۱۲ رجولائی کو ہندوؤں کی دستخط سے سب ڈویزنل مجسٹریٹ کے پاس اس معاہدہ کے خلاف ایک یادداشت بھیجی گئی مجسٹریٹ صاحب اُسی روز پاٹن ساونگی آئے اور ہندوؤں اور مسلمانوں کو طلب کیا۔ مسلمانوں نے تحریری معاہدہ دکھایا۔ وہ واپس چلے گئے۔ شرانگیز ہندوؤں

نے جن کو بعض حکام کی طرف سے شہ مل رہی تھی کھلبلی پیدا کر دی۔ ۱۸ر جولائی کو معلوم ہوا کہ پولیس نے متعدد ہندوؤں اور مسلمانوں کے خلاف ۱۰۷ کے تحت چالان پیش کیا ہے مجسٹریٹ صاحب تاریخیں پر تاریخیں دیتے رہے اور بنگلے پر اکثر ہندوؤں کو بلاتے رہے۔ تعلقات کے سدھر جانے کے بعد بعض لوگ جو کشیدگی پیدا کر رہے تھے اُس کے سدباب کی کوشش حکام نے نہ کی (۴) ۲۲ر اگست ۳۶ء کو ہندوؤں نے سب ڈویژنل مجسٹریٹ کی عدالت میں درخواست دی کہ اُنھیں ۲۷ر اگست کو مسجد کے سامنے بینڈ بجاتے ہوئے جلوس لے جانے کی اجازت دی جائے۔ مسٹر مہتا سب ڈویژنل مجسٹریٹ چند پولیس افسروں کے ساتھ پاٹن ساؤنگی آئے اور مسجد کے سامنے کے چبوترے پر کھڑے ہوگئے۔ مسلمانوں کو مسجد سے چلے جانے کے لئے کہا گیا اور مسلمانوں کے گھروں سے لے کر مسجد تک پولیس کا پہرہ بٹھا دیا گیا۔ جلوس مسجد کے سامنے پہنچا اور کافی دیر تک مسجد کے سامنے کھڑا رہا اور بینڈ زور سے بجتا رہا۔ ہندوؤں نے بجتے ہوئے بینڈ۔ مسجد کی عمارت اور ڈپٹی کمشنر کی موجودگی کے منظر کا ایک فوٹو لیا مسلمان اپنے گھروں سے یہ سب دیکھ رہے تھے۔ اور کچھ نہ کر سکتے تھے۔ جو مسلمان اپنی فریاد لے کر حکام تک جانا چاہتے تھے اُنھیں پولیس کانسٹبل جانے نہیں دیتے تھے اس طرح تحریری معاہدہ کی موجودگی میں اور مسلّمہ روایات (جن پر پولیس اور حکام کا خود عملدرآمد تھا) کے باوجود کانگریسی راج میں ہندو حکام نے اختیار کے بعض ناجائز استعمال کے ذریعہ ہندوؤں کی طرفداری کھلے بندوں کی اور مسلمانوں کو گرا کر اپنی فرقہ پرستانہ ذہنیت کو تسکین دی (۵) حکام کی اس نامنصفانہ سرپرستی نے ہندوؤں کو اور شیر کر دیا اور اُنھوں نے ۴ریا ۵ر ستمبر کو اسی مجسٹریٹ کو اطلاع دی کہ وہ ۷ر ستمبر کو پھر اسی طرح جلوس نکالیں گے۔ مسٹر مہتا سب ڈویژنل مجسٹریٹ، ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ایک بڑے پولیس دستہ کے ساتھ پاٹن ساؤنگی آئے اور ۷ر ستمبر کو چھ بجے شام کے وقت (جو تقریباً

مغرب کی نماز کا وقت ہے) اسی شان سے بینڈ بجاتا ہوا جلوس مع ان افسروں کے
مسجد کے سامنے سے گذرا (۶) مجسٹریٹ نے جلوس کے ختم ہونے کے بعد قصبہ کے
باشندوں کو تھانہ پر طلب کیا اور جب کافی لوگ جمع ہو گئے تو اس مفہوم کا اعلان سنایا۔

"اس اختلاف کے معاملہ میں جو ہندو اور مسلمانوں کے درمیان موضع
پارٹن ساڈنگی میں مسجد کے سامنے بینڈ بجانے کے متعلق ہے، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ
مسٹر ھنانے ۸/ستمبر ۳۸ء کو یہ حکم صادر کیا ہے کہ ہندوؤں کو چوبیس ۲۴ گھنٹے حتی
نماز کے وقت بھی مسجد کے سامنے بینڈ بجانے کا حق ہر طرح حاصل ہے مسلمان
اس میں کسی طرح تعارض نہیں کر سکتے۔ جو مسلمان اس میں مداخلت کرے گا
اس کے خلاف مقدمہ چلایا جائے گا۔"

یہاں بھی بغیر مسلمانوں سے ثبوت مانگے (اور ثبوت کی ضرورت کیا تھی جبکہ سابقہ عملدرآمد
خود پولیس کا موجود تھا) دو ہمنام ہندو انتظامی افسروں نے جن میں ایک سب ڈویژنل
افسر تھا اور دوسرا ڈپٹی کمشنر دیوانی کے اختیارات بھی غیر قانونی طور پر اپنے ذمہ لے کر
ہندوؤں کو استمراری حق عطا کر دیا اور مسلمانوں کے پچھتر سال سے قائم شدہ حقوق
کو پامال کر کے رکھ دیا۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد عرضی کی جو کارروائی یونہی سی جاری تھی
اسے داخل دفتر کر دیا گیا۔ (۷) جب حکام کی جانب سے ایسی بے جا نوازشیں ہوں
اور اس طرح سرپرستی کی جائے تو حوصلے کتنے نہ بڑھ جائیں گے۔ اس قصبہ میں آبادی
سے باہر سڑک کے کنارے مسلمانوں کی ایک عیدگاہ ہے۔ عید کے پیش نظر ۲۰ نومبر ۱۹۳۸ء
کو اس عیدگاہ کی قلعی کرادی گئی۔ جب ۲۴ نومبر ۱۹۳۸ء کو مسلمان نماز پڑھنے کے خیال
سے عیدگاہ پہنچے تو یہ دیکھا کہ تمام دیواروں پر گوبر جا بجا تھپک دئے گئے ہیں۔ اور
صحن اور ممبر پر انسانی غلاظت کئی جگہ پڑی ہوئی ہے عیدگاہ کا دروازہ کلہاڑیوں سے
توڑ کر برباد کر دیا گیا ہے غریب مسلمانوں کو اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ صبر سے

دو ایک خالی میدان کو صاف کر کے عید کی نماز ادا کریں پولیس نے اس سلسلہ میں
متعدد ہندوؤں کا چالان کیا۔ سوا مہینہ چالان مکمل ہونے میں لگے اور چھ مہینہ میں
استغاثہ کا ثبوت ختم کیا گیا۔ مسلمانوں نے وکیل رکھنے یا سرکاری وکیل کو استغاثہ کی طرف
سے مقرر کئے جانے کی اجازت ڈپٹی کمشنر سے مانگی تھی یہ نامنظور ہوئی (۸) پاٹن سیاونگی
کے ہندوؤں نے سیتارام ہیڈ کانسٹیبل کی قیادت میں مسلح ہو کے ۲۰ نومبر کو جلسہ
عام میں پتھروں کے ہار پہنائے، اسی جلسہ کے چار روز بعد عیدگاہ کی بے حرمتی کا واقعہ ہوا
(۹) چونکہ ہندوؤں کی شر انگیزی کے سد باب کی کوئی کوشش نہ کی گئی۔ اس لئے ان
کی مسلم دشمنی سرد نہ ہوئی ۲ مارچ ۱۹۳۹ء یعنی ۱۰ محرم کو ٹھیک تعزیہ کے جلوس کے
وقت ہندوؤں نے اپنی دوکانیں یکا یک بند کر لیں اور جب جلوس بازار میں پہنچا تو
ہندوؤں کی ٹولیاں ہولی کی مستعمل گالیاں بکنے لگے۔ پولیس نے کوئی تعارض نہیں کیا۔
(۱۰) ۵ مارچ ۱۹۳۹ء کو ہولی کے موقع پر مسلمانوں کو خوب چھیڑا گیا۔ ان کا مذاق
اڑایا گیا۔ رات بھر مسلمان گھروں کے آس پاس گھوم کر گالیاں بکی گئیں۔ ان کا باہر
نکلنا مشکل کر دیا گیا، پولیس نے ان تمام شرارتوں کے سد باب کی کوئی ضرورت نہیں
محسوس کی۔

(۵) ناگپور:—

چونکہ یہ شہر صوبہ کی حکومت کا صدر مقام ہے۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ کانگریسی
راج میں ہندو تفوق و برتری اور رام راج کی شان حکومت، شکوہ و اقتدار کا عملی مظاہرہ
بہت ہی نمایاں طریقہ پر یہیں کیا جاسکے۔ چنانچہ عدل و انصاف کا خون اور محکمہ قیام
امن و قانون کی کھلی ہوئی فرقہ پرستی اور جانبداری کے واقعات جس قدر واضح اور
جس قدر کثیر تعداد میں یہاں دستیاب ہوسکتے ہیں مشکل سے کہیں اور ملیں گے۔ اس
شہر کی کوتوالی کی باگ حکومت نے ایک اپنے مشاق تیر انداز کے ہاتھ میں دے رکھی تھی

کہ مسلمانان ناگپور کو تو اپنی سخت جانی کے باوجود بوقت آزمائش جگہ یہ مان لینا پڑا کہ کوتوال شہر کا حوصلہ ستم آرائی اُن کی طاقتِ جفا پسندی سے کسی طرح کم نہیں بلکہ کچھ زیادہ ہی ہے۔ اِس شہر کے مسلمانوں کے محبوب سٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کا نام نامی رائے بہادر تارا چند ہے۔ ان کے دور کے کارناموں اور مسلمانوں پر نوازشہائے بے پایاں کے واقعات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :۔

(۱) مسلمانوں کی ایک بارات رخصتی کے بعد واپس ہو رہی تھی کہ جب یہ فائر برگیڈ اسٹیشن کے پاس پہنچی تو ہندو غنڈوں نے اِس پر خشت باری کی اور حملہ کردیا۔ پیٹرومیکس کی کئی بتیاں توڑ ڈالی گئیں۔ پالکی کی چادر پھاڑ ڈالی گئی۔ بہت سے دوسرے سامان کو نقصان پہنچا۔ اور کئی آدمیوں کو چوٹیں آئیں۔ انصاف پسند سٹی پولیس نے ہندوؤں کے ساتھ ساتھ بلوہ کے الزام میں مسلمانوں کا چالان بھی کردیا اور ایک اعلی تعلیم یافتہ۔ سرکاری ملازم مسٹر عبداللطیف بی۔ اے مسلمان کو بھی جس کا گھر اتفاق سے اِسی جگہ واقع تھا جہاں پر یہ واقعہ ہوا ملزم بناڈالا جب یہ دیکھا گیا کہ ہر طرح کی کوشش کے باوجود مقدمہ ہندوؤں کے خلاف مضبوط ہوتا جارہا ہے اور یہ بھی پتہ چلا کہ ایک مسلمان ملزم جس کے متعلق گواہوں نے شرکتِ واقعہ کی شہادت دی ہے اپنے فرائض منصبی کے سلسلہ میں اُس وقت ایک جج ہائی کورٹ کے بنگلہ پر موجود تھا تو مسلمان ملزم سے اصرار کیا گیا کہ مفاہمت کرڈالیں اور فریقین کی درخواست پر مقدمہ بڑی خوشی کے ساتھ اُٹھالیا گیا۔ (مقدمہ ۵۵۶/۳۸ باجلاس مسٹر بیلی)

(۲) ایک مسلمان نابالغ لڑکی مسماۃ حلیمہ بنت اسمٰعیل کو ایک فتنہ پرداز ہندو چھوٹے لال عرضی نویس ناگپور، کامٹی سے بھگاکر لے آیا۔ لڑکی کی ماں اسکی تلاش میں ناگپور آئی۔ لڑکی کا پتہ اُسے مل گیا اور وہ لڑکی کو اپنے ساتھ لے کر کامٹی جانے کے لئے اتوارہ اسٹیشن آئی۔ چھوٹے لال کو خبر پہنچی وہ بھی اتوارہ اسٹیشن آیا اور وہاں سے لڑکی

کو چھین کر بہ جبر لے جانا چاہا لڑکی کی ماں نے شور مچایا۔ چند مسلمان اس کی التجا پر مدد کو دوڑے۔ پولیس نے نابالغ لڑکی کو ماں کے اعتراض کے باوجود ماں کی بجائے چھوٹے لال کی تحویل میں دے دیا۔ اور جو مسلمان لڑکے مدد کو گئے تھے اُن کا اغوا کے الزام میں چالان کر دیا۔ کافی پریشانی کے بعد مقدمہ جھوٹا ہونے کے باعث یہ عدالت سے بری ہو گئے۔ چھوٹے لال کے خلاف مسلمانوں کے گھروں میں گھسنے اور انہیں تنگ کرنے کی پہلے سے بھی کئی شکایتیں پولیس کو دی جا چکی تھیں۔ مگر چھوٹے لال کے خلاف کبھی کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

(مقدمہ ۱۲/۳۸ سرکار بنام نذیر علی۔ بعدالت مسٹر ڈیویس منفصلہ ۰ ار جون ۳۸ء)

(۳) ایک مسلمان لڑکے کا ایک ہندو لڑکی سے بہت دنوں سے تعلق تھا۔ یہ اکثر اُسکے ساتھ گھوما کرتی تھی۔ ایک روز یہ لڑکا اُسی لڑکی کے ساتھ محلہ محل سے سینما دیکھ کر آ رہا تھا کہ ہندو غنڈوں نے اِسے گھیر کر خوب پیٹا۔ کوتوال صاحب کا مکان قریب ہی تھا۔ لڑکے نے بھاگ کر وہاں پناہ لی۔ لڑکی پر ہندوؤں نے قبضہ کیا اور اُسے تخویف و تحریص کے ذریعہ ہموار کیا گیا۔ مسلم دوست سٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس لڑکے کو اپنے ساتھ کوتوالی لے گئے۔ جسم پر ضربات کے نشان موجود تھے۔ نہ اس کا بیان لکھا اور نہ اِسے ڈاکٹر کے پاس بھیجا بلکہ حوالات میں بند کر دیا۔ ابھی تک اس کے خلاف کوئی رپورٹ بھی نہیں ہوئی تھی۔ دو گھنٹہ کے بعد لڑکی کے بھائی کی طرف سے ایک رپورٹ فراہم ہو گئی کہ یہ لڑکا اغوا کا مجرم ہے اُس وقت لڑکی بھی کوتوالی میں موجود تھی مگر چونکہ ابھی ہموار نہیں ہوئی تھی اور ہندوؤں کی ہدایت کے مطابق بیان دینے سے انکار کر رہی تھی اس لئے اُس کا بیان نہیں لیا گیا۔ لڑکے کا چالان زیر دفعہ ۳۶۶ کر دیا گیا عدالت میں لڑکی نے اقبال کیا کہ لڑکے کے ساتھ اُس کا تعلق بہت دنوں سے ہے اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ وہ بالغ ہے۔ عدالت ماتحت نے پھر بھی لڑکے کو دو سال کی سزا دے دی لیکن سیشن جج مسٹر اسپنیلس نے اپیل پر اسے رہا کر دیا۔ جن ہندوؤں نے زدو کوب

کیا تھا اور ڈاکٹر کے سرٹیفکیٹ ضربات کے متعلق مسل پر موجود تھی اُن کے خلاف پولیس نے
کوئی کارروائی نہیں کی۔

(مقدمہ ۳۷/۳۸ سرکار بنام حنیف۔ بعدالت مسٹر دیورس منفصلہ ۲۸ جولائی ۱۹۳۸ء)

(۴۷) ایک گونڈ خاندان عرصہ ہوا مسلمان ہو گیا تھا اس خاندان کی کل لڑکیوں کی شادی
مسلمانوں کے ساتھ ہوئی تھی۔ ایک نابالغ لڑکی ابھی غیر شادی شدہ تھی۔ ہندو مہاسبھا کے
تنخواہ دار غنڈوں کی مدد سے اس لڑکی کو بہ جبر اُٹھا لایا گیا۔ ہندوؤں نے اس کی شدھی
کر کے اس کی شادی بہ جبر ہندو لڑکے کے ساتھ کر دی۔ لڑکی کے بھائی بہنوں نے تھانہ میں
اطلاع دی۔ مگر ایسی لڑکیوں اور ملزموں کا پتہ پولیس کو کیسے مل سکتا تھا۔ نہ ملا۔ بعد میں
لڑکی کے رشتہ داروں کو معلوم ہوا کہ لڑکی امیپیاڑ میں ہے۔ رشتہ داروں نے سٹی مجسٹریٹ
مسٹر جوگیلکر کی عدالت میں زیر دفعہ ۱۰۰ ضابطہ فوجداری لڑکی کو برآمد کئے جانے کے لئے پتہ
نشان بتا کر درخواست دی مجسٹریٹ صاحب نے درخواست بغرض تحقیقات سٹی سپرنٹنڈنٹ
صاحب کے پاس بھیج دی۔ یہاں اس درخواست کے ساتھ وہی سلوک ہوا جو مسلمانوں کی
درخواستوں کے ساتھ اس دور میں ہوتا رہا ہے۔ پولیس اور مجسٹریٹ کی امداد سے نا امید ہو کر
لڑکی کا بھائی اس کی تینوں جوان بہنیں اور اُن کے شوہر لڑکی کی تلاش میں خود امیپیاڑ
گئے اور مکان کا پتہ چلا لیا۔ ہندوؤں نے اُن کی زد و کوب کے ساتھ خوب تواضع کی
انہوں نے پولیس کو اطلاع دی۔ ڈاکٹر نے بھی ضربات کی تصدیق کی۔ سٹی سپرنٹنڈنٹ
نے اغوا کی تحقیقات تو نہ کی نہ پتہ بتانے پر بھی لڑکی کو عدالت میں حاضر کرنے کی کوشش
کی۔ نہ اغوا کرنے والوں اور ان غریبوں کو زد و کوب کرنے والے ہندوؤں کے خلاف
کوئی کارروائی کی، البتہ لڑکی کے بھائی اس کی تینوں بہنوں اور شوہروں کے خلاف
زیر دفعہ ۱۴۷ اور ۴۴۷ مقدمہ قائم کر دیا کہ لڑکی کی تلاش میں کیوں گئے تھے مجسٹریٹ نے ان
سب پر جرمانہ کر دیا۔ غریبوں کے پاس اتنا روپیہ کہاں جو اپیل کرتے پھریں۔ اور حکام اُن

پولیس کے رویہ کے بعد انصاف کی توقع کیسے ہوسکتی تھی۔

(مقدمہ ۴۲/۳۸ باجلاس مسٹر بیلے۔ سرکار بنام رسول وغیرہ)

(۵) ۱۹۳۷ء کا واقعہ ہے کہ ہندو غنڈوں کی ایک جماعت ایک مسلمان عورت کلثوم بی زوجہ عبدالصمد کو شوہر کی عدم موجودگی میں اس کے مکان واقعہ لینڈی تالاب سے بہ جبر اُٹھا کر لے گئے۔ شوہر اطلاع ملنے پر کوتوالی رپورٹ کرنے کے لئے گیا۔ اس کی رپورٹ درج نہیں کی گئی۔ دوسرے روز اس نے تحریری رپورٹ بھیجی۔ پولیس کو پتہ نہ چلا۔ چند آدمیوں کو سُراغ معلوم ہوگیا اور بڑی مشکل سے عورت کو غنڈوں کے پنجہ سے نکالا گیا۔ عورت نے بھی اپنی داستانِ درد کی رپورٹ پولیس کو دی اور بدمعاشوں کا پتہ نشان بتایا۔ کوئی کارروائی پولیس نے نہیں کی۔ ایک ماہ بعد چاوجی انسپکٹر آئے اور کچھ پوچھ پاچھ کر چلے گئے۔ اور حسب دستور معاملہ داخل دفتر ہوگیا۔

(۶) محمد یوسف نامی ایک درزی ساکن موضع چھپون نزد ناگپور کے ساتھ ایک بالغ نومسلم عورت مسماۃ موردی کی شادی ہوگئی تھی۔ یہ زن وشوہر تین سال اکٹھے رہتے چلے آرہے تھے۔ ۱۹۳۸ء میں ہندو غنڈوں کی جماعت لاری میں بیٹھ کر آئی اور عورت کو زبردستی اُٹھا کر لے گئی۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ہندوؤں نے اس عورت کی شدھی کرکے اس کی شادی بہ جبر نتھو نامی ایک ہندو کے ساتھ کردی۔ محمد یوسف نے اس واقعہ کی اطلاع پولیس کو دی۔ پولیس نے کیا کارروائی ہوتی جبکہ بھگانے والے ہندو اور عورت مسلمان تھی۔ کسی طرح یہ عورت خود بھاگ کر اپنے شوہر محمد یوسف کے پاس چلی آئی۔ ہندو غنڈوں نے یوسف کا پیچھا کرنا شروع کیا۔ دسمبر ۱۹۳۹ء میں یہ بے چارہ چاند میاں کے ہوٹل میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک موٹر میں ہندو سبھا والنٹیر کور کے کپتان مرتند جوگ مع ایک جماعت کے آئے اور یوسف کو گھیر لیا۔ تھوڑی دیر بعد لفٹیننٹ راؤ سب انسپکٹر پولیس وہاں پہنچے۔ بلا کسی جرم کے یوسف کو پکڑ کر کوتوالی لے جایا گیا۔ وہاں اس پر دباؤ ڈالا گیا اور دھمکیاں دی گئیں کہ عورت کو ہندوؤں کے حوالہ

کردے۔ عورت شوہر سے جدا ہونے پر راضی نہ ہوئی اور عورت کے والدین نے بھی سخت احتجاج کیا۔ اس طرح یہ وزنی چالان ہوتے ہوتے بچ گیا۔ اغوا کرنے والوں ، جبریہ شادی کرنے والوں اور یوسف کے ستانے والوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

(۷) ۱۹۳۹ء میں ایک مسلمان شیخ عیدو نے جو بی۔این ریلوے میں ملازم ہے اور بمقام موتی باغ ریلوے کمپاؤنڈ میں رہتا ہے، چھوٹے لال پاسی کے خلاف رپورٹ کی کہ یہ شخص اس کی نومسلمہ بیوی کو جو عرصہ پندرہ ۱۵ سال سے اس کے ساتھ رہتی آئی ہے بہ جبر بھگا کرلے گیا ہے۔ پولیس کو حسب دستور عورت کا پتہ نہ چلا اور نہ چھوٹے لال پر کوئی آنچ آئی۔ پولیس کی اس سرپرستی نے چھوٹے لال کی ہمت بڑھائی اور وہ عورت کو جسے تخویف بے جا کے ذریعہ اپنے قابو میں کرچکا تھا گورکھپور لے آیا۔ یہ پتہ دیئے جانے پر بھی پولیس نے کوئی کارروائی نہ کی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت نے قبضہ میں سے نکل جانے کی کوشش کی جس کا پتہ چھوٹے لال کو چل گیا اور اس نے عورت کو کنوئیں میں لٹکا دیا پولیس کو اس کی اطلاع بھی ملی مگر خاموش رہی۔ پولیس سے نا امید ہو کر عیدو نے عدالت میں استغاثہ دائر کردیا۔ چھوٹے لال کو تو پولیس کی سرپرستی کا یقین تھا ہی۔ استغاثہ کی اطلاع نے اسے چراغ پا کردیا اور اس نے عیدو کے گھر میں آگ لگادی۔ اس کی بھی اطلاع پولیس کو ہوئی، تحقیقات کے لئے جو سب انسپکٹر آئے انہوں نے ہمسایہ گھروں کے لڑکوں کا جو سچ سچ واقعہ بیان کررہے تھے اظہار قلمبند نہیں کیا۔ چھوٹے لال کے خلاف کوئی کارروائی پولیس نے نہیں کی۔

(۸) ۱۹۳۸ء میں رامپور کی ایک فرم کے چند آدمی سفری لاری پر گورکھپور آئے اور گانجہ تکھینٹ میں مقیم ہوئے۔ ایک دوران کے ایک ملازم لڑکے اور ایک ہندو لڑکے سے کچھ جھگڑا ہوگیا۔ دو تین ہندو لاٹھیاں لے کر آئے اور ان کے مکان کو گھیر لیا اور رامپوریوں کو زدوکوب کرنے لگے۔ ایک رامپوری نے مدافعت میں چاقو نکالا۔ ہاتھا پائی اور مار پیٹ میں دو ہندوؤں کو بھی زخم لگے۔ پولیس نے پانچ رامپوریوں کا تو چالان کردیا مگر ہندو

بلوائیوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ عدالت سے چار رامپوریوں کو جرمانہ اور ایک کو ۴ ماہ قید کی سزا ہوئی (مقدمہ ۲۶۴/۳۸ عدالت سٹی مجسٹریٹ فیصلہ ار)

(۹) ۱۰ جنوری ۱۹۳۹ء حیدرآباد ڈے منانے کے سلسلہ میں چٹنس پارک میں ہندوؤں کا ایک عام جلسہ ہوا۔ جس میں سخت اشتعال انگیز تقریریں کی گئیں۔ چند ہندو غنڈے اس جلسہ سے نکل کر بھالدار پورہ کی طرف آئے اور سڑک پہ مسلمانوں کو گالی دینے لگے۔ یہ لاٹھیوں اور بھالے سے مسلح تھے ایک لڑکا گلاب خاں نامی اس پہ معترض ہوا۔ ہندوؤں نے اسے لاٹھیوں اور برچھے سے زخمی کیا۔ گلاب خاں کی حالت اسپتال میں کئی دنوں تک نازک رہی اس کا بیان قبل موت بھی لیا گیا۔ اس کی زندگی تھی بچ گیا۔ پولیس آئی حملہ آور موجود تھے چشم دید گواہاں بیانات دے رہے تھے اور ملزموں کو بتا رہے تھے مگر سب انسپکٹر نے ہندو حملہ آوروں سے گفتگو کی اور وہ چلتے ہو گئے۔ چند ذمہ دار مسلمانوں کے شور مچانے اور اصرار پہ ایک ملزم کے مکان کی تلاشی لی گئی۔ اب ملزموں کا پتہ نہ تھا۔ پولیس کو ان کے گرفتار کرنے کے ہدایت ہوئی۔ صبح کو وہی ہندو ملزم جس پر قاتلانہ حملہ کا الزام تھا اور ظاہرا جس کی تلاش میں پولیس تھی۔ کوتوالی پہنچا اور مسلمانوں کے خلاف ایک اطلاع لکھوائی۔ اس کی بھی تحقیقات شروع ہوئی۔ جن کو پہلے مسلمانوں نے ملزم بتایا تھا ان سبھوں نے مسلمانوں کے خلاف الزامات لگائے۔ وہ تمام مسلمان جنھوں نے واقعہ کو آنکھ سے دیکھا تھا اور ہندو غنڈوں کے نام بتانے کی جرات کی تھی بلوہ کے الزام میں گرفتار کر لئے گئے۔ ان میں ایک تعلیم یافتہ معزز مولوی حکیم عبدالوہاب شیرازی بھی تھے اور دوسرے شہری مسلم لیگ کے صدر چاند میاں بھی تھے۔ ان کے علاوہ وہ تین اور مسلمان جن کی موجودگی ہندوؤں کو من مانی کارروائی نہیں کرنے دیتی تھی۔ اس طرح مسلمان گواہ فوراً ملزم بنا دئے گئے۔ اب تقریباً برابر تعداد میں ہندو بھی گرفتار کر کے ضمانت پر چھوڑے گئے۔ پولیس نے چالاکی یہ کی کہ ہندوؤں کا چالان زیر دفعہ ۳۰۷ کیا۔ یعنے اقدام قتل۔

ظاہری طور پر تو یہ معلوم ہوگا کہ بڑا سنگین جرم لگایا۔ لیکن اس میں نکتہ یہ تھا کہ ۳۰۷ میں جوری
کی مدد سے سماعت ہوتی ہے اور جوری کی اکثریت کا ہندو ہونا لازمی ہے۔ جوری کی رائے کے بعد
جج کا اختلاف کرنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔ نتیجہ وہی ہوا جس کے لئے یہ سب داغ بیل ڈالی
گئی تھی۔ غیر مسلم جوری نے تمام ہندو ملزمین کے خلاف (NOT GUILTY)
قصور وار نہیں ہیں) کی رائے دی اور جج نے اس رائے کو مانتے ہوئے انہیں رہا کر دیا۔
مسلمانوں کے خلاف مقدمہ مسٹر پاٹھک مجسٹریٹ فرسٹ کلاس کی عدالت میں چلا۔ کئی
مہینہ کی سماعت کے بعد ایک کو نو ماہ قید سخت اور چار کو چھ ماہ قید سخت کی سزا کا حکم ہوا۔
مجسٹریٹ صاحب نے لکھا کہ "فرقہ وارانہ فسادات کے سلسلہ میں سبق آموز سزا کی ضرورت
ہے"۔ مجسٹریٹ کا یہ کہنا صحیح ہو بشرطیکہ ملزم مسلمان ہو۔ سیشن جج کے یہاں اپیل کی گئی مسٹر
کلارک سیشن جج نے کل مسلمان ملزمین کو بری کر دیا۔ فیصلہ میں سیشن جج نے لکھا ہے کہ
"واقعات سے یہ امر ثابت ہے کہ "بلوہ کرنے والے ہندو تھے"۔ فاضل جج نے پولیس کے خلاف
ریمارکس بھی کئے ہیں اور لکھا ہے کہ "یہ امر تعجب خیز ہے کہ وہ ملزم (ہندو) جس کی تلاش میں
پولیس رات سے تھی جب صبح کو کوتوالی رپورٹ درج کرانے کے لئے پہنچا تو پولیس نے اس
کی آزادی میں مداخلت کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی"۔ سیشن جج کی انصاف پسندی کی
بدولت چند معزز مسلمان جن کو پھانسنے میں پولیس نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی جیل جانے
سے بال بال بچ گئے۔

(۱۰) ۱۹۳۹ء میں پولیس نے ایک شخص جواد حسین نامی پر اغوا کا مقدمہ چلایا۔ ایک
ہندو عورت بھی اعانت جرم میں ماخوذ کی گئی۔ تحقیقات سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ لڑکی راضی
خوشی گئی تھی اور کئی روز اس کے ساتھ رہی۔ صفائی کی طرف سے میونسپلٹی کے اندراج
کی نقل باضابطہ پیش کی گئی کہ لڑکی کی عمر سترہ سال سے زائد ہے۔ اس مقدمہ میں ہندو مہاسبھا
نے بڑی دلچسپی لی۔ مہاسبھا کے والنٹیر لاری میں بیٹھ کر لڑکی کی تلاش میں گھومتے رہے۔ انہیں

پتہ چلا کہ لڑکی ایک گاؤں میں ایک مسلمان کے گھر پر ہے۔ یہ والنٹیروں کا دستہ لاری لے کر وہاں پہنچا۔ مکان کے اندر گھس کر تلاشی لی اور عورتوں کو باہر کر دیا۔ مسلمان نے پولیس میں رپورٹ کی۔ مقدمہ زیر بحث کے دوران سماعت ہندو کوٹوار (ایک طرح کا پولیس چوکیدار) نے اپنے بیان میں کہا کہ "ہندو والنٹیر لاری پر آئے تھے اور مکان کی تلاشی لی تھی۔" لڑکی وہاں نہ نکلی پولیس نے ان ہندو والنٹیروں کے خلاف مسلمان کی رپورٹ اور کوٹوار کی شہادت عینی کے باوجود کوئی کارروائی ضروری نہ سمجھی۔ عدالت نے ہندو عورت کو بری کر دیا۔ اور مسلمان کو قید اور جرمانہ کی سزا دے دی۔ سیشن جج کے یہاں اپیل کی گئی۔ مسٹر کلارک سیشن جج نے جواد حسین کو بری کر دیا۔

(۱۱) ۱۹۳۹ء ہی کا واقعہ ہے کہ ایک مسلمان لڑکا پیر خاں ساکن محلہ ٹمکی اسی محلہ کے ایک ہندو دوکاندار کے پاس سودا لینے گیا۔ اس نے سودا جلدی دینے کو کہا اس پر دوکاندار نے سخت کلامی اور زبانی حجت کے بعد دوکاندار اور اس کے ہمدردوں نے لڑکے کو خوب مارا اور اس کا گلا گھونٹنے لگا۔ بعض لوگوں نے چھڑا دیا۔ لڑکے نے پولیس میں رپورٹ کی پولیس نے اسپتال بھیجا۔ ڈاکٹر نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ اس کے گلے کے گرد مسلسل خراش کے نشانات تھے اور ضربوں کے جسم پر اور بھی نشانات تھے۔ مگر پولیس نے ہندو دوکاندار اور اس کے ہمدردوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ لڑکے کے مارنے کی اطلاع اسی وقت محلہ کے چند مسلمانوں کو بھی ملی۔ بعض اشخاص نے بنئے سے کہا کہ ایسی حرکت بے جا تھی۔ بنئے اور اس کے ہمدرد ان سے الجھ پڑے اور ہاتھا پائی پر اتر آئے۔ معمولی تکرار ہوئی۔ بنئے کے ایک ہمدرد کالی چرن نے پولیس میں رپورٹ کی اور آٹھ ایسے مسلمانوں کے نام بتائے جو اس محلہ میں مسلمانوں میں سب سے زیادہ صحت مند اور تگڑے تھے اور مسلمانوں کی طاقت سمجھے جاتے تھے پولیس کو نعوذ اللہ ایسا موقع دے فوراً آٹھوں نوجوانوں کو گرفتار کر کے ان کا چالان کر دیا

گیا۔ ضرب کے متعلق پولیس نے جس ڈاکٹر کو گواہی میں پیش کیا اُس نے بیان دیا کہ کالی چرن
کے جسم پر ضرب کا صرف ایک نشان تھا۔ وہ بھی ہاتھ کی مٹھی پر بہت معمولی کسی پتلی لکڑی
سے لگایا ہوا۔ ایک روز ان ملزمین کے مارنے کے لئے ہندوؤں نے بڑا انتظام کیا کچہری
سے آنے والی سڑک پر لاٹھیاں لے کر چھپے بیٹھے۔ مگر ملزمین نے دیکھ لیا۔ کچہری واپس
گئے۔ وہاں انہیں ایک انگریز پولیس افسر (یہ ڈی۔ڈی۔ ایس پی تھے) نظر آیا۔ اُس سے
سب حالات کہے اُس نے ایک سب انسپکٹر کو ساتھ کر دیا جو انہیں مکان تک پہنچا گیا۔ سب
انسپکٹر کو دیکھ کر حملہ آور اِدھر اُدھر ہو گئے۔ رات کو انہیں دروازہ شام ہی سے بند رکھنا پڑا
ہندوؤں کی ٹولیاں پولیس کی شئے پا کر اُن کی تاک میں گھومتی رہیں اور مکان کے بھی کئی
چکر کاٹے۔ صبح انہوں نے پولیس میں اطلاع دی وہاں کوئی شنوائی نہیں ہوئی اس واقعہ
کے بعد مقدمہ کی دوسری تاریخ پر جب یہ لوگ کچہری جانے لگے تو گذشتہ واقعہ کے پیش نظر
بطور احتیاط دو آدمیوں نے اپنے ہاتھ میں مدافعت کی غرض سے لکڑی رکھ لی جب یہ کچہری
سے شام کو واپس ہوئے تو اِن کے جانے کے بعد ہی سٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب اپنی موٹر
لے کر ان کے پیچھے ہوئے اور راستہ میں مسٹر شریف صاحب کے بنگلہ کے پاس انہیں
روک کر خوب مغلظات سُنائیں، جوش میں نہ صرف اِن کو بلکہ تمام مُسلمانوں کو بدمعاش
لُچے اور کمینہ کہہ ڈالا۔ اِن سے دو لکڑیاں جو اِن کے پاس تھیں چھین لیں، ان ملزموں
نے اُسی وقت ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ڈپٹی کمشنر کے بنگلہ پر جا کے سارا حال
کہہ سُنایا۔ مگر حکومت کے لاڈلے پولیس افسر کا خصوصًا ایسی حالت میں جبکہ وہ حکومت
کے مدعائے ذہنی کی تکمیل کر رہا ہو کون کچھ بگاڑ سکتا تھا۔ اس سلسلہ میں یہ امر بھی قابل
تذکرہ ہے کہ واقعہ کے تیسرے روز مسٹر شریف نے جو کانگریس اسمبلی پارٹی میں واحد مسلمان
ممبر تھے اس واقعہ کے متعلق تحریک التوا پیش کرنے کا نوٹس اسمبلی کے اسپیکر کو دیا مگر
انٹر نیشنل آرین لیگ کے صدر مسٹر گپتا نے جو اسمبلی کے اسپیکر ہیں اس کے پیش کرنے

کی "عارضی رضامندی" دینے سے بھی انکار کر دیا۔ مقدمہ کی سماعت کئی مہینے ہوتی رہی۔ دوران مقدمہ میں محلہ کے بعض صلح کل ہندو مسلمانوں کے بیچ میں پڑنے سے یہ طے ہوا کہ مقدمہ اٹھا لینے کی درخواست دی جائے۔ چنانچہ مستغیث تمام ہندو گواہوں، اور ملزمین کے دستخط سے ایک درخواست ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو دی گئی کہ طرفین میں مفاہمت ہو گئی ہے اس لئے تعلقات کے بہتر بنانے کے مفاد میں مناسب یہی ہے کہ مقدمہ اٹھا لیا جائے۔ ہمارے سٹی سپرنٹنڈنٹ نے اس امر کی سخت مخالفت کی اور اُن کی مخالفت کی وجہ سے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مسٹر مصرا نے جن کے حوالہ یہ درخواست بغرض فیصلہ کی گئی تھی مقدمہ اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ مقدمہ کو کامیاب بنانے میں پولیس نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر مقدمہ کے جھوٹے اور بناوٹی ہونے کے باعث مسٹر اگروال مجسٹریٹ نے ملزمین کو بری کر دیا۔ مجسٹریٹ نے اپنے فیصلہ میں اس واقعہ کو صحیح مانا ہے کہ دو ہندو دوکانداروں نے مسلمان لڑکے کو "بری طرح مارا تھا" یعنے اس طرح زیادتی کا مرتکب وہ ہندو دوکاندار ہوا جس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی گئی۔ اور بے گناہ مسلمانوں کو جیل بھیجنے اور پریشان کرنے کے لئے ہر طرح کی تدبیریں کی گئیں۔

(۱۲) ۱۹۳۹ء کا محرم بخیر و عافیت گذر گیا اگرچہ ہندوؤں کی طرف سے کئی جگہ اشتعال انگیزی ہوئی اور تعزیہ کی توہین کی بھی کوشش کی گئی۔ اب ہولی آئی۔ ۸ مارچ ۱۹۳۹ء کو ہندوؤں کا ایک بڑا جلوس صبح کے وقت چٹنس پارک سے نکلا۔ مختلف سڑکوں سے ہوتا ہوا احمد علی روڈ مومن پورہ پر آیا۔ اس سڑک پر دو مسجدیں ہیں۔ اور یہ بالکل مسلمانوں کا محلہ ہے۔ مسلمانوں کا بیان ہے کہ اس سڑک پر کوئی جلوس کبھی باجہ کے ساتھ نہیں گذرا۔ اس کے ثبوت میں وہ یہ بتاتے ہیں کہ کئی سال ہوئے حکومت نے ایک کمیشن اس غرض کے لئے مقرر کیا تھا کہ ناگپور شہر کے اندر مسجدوں کے سامنے باجہ کے مسئلہ کی تحقیقات کر کے حکومت کو رپورٹ پیش کرے۔ اس کمیشن کے ممبر ایک انگریز

ایک مسلمان اور ایک ہندو ممبر سب کے سب اعلیٰ عہدہ دار تھے مقرر کئے گئے تھے۔ حکومت نے یہ رپورٹ شائع نہیں کی لیکن مسلمانوں کا یہ دعویٰ ہو کہ اس کمیشن کی اکثریت نے یہ مان لیا تھا اور حکومت کو بھی رپورٹ کی تھی کہ محمد علی روڈ پر باجہ کبھی نہیں بجا ہو اور یہاں کی مسجدوں کے سامنے کسی وقت باجہ بجنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے۔ بہرحال جب یہ جلوس محمد علی روڈ پر آیا تو جلوس والوں سے اور مسلمانوں سے کچھ جھگڑا ہو گیا۔ کئی ہندو اور مسلمان زخمی ہوئے۔ سٹی سپرنٹنڈنٹ۔ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس، اور ڈپٹی کمشنر جائے وقوع پر پہنچے، بہت سے ہندو مسلمان کارکن بھی پہنچے۔ جس وقت یہ تمام افسر آگئے تھے مولانا حکیم اسرار احمد۔ مسٹر سعید حیات وکیل اور سید صلاح الدین جمالی مقامی لیگ کے سرگرم اور با اثر کارکن بھی وہاں پر موجود تھے۔ یہ تینوں اصحاب اُس ودیا مندر ستیہ گرہ کی وار کونسل کے ممبر تھے جو اس واقعہ سے ایک ماہ قبل ناگپور میں تقریباً پندرہ روز جاری رہی تھی اور جس میں دو سو سے زائد مسلمانوں نے حکومت کے خلاف ستیہ گرہ کر کے اپنے کو گرفتار کرایا تھا۔ ان افسروں نے ان اصحاب سے مسلمانوں کو جمع نہ ہونے دینے اور امن قائم رکھنے میں امداد کی درخواست کی اور یہ بھی کہا کہ آپ لوگ یہیں پر رہیں تو اچھا ہو تاکہ کوئی بات نہ ہونے پائے۔ مسلمانوں نے ناکہ پر جا کر رپورٹ کی، اور سٹی سپرنٹنڈنٹ کی ہدایت کے مطابق گواہوں کو بھی لے گئے۔ ہندوؤں کی طرف سے بھی مسلمانوں کے خلاف رپورٹ ہوئی جو مسلمانوں کی رپورٹ کے آدھ گھنٹہ بعد آئی ناکہ پر جبکہ یہ تینوں حضرات اور بہت سے دوسرے مسلمان بیٹھے ہوئے سٹی سپرنٹنڈنٹ سے بات کر رہے تھے سٹی صاحب نے اسپتال سے مجروحین کو بلوایا اور کہا کہ آپ لوگ دیکھ لیجئے کہ مسافر بھی زخمی ہوئے ہیں۔ ان اصحاب سے اور مجروحین سے بات چیت ہوئی۔ اُسی روز شام کو تقریباً ان تمام مسلمانوں کی ناکہ پر طلبی ہوئی جنھوں نے دن کو پولیس کے سامنے بیان دیا تھا اور انہیں ہندوؤں سے شناخت کرایا گیا۔ تین

مسلمان اُس روز گرفتار کئے گئے۔ جن کی ضمانت سید صلاح الدین نے کی۔ دوسرے روز صبح کو چند ہندوؤں کی شناخت مسلمانوں سے کرائی گئی۔ صلاح الدین جمالی پولیس کی اجازت سے شناخت کے وقت موجود تھے انہوں نے پولیس سب انسپکٹر سے کہا کہ مسلمان زخمیوں کو شناخت میں شامل کیا گیا تھا۔ مگر ہندو زخمیوں کو اس شناخت میں نہیں بٹھایا گیا ہے انسپکٹر نے کہا کہ آپ صرف دیکھئے ہمارے کاموں میں دخل مت دیجئے۔ عرصہ تک شناخت کا سلسلہ چلتا رہا۔ مسٹر سعید حیات وکیل نے ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کو درخواست دی کہ گواہوں کو تیار کیا جارہا ہے اور چھپا کر انہیں مسلمانوں کو دکھایا جاتا ہے۔ بہرحال آٹھ ہندوؤں کا زیر دفعہ ۱۴۷ چالان کیا گیا اور گیارہ مسلمانوں کا (جن میں یہ تینوں حضرات اور بہت سے وہ مسلمان جنہوں نے رپورٹ دی اور پولیس کے سامنے واقعہ کے روز بیان دیئے بھی تھے) زیر دفعہ ۱۴۷ ۔ ۳۲۵ اور ۱۱۴ تعزیرات ہند چالان کر دیا گیا سعید حیات صاحب وکیل اور صلاح الدین جمالی کی شناخت واقعہ کے سوا مہینہ بعد کرائی گئی اور اُسی روز گرفتار کئے گئے انہیں تین پولیس کانسٹبل اور دو ہیڈ کانسٹبلوں سے بھی شناخت کرایا گیا۔ اِن کانسٹبلوں نے کسی اور شناخت پریڈ میں کسی کو شناخت نہیں کیا تھا۔ حکیم اسرار احمد صاحب کی گرفتاری کے لئے دہلی پولیس کو اطلاع دی گئی کیوں کہ وہ اُس زمانہ میں دہلی میں تھے۔ مگر حکومت کی اطلاع پہنچنے سے پہلے حکیم صاحب دہلی سے روانہ ہو چکے تھے۔ عدالت میں چالان پیش ہونے پر عدالت کو یہ کہہ دیا گیا تھا کہ حکیم صاحب موصوف فلاں تاریخ تک حاضر ہوں گے عدالت نے اِن کی حاضری کے لئے ایک تاریخ مقرر کر دی تھی۔ حکیم صاحب تاریخ پیشی سے کئی روز قبل ناگپور آ گئے تھے انہیں حاضری کی تاریخ سے پہلے عدالت سے وارنٹ حاصل کئے بغیر گرفتار کرایا گیا سعید حیات صاحب وکیل صلاح الدین صاحب اور حکیم اسرار احمد صاحب نے اپنی اپنی گرفتاری کے وقت ضمانت دینے سے انکار کر دیا تھا اور کئی دنوں تک جیل میں رہے بعد میں دستوں

اور ہمدرد وکلاء کے اصرار سے ضمانت پر رہا ہوئے - اس مقدمہ میں پولیس نے مسلمانوں کے خلاف ۲۳۶ گواہان استغاثہ کی فہرست پیش کی اور کچھ مزید گواہ طلب کرنے کی درخواست بعد میں دی - ہندوؤں کے خلاف بائیس گواہ تھے جن میں وہ پانچوں کانسٹیبل اور ہیڈ کانسٹیبل بھی تھے جو اپنا موقع پر موجود ہونا بتاتے ہیں - ہندوؤں کے مقدمہ میں ان کانسٹیبلوں کو سمن دینے کے بعد فہرست گواہاں سے خارج کر دیا گیا کہ ان کا نام اس مقدمہ میں غلطی سے بطور گواہ دے دیا گیا تھا - مسلمانوں کے مقدمہ میں ان میں سے کئی کی گواہی ہو چکی ہے - سعید حیات صاحب وکیل اور صلاح الدین کو ضلع کی حوالات سے عدالت کے کمرہ تک ہتکڑی پہنا کر لایا گیا - چونکہ یہ مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے اس لئے موٹے موٹے واقعات بیان کر دیئے گئے ہیں واقعات اور نکات زیر بحث ہیں اُنہیں بیان کرنے سے اجتناب کیا گیا ہے اور نفس مقدمہ پر کوئی نکتہ چینی کرنے اور پولیس کے طرز عمل کا تار پود بکھیرنے سے بھی اسی باعث معذوری ہے - صرف اتنا اور بتانا ہے کہ ہندو گواہوں نے جتنے نام بتائے تھے اُن میں سے دو کو چھوڑ کر سب گرفتار کیے گئے - مگر مسلمان گواہوں نے جتنے نام بتائے تھے اُن میں سے بڑی تعداد کو نہیں گرفتار کیا گیا -

نوٹ :- دسمبر ۱۹۴۰ء میں جبکہ تمام ملزمین کو پورے ۲۰ ماہ اچھی طرح پریشان اور زیر بار کر لیا گیا تو حکومت نے یہ مقدمہ اُٹھا لیا - مگر ساتھ ہی ساتھ ہندوؤں کے خلاف بھی مقدمہ اُٹھا لیا گیا -

(۱۳) جولائی ۱۹۳۹ء میں ہندو غنڈوں کی ایک ٹولی نے صدر بازار میں ایک مسلمان کے گھر پر دھاوا کیا - یہ لوگ لاری میں بیٹھ کر مہلک ہتھیاروں سے مسلح آئے تھے - یہ غنڈے شوہر کی عدم موجودگی میں غریب مسلمان کی بیوی کو بہ جبر اُٹھا کر لے گئے - پولیس میں اطلاع دی گئی - چند روز بعد وہ عورت کسی طرح سے بھاگ کر اپنے شوہر کے پاس آ گئی - یہ خود ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے پاس گئی اور سارا حال اور ملزمین کا پتہ نشان بتایا

ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے اس کی تحقیقات ایک خاص افسر کے سپرد کی اور متعدد ہندو گرفتار ہوئے۔ جب اِن کے مکان کی تلاشی لی گئی تو کافی تعداد میں مہلک ہتھیار اور قابل اعتراض سامان برآمد ہوا۔ محکمہ پولیس سے معاملہ میں بغیر برابر یا زائد تعداد میں مسلمانوں کا چالان کئے ہوئے ہندو غنڈوں کو گرفتار کرنے کی غلطی اس وجہ سے سرزد ہوئی کہ اُن دنوں جناب رائے بہادر تارا چند صاحب چھٹی پر گئے ہوئے تھے۔ ورنہ کانگریسی دور میں ناگپور کے اندر اُن کا یہ بلا استثنا اصول رہا کہ فرقہ وارانہ معاملات میں یا صرف مسلمانوں کا چالان ہو یا ہندو مسلمان دونوں کا جیسا کہ اوپر دئیے ہوئے واقعات سے ثابت ہے۔

(۱۴۱) ۲۵ر جون ۱۹۳۹ء کی شب کو متعدد ہندو غنڈوں نے ایک مسلمان شیخ محی الدین پر امپیریل بار کے قریب قاتلانہ حملہ کیا۔ اس محلہ میں ایک بزرگ کا مزار ہے۔ اِس غریب کو بہت عقیدت تھی اور وہ اکثر وہاں جایا کرتا تھا۔ اِن پر کلہاڑے اور دیگر دھار دار ہتھیاروں سے حملہ کیا گیا۔ یہ جس وقت اسپتال لائے گئے تو زخموں کی شدت کے سبب بات کرنے کے قابل نہ تھے۔ بالآخر یہ زخموں سے جاں بر نہ ہو سکے اور چند روز بعد اسپتال ہی میں انتقال کر گئے۔ مرنے سے پہلے انہوں نے اپنے حملہ آوروں کا پتہ دیا تھا۔ رائے بہادر تارا چند ابھی چھٹی ہی پر تھے اس لئے مقدمہ کی تفتیش میں تھوڑی سی سرگرمی رہی اور چند گرفتاریاں اور خانہ تلاشیاں ہوئیں، بعض مشتبہین فرار ہو گئے۔ پولیس نے ان کی تلاش شروع کی۔ بقیہ گرفتار شدہ ملزمین حوالات میں رہے۔ تھوڑے دنوں کے بعد ان ملزمین کی ضمانت ہو گئی۔ اور اس کے کچھ دنوں بعد ثبوت فراہم نہ ہونے کے باعث مقدمہ اٹھا لیا گیا۔ جس وقت گرفتاریاں ہوئی تھیں اُس وقت کوتوال شہر رائے بہادر صاحب کے چھٹی پر ہونے کے باعث سردار ارجن سنگھ تھے اور جس وقت ملزمین کی ضمانتیں ہوئی ہیں اور مقدمہ اٹھایا گیا ہے اُس وقت رائے بہادر

تاہم چند صاحب مسلمانوں کی سخت مخالفت اور شدید احتجاج کے باوجود حکومت کی عنایت سے پھر ناگپور کوتوالی کے انچارج ہوچکے تھے۔

(۱۵) رائے بہادر صاحب کے آنے کے بعد صدر اور گڈی گودام کے محلوں میں ہندوؤں کی شورشیں بہت بڑھ گئیں۔ ہر وقت بلوہ اور فساد کا اندیشہ پیدا ہوگیا۔ مسلمانوں نے حکام کی توجہ اس طرف مبذول کرائی۔ لیکن کانگریسی حکومت نے رائے بہادر صاحب کو شہر کا ٹھیکہ دار بنا دیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے وہی اپنا پرانا نسخہ استعمال کیا۔ یعنی مسلمانوں کی طرف سے کسی جارحانہ واقعہ کے ارتکاب کا ثبوت نہ ہونے کے باوجود ان دونوں محلوں کے متعدد ہندوؤں کے ساتھ بہت سے شریف۔ تعلیم یافتہ اور تاجر مسلمانوں کا بھی دفعہ ۱۰۷ میں چالان کر دیا۔

(۱۶) بھنڈارہ:۔

فروری اور مارچ ۱۹۳۹ء میں ہندو غنڈوں نے مسلمانوں کو چھیڑنے کا یہ نرالا طریقہ نکالا تھا کہ کیسر پورہ میں سیتارام کے اکھاڑہ کے پاس دو چار ہندو کھڑے ہو جاتے اور تنہا جانے والے مسلمان سے پوچھتے کہ بتاؤ اورنگ زیب اچھا تھا یا شیواجی اور مسلمان کے جواب پر کہ اورنگ زیب اچھا تھا اُسے طمانچہ لگا دیتے۔ ایسے واقعہ کی تقریباً ایک درجن رپورٹ پولیس کو کی گئیں مگر پولیس نے کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔

برار ڈویژن

(۱) ضلع اکولہ:۔

(۱) دھہکمر:۔

یہاں مسجد کے سامنے باجہ نہیں بجا کرتا تھا۔ یہاں صدر سڑک پر دو مسجدیں ہیں

بقیہ گلیوں میں ہیں۔ چند کہنہ مسجدیں بھی ہیں۔ باجہ اِن کے سامنے بھی نہیں بجتا تھا۔ ہندوؤں نے اس سلسلہ میں کئی بار پاؤں پھیلانے کی کوشش کی مگر زیادہ دال نہ گلی لیکن کانگریسی راج میں انہیں اپنے دل کا حوصلہ اور وہ بھی پورے انتقام کے ساتھ نکالنے کا موقع مل گیا۔ جب ہندو درخواست دیتے تھے کہ وہ باجہ بجائیں گے تو حکام پابندیاں عائد کر دیتے تھے۔ کبھی مسلمانوں کی عذرداری کے سبب حکام بیچ میں پڑ جاتے تھے۔ اور انہیں کھل کھیلنے کا موقعہ نہیں ملتا تھا۔ ۱۹۳۹ء میں ہندو سیدھے وزارت کے پاس پہنچے کہ اُن پر مسجد کے سامنے باجہ بجانے میں حکام کی طرف سے رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں، رام راج میں یہ کیسے مناسب ہے۔ ہر قوم کی نمائندہ اور انصاف و صداقت کی مدعی کانگریسی وزارت نے ہندوؤں سے یہ نہیں کہا کہ تم دیوانی سے اپنے حق میں فیصلہ کرا لو۔ بلکہ ایک سرکاری بیان اگست ۱۹۳۹ء میں جاری کیا کہ ہندوؤں کو مسجد کے سامنے باجہ بجانے کا حق ہے اور اس حق کے استعمال میں حکومت ان کی ہر طرح محافظت کرے گی۔ چنانچہ ۱۹۳۹ء کے گاندھی جنم دن اور گنپتی کے جلوس کے موقع پر اس فتح کا مظاہرہ اس دھوم دھام سے کیا گیا کہ مسلمانوں کو اپنے محکوم ہونے کا پورا پورا احساس ہو جائے۔ ہندوؤں نے ایک بہت بڑا جلوس نکالا جس میں شہر کے تمام معززین، تاجر، اور ہندو افسران نے حصہ لیا مقامی سب جج نے اپنی موٹر عاریتاً دی۔ اور اس جلوس کے ساتھ برسرِ حکومت قوم کے طاقت و جبروت کے اظہار کے لئے اس چھوٹے سے قصبہ میں جہاں مسلمانوں کی آبادی مرد، عورت، بچے ملا کر ایک ہزار کے قریب ہے۔ آٹھ سب انسپکٹر، پندرہ ہیڈ کانسٹیبل چالیس بندوقوں سے مسلح چالیس پولیس مین، اور بیس کانسٹیبل ہمرکاب ہوئے۔ حکومت کا فرمان موجود۔ مقامی افسروں کی حمایت حاصل اور مسلح پولیس کا دستہ ساتھ۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کے جوش و خروش کا کیا عالم ہوگا۔ جلوس کو ہر مسلمان کے مکان کے سامنے لے جانا اور وہاں چیخ چیخ کر اور رُک رُک کر نعرے لگانا لازمی قرار دیا گیا۔ ایسی ایسی گلیوں

سے گذر اگیا۔ جہاں آج تک کوئی جلوس نہیں گذرا تھا مسجد کے سامنے دیر تک ٹھہرنا اور خوب خوب جے کارے لگانا تو قطعی ضروری تھا۔ ایک مسجد بہت ہی تنگ گلی میں ہے جس کا نام حنفیہ مسجد ہے۔ یہ گلی اتنی تنگ ہے کہ موٹر یا گاڑی کیا ٹھیلہ تک نہیں جا سکتا ہے۔ محض اس مسجد کے سامنے باجہ بجانے کے لئے جلوس کو اس گلی میں لیجایا گیا۔ تمام گاڑیاں موٹر پر روک لی گئیں اور باجہ اور ہندوؤں کا ہجوم ترنگے جھنڈے کے ساتھ مسجد کی طرف گیا اور مسجد کے سامنے خوب اچھی طرح باجہ بجانے کے بعد تنگ گلیوں سے ہوتا ہوا سڑک پر آیا جہاں گاڑیاں وغیرہ کھڑی کی گئی تھیں۔ جامع مسجد کے سامنے ایک بار کی بجائے تین بار کنپتی کے جلوس کو باجہ کے ساتھ لایا گیا اور مڑ کر باجہ بجایا گیا۔ اس تمام چڑھانے کا مقصد اپنی فتح کا ڈنکا بجانے کے علاوہ یہ بھی تھا کہ مسلمان الجھیں تو انہیں مجھون دیا جائے۔

(۲) مرتضیٰ پور:—

(۱) جیسے ہی کانگریسی حکومت برسر اقتدار ہوئی یہاں کے ہندوؤں نے شرارتیں شروع کر دیں۔ پہلے یہ کہا گیا کہ صرف مذہبی جلوس کے ساتھ باجہ بجایا جائے گا۔ چنانچہ پہلے ہی ۱۹۳۷ء دسہرہ کے موقع پر سیوک سنگھ کے والنٹیروں نے مسجد کے سامنے باجہ بجایا۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ دو چار جلوس اور نکالے گئے جب مسلمانوں کے احتجاج کی شنوائی نہ پولیس میں ہوئی نہ حکومت میں تو جلوس کو باجہ بجاتے ہوئے مسجد کے سامنے لے جانے کا ایک تانتا بندھ گیا۔ مقصد صرف جلوس نکالنا نہیں بلکہ مسلمانوں کو چڑھانا ہوتا ہے۔

(۲) ۵ مارچ ۱۹۳۹ء کو محرم کے سوم کے سلسلہ میں کچی بازار میں وعظ ہو رہا تھا۔ ہندوؤں کا ایک ہولی کا جلوس جس کے ساتھ ۱۹۳۹ء کے ہر مقام کے ہولی کے جلوس کی طرح پولیس نہ تھی ہنگامہ کرتا ہوا قصداً اُس طرف سے گذرا۔ پہلے گالی گلوج اور زبردستی رنگ ڈالنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ اُس کے بعد مار پیٹ شروع کر دی گئی سات

مُسلمان بہت بُری طرح زخمی ہوئے۔ ایک مُسلمان شکو نامی کی ٹانگ اس طرح ٹوٹی کہ وہ ہمیشہ کے لیئے معذور ہو گیا۔ یوں تو مسلمان بہت زیادہ زخمی ہوئے لیکن اُن کو پولیس نے ڈاکٹر کے پاس نہیں بھیجا۔ اور ٹال دیا۔ بہت سے مُسلمان اِس ڈر سے ڈاکٹر یا پولیس کے پاس نہیں گئے کہ جو جاتا تھا اُس کے ملزم بن جانے کا قوی خطرہ تھا۔ یہ سات وہ ہیں جن کو طوعاً کرہاً شدید ضربات کی سرٹیفکیٹ مل گئی۔ ہندوؤں کے محض معمولی خراش کے نشان رکھنے والوں کو بھی ڈاکٹری سرٹیفکیٹ عنایت کی گئی اور اِس طرح ہندو زخمیوں کی تعداد ۵۱ تک پہنچائی گئی۔ اِن میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جسے شکو رکی طرح ضرب آئی ہو۔ قصور وار صرف مسلمان ٹھہرے اور چھیالیس مسلمانوں کا چالان زیر دفعہ ۱۴۹، ۱۴۸، ۳۲۵ اور ۳۲۶ کر دیا گیا۔ مقدمہ ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔

(۳) محلہ مُبارک پور میں مُسلمانوں کا ایک قبرستان ہے۔ ۸ راپریل ۱۹۳۹ء کو ایک ہندو لڑکی کو یہاں دفن کر دیا گیا۔ مسلمانوں کے احتجاج کرنے پر اُنہیں گالیاں، اور مرمت کر دینے کی دھمکی دی گئی، تھانہ میں رپورٹ کرنے وقت سب انسپکٹر نے رپورٹ کرنے والے مسلمان کو بہت بُرا بھلا کہا۔ ڈی۔سی۔ ڈی۔ایس۔پی اور وزیراعظم کو تحریری درخواستیں دی گئیں۔ حکومت نے تو یہ مستقل پالیسی اختیار کر رکھی ہے کہ مسلمانوں کو کہے کہ دیوانی جاؤ مگر ہندوؤں کے لیئے دیوانی کے تمام مراحل خود ہی طے کر دے۔ اس لیئے وہاں سے یہ جواب ملا کہ یہ مشترکہ قبرستان ہے۔

(۴) باسم :-

یہاں پہلے مسجد کے سامنے باجہ بالکل نہیں بجتا تھا۔ ہندوؤں نے بلوہ فساد کر کے اتنی ترقی کر لی کہ باجہ بجے مگر نماز کے اوقات میں نہ بجایا جائے۔ کانگریسی راج میں یہ پابندی بھی ختم ہو گئی۔ اور اب دھڑکے کے ساتھ نماز کے وقت بھی باجہ بجایا جاتا ہے۔ بلکہ جلوس قصداً عین نماز کے وقت مسجد کے سامنے لائے جاتے ہیں ۱۹۳۹ء

میں پولا کے تہوار کے دوسرے دن ایک جلوس جس کی رہنمائی کانگریسی حضرات کر رہے تھے عین نماز کے وقت جامع مسجد اور قلعہ کی مسجد کے سامنے باجہ بجاتے ہوئے جلوس روکا گیا۔ ستمبر ۱۹۳۹ء میں دسہرہ کے دوسرے دن سیوک سنگھ کے والنٹیر عصر کی نماز کے وقت جلوس لے کر نگینہ مسجد کے پاس پہنچے اور دیر تک باجہ بجاتے رہے۔

(۴) اکولہ :۔

بارد سے سبھا پتی کے احاطہ میں ایک پرانا قبرستان ہے۔ اس میں چند مزارات بزرگوں کے ہیں جن پر برابر فاتحہ خوانی ہوتی ہے۔ اس قطعہ زمین کو ایک ہندو سیٹھ نے خرید لیا اور ۱۹۳۷ء میں مقامات کی تعمیر کے سلسلہ میں کئی قبروں پر بھی پھاوڑے چلا دیئے۔ توہین مقابر کی دفعہ سے یہ مستثنیٰ ہے۔ باوجود اطلاع پولیس نے کوئی کارروائی نہیں کی۔

(۵) سکارنجہ :۔

(۱) ۲۸ جون ۱۹۳۹ء کو چند غریب مسلمان عورتیں ایک ہندو محلہ سے گذر رہی تھیں، ایک جگہ چند ہندو لڑکے کھیل رہے تھے اور چند ہندو بیٹھے ہوئے تھے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اتفاقیہ طور پر یا دانستہ، بہرحال پتھر ایک مسلمان عورت کو لگا۔ عورت نے کہا کہ راستہ ہے۔ دیکھ کر کھیلو۔ لڑکوں نے مذاق اڑانا اور تمسخر کرنا شروع کر دیا۔ اس پر جب عورت بگڑی تو چند اور ہندو آ گئے اور سخت کلامی کرتے ہوئے کہا کہ "دو ابھی کیا ہے؟ تم سب کو تو گھروں میں سے کھینچ کھینچ کر بے عزت کیا جائے گا" عورتیں آبرو بچا کر چلی گئیں پولیس کو اطلاع دی گئی۔ صدائے برنخواست۔

(۲) اگست ۱۹۳۹ء میں مارواڑی پورہ کے ایک مندر کے دروازہ کے سامنے ایک غلیظ سے بھری ہوئی ہنڈیا پائی گئی۔ اس مذموم حرکت کے کرنے والوں کی تلاش ہوئی ہندوؤں کی طرف سے چشم دید گواہ پیش ہوئے کہ انہوں نے دو مسلمانوں کو ایسا کرتے

دکھایا ہے جن دو مسلمانوں کے نام لئے گئے وہ اُس خاندان کے فرد تھے جو قصبہ کے مسلمانوں پر اثر رکھتے ہیں، اور مسلمانوں کے کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں۔ ایک منصب علی صاحب کے کم عمر لڑکے عبدالرحمٰن کا نام بتایا گیا اور دوسرا زاہد علی کا۔ ان کے مکانات جس جگہ واقعہ ہوا تھا وہاں سے تقریباً ½ فرلانگ دور ہیں۔ پولیس نے ان دونوں کا چالان زیر دفعہ ۲۹۵ کر دیا۔ اکتوبر ۱۹۳۹ء میں ایس۔ ڈی۔ او اکولہ کی عدالت نے فرد جرم لگائے بغیر ان کو بری کر دیا۔ یقیناً غلیظ رکھنے والے کی حرکت خواہ وہ کوئی کیوں نہ ہو حد درجہ قابلِ نفرت ہے اور وہ سزا کا مستحق لیکن ایک معزز گھر کے دو افراد پر جو وہاں سے بہت دور رہتے ہوں صرف اس لئے تہمت لگانا کہ وہ سربرآوردہ مسلمان ہیں اُن کو پھانسنا چاہیئے ہندوؤں کی ذہنیت کو واضح کرتا ہے۔ پھر ہندو کسی پر الزام لگا دے پولیس چالان کے لئے تیار بیٹھی رہتی ہے۔ مگر مسلمان ثبوت پر ثبوت دے تب بھی معاملہ گاؤ خوردہو کر رہ جاتا ہے۔

(۳) اسی زمانہ میں چند مسلمان پردہ نشین عورتیں ایک لڑکے کے ساتھ ایک تقریب میں شرکت کر کے ساڑھے دس بجے شب کو واپس ہو رہی تھیں۔ جب وہ ایک ہندو ہوٹل کے سامنے سے گذریں تو رام کنور کانسٹبل نے جو وہاں کھڑا تھا اور چند ہندوؤں نے جن کے ساتھ یہ کانسٹبل ہنسی مذاق کر رہا تھا ناگفتہ بہ کلمات ان عورتوں کی شان میں استعمال کئے۔ مسلمان لڑکے نے اعتراض کیا۔ اس پر تمسخر اور بڑھا اور لڑکے کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ عورتیں معہ لڑکے جلدی آگے بڑھ گئیں۔ پولیس میں اطلاع دی گئی۔ مگر یہ ہندو کا معاملہ تو تھا نہیں کہ فوراً کارروائی کی جاتی۔ ہندو نے مسلمان کو گالی دی تھی اور چھیڑا تھا وہ بھی رام راج کا کانسٹبل۔ معاملہ داخل دفتر کر دیا گیا۔

(۴) عبدالرزاق ڈرائیور کی موٹر سے ایک معمولی سا سانحہ ہو گیا۔ پولیس نے ابتدا

تحقیقات معاملہ قابل چالان نہ سمجھا۔ ہندوؤں نے صرف اِس وجہ سے کہ اس ڈویژن کا بھائی مسلمانوں کے کاموں میں بہت دلچسپی لیتا ہے، ڈی۔ایس۔پی کو درخواست دی۔ ہندو کی ہر بات پر کان دھرنا حکام کا فرض تھا۔ اس لئے دوبارہ تحقیقات کا حکم ہوا اور مقدمہ زیر دفعہ ۲۷۹ اس کے خلاف چلایا گیا لیکن عدالت نے فرد جرم لگائے بغیر بری کر دیا۔ اس معمولی واقعے کے تذکرہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ہندوؤں کی معمولی معمولی درخواست پر کتنی جلد اور کتنی موثر کارروائی کی جاتی ہے لیکن مسلمان سر پیٹتا رہتا ہے کان تک جوں تک نہیں رینگتی۔

(۶) کیٹو تھال (پرگنہ دھمنی تحصیل مرتضیٰ پور)

اس گاؤں میں ایک مزار ہے جو درزی شاہ اور راجی شاہ کی درگاہ کے نام سے موسوم ہے۔ ہندوؤں نے اس پر پنڈ لا کر رکھ دیا اور زبردستی قبضہ کر لیا۔ پولیس نے کوئی کارروائی نہیں کی حسب دستور مسلمانوں کو دیوانی عدالت جانے کے لئے کہا گیا۔

(۲) ضلع بلڈانہ :۔

(۱) ملکاپور :۔

(۱) ۵ مارچ ۱۹۳۹ء کو مسلمانوں کے ندی میں دفن کئے ہوئے تعزیوں کی ہولی جلائی گئی۔ مسلمانوں نے جب آگ اور دھواں دیکھا تو اُس طرف گئے اور آگ بجھانی چاہی ان پر لاٹھیوں اور پھاوڑوں سے حملہ کیا گیا۔ کئی مسلمانوں کو شدید زخم آئے اس خلفشار میں چند ہندوؤں کو بھی خفیف چوٹیں آنا لازمی تھیں۔ ہندوؤں کی زیادتی کے باوجود ۱۹۳۹ء کے ہولی کے فسادات کے سلسلہ میں جو پہلے سے طے شدہ پالیسی ہر جگہ اختیار کی گئی تھی۔ یہاں بھی برتی گئی۔ یعنے تیرہ ہندوؤں کے ساتھ بارہ مسلمانوں کا بھی بلوہ میں چالان کر دیا گیا۔ زخموں کی نوعیت کے سبب پولیس کو مجبوری یہ ہوئی کہ مسلمانوں کے خلاف علاوہ ۱۴۸ و ۱۴۹ کے دفعہ ۳۲۳ سے زیادہ سنگین دفعہ نہ لگائی جا سکی۔ ہندوؤں

کے خلاف علاوہ ۱۴۸ و ۱۴۹ کے ۳۲۶ کی دفعہ لگائی پڑی۔ مقدمات چلتے رہے جب سماعت تقریباً ختم ہو گئی اور فیصلہ کا وقت آیا اور رودادِ مقدمہ سے یہ اچھی طرح ظاہر ہو گیا کہ مسلمانوں کے خلاف مقدمہ کمزور ہے اور سزائیں اگر ہوئیں بھی تو معمولی ہوں گی، اور ہندوؤں کے خلاف مقدمہ مضبوط ہے اور فردِ جرم کی نوعیت کے لحاظ سے سزا کا سنگین ہونا لازمی ہے تو وزراء کے پاس دوڑ دھوپ کی گئی اور وزراء نے جانتے جانتے یہ بے انصافی کی کہ حکام ضلع کے ذریعہ مقدمات اٹھا لئے گئے۔ کانگریس راج میں اگر ہندوؤں کی اتنی طرفداری بھی نہ کی جائے تو پھر اِسے رام راج کیسے کہا جا سکتا ہے۔

(۳) مقامی لیگ کے سیکرٹری حکیم غلام احمد کا چالان زیر دفعہ ۱۰۷ اس جرم میں کیا گیا کہ انہوں ایک کانگریسی مسلمان کو لیگ میں شریک ہونے کی دعوت باصرار دی عدالت ماتحت نے ان سے مچلکہ لئے جانے کی سزا بھی دیدی۔ لیکن اپیل سے یہ بری ہو گئے۔ اب کسی کانگریسی کو دوسری جماعت میں شرکت کی دعوت دینے سے بھی نقض امن کا خطرہ پیدا ہوتا ہے۔

(۲) ٹھام گاؤں :۔

(۱) یہاں مسجد کے سامنے باجہ عموماً نہیں بجا کرتا تھا اور نماز کے وقت تو قطعاً نہیں بجتا تھا لیکن ۱۹۳۸ء میں آریہ سماج کانفرنس کے موقع پر جس کے صدر مسٹر گھنشام داس گپتا اسپیکر سی۔ پی اسمبلی تھے مسلمانوں کو چڑھانے کے لئے مسجد کے سامنے سے جلوس نکالا گیا۔ اس کے بعد ہی شیوا جی کا جنم دن منانے کے سلسلہ میں جمعہ کی نماز کے وقت جلوس نکالا گیا۔ اس کے بعد ستیہ گرہیوں کی جماعت نے سارے شہر کا گشت لگایا جس میں انتہائی دل آزار نعرے لگائے گئے اور ایسی ایسی سڑکوں پر گھومے جس پر سے کبھی کوئی ہندو جلوس نہیں گذرا تھا لیکن پولیس نے نہ نقض امن کا خطرہ محسوس کیا نہ ان سے کوئی تعارض کیا۔ یہ تمام باتیں نہ صرف خلاف قانون کی جا رہی تھیں

بلکہ تمام گاؤں کے ہندو مسلمانوں کے درمیان ایک مدت سے جو معاہدہ چلا آرہا تھا اس کی بھی خلاف ورزی کی جارہی تھی لیکن رام راج میں ہندوؤں سے باز پرس کون کر سکتا تھا۔

(۲) محرم ۱۹۳۹ء کے موقع پر فساد کرنے کی ٹھان ہی لی گئی۔ چنانچہ محرم کا بائیکاٹ کیا گیا کہ کوئی ہندو اس میں شریک نہ ہو۔ اشتعال انگیزی کی متعدد تدبیریں کی گئیں مولا علی کی سواری کے پاس ہی ایک بُت لاکر بٹھایا گیا۔ سواری کے قریب ہی کرتن سبھا کی گئی جس میں مسلمانوں کو جی بھر کر برا بھلا کہا گیا۔ محرم کے ایک جلوس پر سنگ باری کی گئی جس میں پولیس افسروں کو بھی چوٹیں آئیں۔ مگر کسی ہندو کے خلاف کوئی کارروائی کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ جب ان ترکیبوں سے بلوہ نہ ہو سکا تو ایک جلوس نکال کر محرم کے اجتماع کی طرف لے جایا گیا جس میں خوب خوب دل آزار نعرے لگائے جا رہے تھے۔ پولیس نے اسے روکنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ جلوس جس ارادے سے لایا گیا تھا اُس کی تکمیل شروع ہوئی۔ سواریوں پر دھاوا کیا گیا۔ اُن کی بے حرمتی کی گئی اور مسلمانوں پر حملہ کر دیا گیا۔ اس ہنگامہ میں متعدد ہندو مسلمان زخمی ہوئے لیکن ۱۹۳۹ء کے فسادات مارچ کے سلسلہ میں طے کی ہوئی پالیسی کے مطابق صرف مسلمانوں کو قصوروار ٹھہرایا گیا اور مختلف دفعات کے تحت متعدد مسلمانوں کا چالان کر دیا گیا۔

(۳) یہاں کے ہندو مسلمانوں کے درمیان مدت دراز سے ایک معاہدہ چلا آرہا جس کی رو سے پھاٹک پورہ فائل روڈ پر سے ہندوؤں کا جلوس نہیں گذر سکتا اور صرافہ روڈ پر سے مسلمانوں کا جلوس نہیں جا سکتا۔ جب اِدھر یہ قضیہ نئے سرے سے پیدا ہوا اور متعدد بار مسلمانوں کو شکایت کا موقع پیدا ہوا تو اس پر پھر گفت و شنید ہوئی اور جولائی ۱۹۳۹ء میں اس کی تجدید کی گئی جس میں ہر خیال کے ہندوؤں نے شرکت کی۔ اس کے باوجود گنپتی کے جلوس کے موقع پر اس کی خلاف ورزی کی کوشش کی گئی۔ حکام ضلع نے یہ احکام جاری کر دیئے کہ گنپتی کے جلوس کو ان معاہدوں کے شرائط

کی پابندی کرنی پڑے گی۔ ہندوؤں نے یہ دیکھتے ہوئے کہ اُن کے جلوسوں پر پابندی عائد کی جاتی ہے اپنے ملجا و ماوی وزارت کا رُخ کیا اور وہاں سے کامیاب واپس آئے کھام گاؤں کے مسلمانوں کو یکم اکتوبر کو نصف شب کے وقت یہ چونکا دینے والی اطلاع ملی کہ "صداقت اور اہنسا" کے دعویدار (گاندھی جی) کے پیدائش کے دن صداقت و انصاف کا خون کرتے ہوئے مسلمانوں پر یہ تشدد کیا جائے گا کہ گاندھی جی کے تصویر کا جلوس تمام مسجدوں کے سامنے باجے کے ساتھ گذرے گا سب قوموں کے حقوق کی حفاظت کی دعویدار کانگریسی حکومت نے اس کی اجازت دے دی ہے۔ چنانچہ ۲ اکتوبر کو گاندھی جی کی تصویر کا جلوس بڑی دُھوم دھام سے نکلا اور اس کے ساتھ کانگریسی حکومت کی طاقت کے مظاہرہ کا بھی پورا انتظام کیا گیا۔ تمام بڑے چھوٹے حکام کے علاوہ تین سو مسلح پولیس اور کانسٹبلوں کے جلو میں یہ جلوس چلا۔ اور ہر مسجد کے سامنے رُک کر باجہ بجایا چند مسجدوں کے سامنے متعدد مسلمانوں نے سول نافرمانی کی۔ ۳۲ مُسلمان اس سلسلہ میں گرفتار کئے گئے اس کے دو روز بعد جلیا تیرا کا جلوس نکالنے کا اعلان کیا گیا کہ نماز کے وقت بھی مسجدوں کے سامنے باجہ بجایا جائے۔ لیکن مقامی حکام نے نماز کے وقت باجہ بجانے کی اجازت نہ دی۔ وزارت اِن کی ہر اُس بات کو ماننے کے لئے تیار بیٹھی تھی جس میں مسلمانوں کے حقوق کی پامالی اور اُن کی دل آزاری ہوتی ہو۔ یہ وہاں پہنچے اور ۱۶ اکتوبر کو ایک سرکاری بیان شائع ہو گیا کہ نماز کے وقت بھی باجہ بجانے کا حق ہندوؤں کو حاصل ہے۔ چنانچہ ٹھیک عصر کے وقت (۴ بجکر ۲ منٹ پر) نکلا اور مسجد کے سامنے پہنچ کر نماز ہو رہی تھی رُکا اور جی بھر کر باجہ بجایا۔ یہ جلوس پھر اسی راستہ سے واپس ہوا تاکہ عشاء کی نماز کے وقت مسجد کے سامنے پہنچ جائے عشاء کے وقت پھر مسجد کے سامنے رُکا اور اپنی فتح کا اعلان باجے گاجے اور نعروں کے ساتھ کرنے لگا۔ پولیس نے مسجد کے اندر جا کر بہت سے سامان پر قبضہ کر لیا۔ تیل

بدھنا۔ کلونج وغیرہ اور انہیں بند کر کے کوٹھری مقفل کر دی تاکہ مسلمانوں کو نماز میں بھی دقت ہو۔ صرف یہی نہیں ہوا بلکہ نماز کا وقت ہونے کے باوجود بہت سے مسلمانوں کو مسجد کے اندر نہ جانے دیا گیا اور انہیں جماعت میں شریک ہونے سے روکا گیا۔ دو روز بعد پھر گنپتی کا جلوس نکالا گیا جس میں دور دور کے اکھاڑے بلائے گئے۔ اور جس جس سڑک پر مسجد نظر آئی اُس پر ضرور گذرا اور رُک کر باجہ بجایا اور دل آزار نعرے لگائے خصوصاً نماز کے وقت مسجد کے سامنے لازماً ٹھہرایا گیا۔ کیا مسلمانوں کا بڑے سے بڑا دشمن اس سے زیادہ دل آزاری اور ظلم کا مرتکب ہو سکتا ہے؟

(۳) بسوا چاندور کا تاریخی مقدمہ:۔ انسانیت سوز کینہ پروری اور بربریت کی ایک ہولناک داستان

اگر کانگریسی دور کی تمام ظالمانہ عجوبہ کاریوں سے قطع نظر کر بھی لیا جائے تو صرف چاندور بسوا کا ایک ہی واقعہ ایسا ہے کہ اس کی تفصیل جاننے کے بعد اس کے سوا دوسری کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی کہ اس جماعت کے ہاتھ میں حکومت کی باگ دے دینا ویسے ہی ہے جیسے "بچہ سقہ" کو انتظام مملکت کا مدار المہام بنا دینا۔ چاندور بسوا کا حادثہ فاجعہ نہ صرف ان کی انسانیت سوز بربریت کا مرقع ہے بلکہ اس سے اس امر کا بھی پورا ثبوت مہیا ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کو ایذا پہنچانے، ذلیل کرنے، کچلنے اور تباہ کرنے میں وزیر اعظم سے لے کر گاؤں کے پٹیل تک اور صوبہ کانگریس کمیٹی کے صدر سے لے کر معمولی کانگریسی ممبر تک کس طرح ہم آواز اور متحد ہو کر سازش کا جال بچھا سکتے ہیں اور حکومت کی ساری مشنری کو حرکت میں لا کر اپنے وحشیانہ جذباتِ بغض و انتقام پسندی کی تسکین کا سامان پیدا کر سکتے ہیں۔ ذیل میں اس واقعہ کا ضروری خلاصہ درج

کیا جاتا ہے :-

پچھلے واقعات

اِس قصبہ کی کل آبادی تین ہزار کے قریب ہے جس میں مسلمانوں کی آبادی مرد، عورت بچے ملا کر ایک ہزار کے قریب ہے۔ یہاں صرف چند گھر کھاتے پیتے مسلمانوں کے ہیں، جو کچھ کھیت وغیرہ رکھتے ہیں ورنہ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد مزدور پیشہ ہے جو ہندوؤں کے کھیتوں میں عموماً کام کرتے ہیں۔ سوائے دو کچھیوں کی دو دکانوں کے بقیہ تمام قابلِ ذکر دوکانیں بھی ہندوؤں کی ہیں۔ یہاں ۱۹۲۷ء میں مسجد کے سامنے باجہ بجانے کے سلسلہ میں بلوہ ہوا تھا جس میں پولیس نے صرف مسلمانوں کا چالان کیا تھا اور اُنھیں سزائیں ہو گئی تھیں۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کے خلاف پولیس سے نا اُمید ہو کر استغاثہ دائر کیا تھا جس میں مسٹر اِسٹین ہوپ سب ڈویزنل مجسٹریٹ بلڈانہ نے ہندوؤں کو سزائیں دے دی تھیں مگر اپیل پر راؤ صاحب چٹنویس نے جو اُس وقت ایڈیشنل سیشن جج تھے تمام ہندوؤں کو بَری کردیا تھا۔ مسلمانوں نے جن ہندوؤں کے خلاف اُس وقت استغاثہ دائر کیا تھا اُن میں سے دو یہ تھے (۱) جگدیو پٹیل ہندوؤں کی مسلم آزار ٹولی کا سرغنہ اور (۲) لکشمن جو اِس وقت اس گاؤں کا پٹیل ہے۔ اُس وقت کا عناد اِس ٹولی کے دلوں میں ہمیشہ باقی رہا۔ جگدیو پٹیل نے اِس گاؤں میں ایک مرہٹی پرلیس قایم کیا اور ۱۹۲۹ء میں ایک دل آزار کتاب موسومہ "قرآن کی غزل"، لکھی جس میں مسلمانوں کے مذہب خدا، پیغمبر، اُن کی مقدس کتاب کا مضحکہ اڑایا۔ یہ شخص اِن غزلوں کو ملکا پور بازار بسوا اور دیگر مقامات پر چار پانچ لڑکوں کو ساتھ لے کر گا گا کر پڑھا کرتا تھا۔ ۱۹۲۹ء میں پولیس نے اِس سلسلہ میں زیر دفعہ ۲۹۵ اِس کا چالان کیا اور اِسے دو سو (۲۰۰) روپیہ جرمانہ کی سزا ہوئی۔ اس کی اشتعال انگیزی کا سلسلہ برابر جاری رہا اور تھوڑے دنوں بعد اِس نے ڈنڈی کا متواتر جلوس نکالنے کی ایجاد کی۔ ڈنڈی کا جلوس اِس گاؤں

میں مہینہ میں دوبارہ نکلا کرتا تھا مگر جگدیو پٹیل کے ہندوؤں کے لیڈر ہو جانے، اور کانگریس کے وزارت قبول کرنے کے بعد یہ روزمرہ کا مشغلہ ہو گیا خصوصاً جس روز مسلمانوں کا کوئی تہوار یا جلوس ہو ڈنڈی کا جلوس نکلنا لازمی تھا۔

اشتعال اور بے حرمتی ہر جگہ کی طرح مارچ ۱۹۳۹ء میں یہاں بھی فساد کرا کے مسلمانوں کو کچلنے کی ترکیب پر عمل کیا گیا۔ جب محرم میں تعزیئے کا جلوس نکلا تو اس پر گوبر اور غلیظ پھینکا گیا۔ مسلمانوں نے ضبط اور تحمل سے کام لیا پولیس کو اطلاع دی مگر پولیس حسب دستور شرارت کرنے والے کا پتہ نہ چلا سکی دوسری مرتبہ جب پھر مسلمانوں نے تعزیہ کا جلوس ہر سال کے رواج کے مطابق نکالنا چاہا تو ٹھیک اس جلوس کے وقت جو عموماً شب کو نکلتا ہے ڈنڈی کا جلوس بھی نکالنے کی تیاریاں کی گئیں۔ مسلمانوں نے یہ سمجھ کر کہ یہ بلوہ کرانے کا پیش خیمہ ہے تعزیوں کا جلوس نہیں نکالا۔ اس موقع کے دستیاب نہ ہونے نے جگدیو پٹیل اور اس کے ساتھیوں کی آتش فساد کو اور تیز کر دیا۔ ۵ مارچ کو مسلمانوں کی لائبریری میں انسانی غلاظت پھینکی ہوئی پائی گئی۔ پولیس کو اطلاع دی گئی۔ مروجہ پالیسی کے مطابق کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔

مسلم آزار کا درجہ کانگریس میں جگدیو پٹیل گذشتہ انتخاب میں کانگریس کا مخالف بھی تھا۔ چنانچہ اس حلقہ سے یہ کانگریسی امیدوار کے مقابلہ پر کھڑا ہوا تھا اور تھوڑے سے ووٹوں سے شکست کھا گیا تھا۔ کانگریس کے برسر اقتدار آتے ہی اس کے ساتھ کانگریس نے مفاہمت کر لی کیونکہ ایک چیز دونوں میں مابہ الاشتراک تھی یعنی مسلم آزاری۔ اس کی یہ قدر افزائی کی گئی کہ اسے ملکاپور کانگریس کمیٹی کا صدر بنا دیا گیا اور ملکاپور لوکل بورڈ کا پریسیڈنٹ بھی۔

مڈبھیڑ اور مار پیٹ ہولی اور محرم کے موقع پر باوجود سخت ترین اشتعال کے بلوہ کے

نہ ہونے سے جگدیو پٹیل اور اُس کے ساتھیوں کے دلوں میں ایک بخار پیدا کر دیا۔ جا و بے جا مسلمانوں کو چھیڑنا اور اشتعال دلانا ایک مشغلہ تھا۔ ۱۷ مارچ ۱۹۳۹ء کو یہ جگدیو پٹیل اپنے چند (تقریباً آٹھ نو) ساتھیوں کے ساتھ اسٹیشن سے اُتر کر بستی کی طرف چلا۔ جب یہ ٹولی مسجد کے پاس پہنچی تو مسجد میں چند مسلمانوں کو بیٹھا دیکھ کر مسلم آزار اور دل خراش نعرے لگانے شروع کر دیئے اور مسجد پر گوبر اور گلال پھینکے ساڑھے پانچ بجے شام کا وقت تھا اور چار مسلمان مسجد میں تھے۔ اِن مسلمانوں کے معترض ہونے پر جگدیو اور اُس کی پارٹی نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے مدافعت میں ہاتھ چلائے اِس جھگڑے میں بعض مسلمان زخمی ہوئے اور جگدیو کی پارٹی کے بھی چند لوگ مجروح ہوئے اتفاق سے جگدیو کو زیادہ چوٹیں آئیں اور اُسی روز شب کو ناندورہ اسپتال میں اُس کا انتقال ہو گیا۔

حکام کی آمد

اِس باہمی جھگڑے اور جگدیو پٹیل کے زخمی ہونے کی اطلاع اسٹیشن ماسٹر بسوا چاندور نے بذریعہ فون ناندورہ، ملکاپور اور دیگر مقامات پر کر دی۔ یہ گاؤں ناندورہ تھانہ کے اندر رہی۔ اُس وقت تھانے دار ایک مسلمان نظام الدین تھے۔ وہ اطلاع ملتے ہی ایک مال گاڑی پر سوار ہو کر بسوہ پہنچے۔ چار گھنٹہ بعد تحصیلدار ملکاپور اور سرکل انسپکٹر پولیس ملکاپور بھی بسوہ آ گئے۔ ایک مہاسبھائی وکیل مسٹر کلکرنی جو کام کاج سے ملکاپور جا رہے تھے بسوہ اسٹیشن پر واقعہ کی اطلاع سُن کر اُتر پڑے یہ واقعہ کے آدھ گھنٹہ بعد ہی بسوہ پہنچ گئے تھے۔ جگدیو پٹیل کو زخمی ہونے کے بعد ایک مقامی اسکول میں رکھا گیا تھا۔ مسٹر کلکرنی اور دیگر حکام جو آ چکے تھے وہیں جمع تھے۔ تقریباً تین گھنٹہ بعد جگدیو کو ایک مال گاڑی کے ذریعہ ناندورہ بھیجا گیا جہاں وہ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے اسپتال پہنچنے کے بعد رخصت ہو گیا۔ دوسرے ہندو زخمیوں کو جن کی تعداد تقریباً آٹھ تھی ۱۰ بجے رات کو پارسل ٹرین کے ذریعہ ناندورہ بھیجا گیا۔ مسلمان زخمیوں

کی کوئی پرواہ نہ کی گئی

مقدمہ بنانے کی ابتداء

سرکل انسپکٹر پولیس تحصیلدار وہاں پر موجود تھے لیکن ان آٹھوں زخمیوں میں سے جو اپنے خاصے بول چال رہے تھے اسپتال بھیجنے سے قبل کوئی بیان نہیں لیا گیا۔ حالانکہ واقعہ کو ۵ گھنٹے ہو چکے تھے۔ اس وقفہ میں اور بھی وکلا اور دیگر اشخاص ملکاپور سے آگئے اور زخمیوں کے ساتھ ناندورہ تک گئے جب یہ زخمی اسپتال پہنچے جو تھانہ ناندورہ کے بالکل قریب ہے وہاں بھی پہنچنے پر ان کا بیان نہیں لکھا گیا۔ بلکہ زخمیوں کو اور ان کے ہمدردوں کو پورا موقع دیا گیا کہ اپنی خواہش کے مطابق صلاح مشورہ سے افسانہ تیار کرلیں ایک ہندو سب انسپکٹر مسٹر اتھاولے جلمب سے ناندورہ بھیجے گئے۔ اور بعض زخمیوں کا بیان پہلی مرتبہ انہوں نے ۲ بجے رات کو لیا یعنی واقعہ کے تقریباً ۹ گھنٹے بعد۔ اور بعض زخمیوں کے بیانات دوسرے روز بعد دوپہر لئے گئے۔ تاکہ ایک کے بیان میں کوئی خامی ہو تو دوسرے کے بیان میں وہ دور ہو جائے۔

ایک بہت ہی اہم تار

واقعہ کے روز ہی یعنی ۱۷ مارچ کو مسٹر صوبہ دار اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کھام گاؤں اور مسٹر پٹیل آئی۔سی۔ایس سب ڈویژنل مجسٹریٹ کھام گاؤں بھی ۱۰ بجے رات کو لسوہ پہنچے۔ اتنے بے شمار حکام کی آمد کا سبب یہ ہوا کہ اطلاع ملنے کے بعد ملکاپور۔ کھام گاؤں اور ناندورہ کے کانگریسیوں نے تمام حکام اور اصحاب اختیار کو ادھر اُدھر تار اور ٹیلیفون اس کثرت سے دیئے کہ وہ لوگ بھی گھبرا گئے کہ شاید بہت ہی بڑا بلوہ ہوا ہے یا سنہ ۵۷ء جیسا غدر ہو گیا ہے۔ یوں بھی کانگریسی عہدیداروں کے تار پر توجہ نہ کرنا وزارت کی سرزنش اور انتقام کو دعوت دینا تھا۔ سب ڈویژنل مجسٹریٹ مسٹر پٹیل نے جو ایک تجربہ کار آئی۔سی۔ایس افسر ہیں اور اس سب ڈویژن کے سب سے بڑے حاکم اور انچارج تھے دو بجے رات کو یعنی اپنے آنے کے چار گھنٹے اور واقعہ کے ۹ گھنٹے بعد جو تار ڈپٹی کمشنر بلڈانہ کو دیا

وہ بہت ہی اہم اور قابلِ غور ہے۔ اس تار سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ اصل واقعہ کیا تھا اور بعد میں سازش کے ذریعہ اسے کیا سے کیا بنا دیا گیا۔ یہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ مسٹر پٹیل موصوف جس وقت پہنچے اُس وقت بہت سے دوسرے حکام جو پہلے آچکے تھے وہاں پر موجود تھے۔ جگدیو کے ہمدردوں کا قافلہ بھی حاضر تھا۔ یقیناً مسٹر پٹیل نے کافی تحقیقات اور اپنا اطمینان کرنے کے بعد یہ تار دیا تھا اور امر واقعہ بھی یہی ہے کہ اُس وقت تک واقعہ کے تل کو پہاڑ بنانے والے افراد پہنچے نہ تھے اور جو تھے بھی اُنہیں اس کا موقع نہ مل سکا تھا تار کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

"چند مسلمانوں نے جگدیو پر بزدلانہ حملہ کیا۔ کوئی فرقہ دارانہ کشیدگی نہیں ہے۔ کوئی فرقہ دارانہ حملہ نہیں ہے۔ ملکاپور اور کھام گاؤں میں اس کے اثرات کی نگرانی رکھی جائے" (تار سب ڈویژنل مجسٹریٹ کھام گاؤں بنام ڈپٹی کمشنر بلڈانہ از بسوہ مورخہ ۱۷ / مارچ ۱۹۳۹ء)

یہ تار ڈپٹی کمشنر بلڈانہ کو ۱۸ / مارچ ۱۹۳۹ء کو ساڑھے دس بجے دن کے وقت ملا۔ اس میں ڈپٹی کمشنر کو زحمت دینے کی بھی ضرورت نہ سمجھی گئی تھی۔

ابتدائی گرفتاریاں

سب ڈویژنل مجسٹریٹ مسٹر پٹیل نے دوسرے روز صبح یعنی ۱۸ / مارچ ۱۹۳۹ء کو اپنی تحقیقات کے بعد چار مسلمانوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ اس روز سرکل انسپکٹر نے اسٹیشن پر اُن دو ہندو کیبلوں سے بھی ملاقات کی جو واقعہ کے روز شب کو نجیبوں کے ساتھ نا دورہ گئے تھے۔ اور لوگوں کے آنے جانے اور سرگوشیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ بطور احتیاط مسلمان سب انسپکٹر کو ایک معمولی بہانہ بنا کر نا ندورہ بھیجدیا گیا۔ جن مسلمانوں کو گرفتار کیا گیا گرفتاری سے پہلے نہ اُن کا کوئی بیان لیا گیا۔ نہ صفائی پیش کرنے کا موقع دیا گیا۔ اب بسوہ میں سب کے سب ہندو حکام رہ گئے۔ ۱۲ بجے دن تک کوئی

گرفتاری نہیں ہوئی۔ سرکل انسپکٹر نے نانددرہ فون کیا کہ سید اکرام الدین کو بسوہ لے آیا جائے۔ سید اکرام الدین بسوہ کے ایک معزز متمول اور بااثر باشندے ہیں اور نانددرہ میونسپل کمیٹی کے منتخب شدہ ممبر ہیں۔ یہ سیاسی اعتبار سے کانگریس کے مخالف تھے اور میونسپل الیکشن میں کانگریسی امیدوار کو شکست دی تھی۔ ان سے اور نانددرہ میونسپل کمیٹی کے پریسیڈنٹ رادھاکشن توسینوال سے جو مسٹر برج لال بیانی صدر پراونشل کانگریس کمیٹی کے دوست اور دست راست ہیں پرانی مخالفت چلی آرہی ہے اور ۱۴ مارچ کو سخت کلامی اور توہین کی نوبت بھی آگئی تھی جس کے متعلق حکام کو تار تک دیئے گئے تھے۔ اکرام الدین صاحب سب انسپکٹر کے ساتھ بسوہ آگئے۔ ۱۸ مارچ کو دوپہر کے بعد سرکل انسپکٹر مسٹر تیواری نے قصبہ کے ممتاز اور بااثر اصحاب کو جن میں سید اکرام الدین کے بھائی سید علین الدین اور محمد علی جمعدار بھی تھے بلوایا اور اسکول میں بیٹھنے کو کہا اور مع ان کے چھ معزز اور بااثر مسلمانوں کو اور گرفتار کرلیا۔ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ڈپٹی کمشنر بھی اسی روز بعد دوپہر بسوہ پہنچ گئے۔ مسٹر اکرام الدین بھی اسی ٹرین سے بسوہ آئے، آتے ہی ان کو بلوایا گیا اور گرفتار کرلیا گیا۔ واقعہ کے روز کچہری برخاست ہونے تک مسٹر اکرام الدین بلڈانہ میں تھے اور واقعہ کے وقت ان کا بسوہ پہنچنا امر محال تھا اُن کے بلڈانہ میں ہونے کی ڈپٹی کمشنر کے ریڈر اور کچہری کے دیگر اہلکاروں سے تصدیق بھی دوسرے ہی روز کرلی گئی۔ مگر پھر بھی انہیں گرفتار ہی رکھا گیا۔ کیوں کہ ان کا نام اطلاع اول میں لے لیا گیا تھا۔

وزیر اعظم کا پارٹ

گیارہ گرفتار شدہ مسلمانوں کو کھام گاؤں بھیج دیا گیا۔ ایک ملزم محمد عقیل بیمار تھے۔ انہیں کرسی پر بٹھا کر سوار کیا گیا مگر ہتکڑی نہیں کھولی گئی۔ جتنے بڑے چھوٹے حکام تھے سوائے سرکل انسپکٹر کے سب یہ سمجھے ہوئے کہ اب کوئی خاص بات نہیں رہی بسوہ سے چل دیئے اور بلڈانہ تار بھی

دے دیا گیا کہ سب اپنے اپنے کام پہ آ رہے ہیں۔ ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس نانڈ ورہ میں تھے۔ اُن سے ڈی۔ سی۔ اور ڈی۔ ایس۔ پی کو اطلاع ملی کہ وزیر اعظم پنڈت روی شنکر شکلا بسوہ تشریف لے آ رہے ہیں۔ اس پر ان حکام نے بلڈانہ جانے کا پروگرام منسوخ کر دیا۔ پنڈت شکلا اس ضلع کے ممبران اسمبلی کے ساتھ ملکاپور آئے انہوں نے یہاں مقامی کانگریسیوں اور آریہ سماجیوں سے گفتگو کی۔ یہ بسوہ ۱۹ مارچ کی صبح کو پہنچے تاکہ متوفی جگدیو کی تعزیت میں شرکت کریں متوفی کا لاشہ وزیر اعظم کی آمد کے انتظار میں جلایا نہیں گیا تھا۔ جگدیو راؤ کے ارتھی کا جلوس اُسی جگہ سے نکالا گیا جہاں وزیر اعظم ٹھہرے ہوئے تھے۔ پنڈت شکلا ۱½ بجے دن کو نانڈورہ واپس ہو گئے۔ اور مسٹر رادھا کشن اور اُن کی پارٹی کے ساتھ کھانا کھایا۔ یہ لوگ مسلمانانِ بسوہ کے مسلمہ لیڈر سید اکرام الدین کے زبردست مخالفین میں سے ہیں۔ یہ شام کو پھر کھام گاؤں آئے اور رات کا کھانا اپنے دن کے میزبانوں کے ساتھ کھا کر اُسی روز ۱۰ بجے رات کو روانہ ہو گئے۔ اپنے مختصر قیام کے وقفہ میں اُنہوں نے ہندوؤں کے لیڈروں مسلمان معززین بسوا کے مخالفوں سرکاری حکام کے علاوہ موضع بسوا کے پٹیل لکشمن سی بھی جسے مسلمانانِ بسوہ سے بہت پرانا عناد تھا جس کا تذکرہ اوپر کیا جا چکا ہے دیر تک بات چیت کرتے رہے۔ یہ پٹیل دونوں کھانے کے وقت اِن کے ساتھ موجود تھا۔

مسلمان افسروں کا بائیکاٹ

اگرچہ جس علاقہ میں واقعہ ہوا تھا اُس کے تھانے دار ایک مسلمان تھے اور اُس ضلع کے سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی مسلمان تھے مگر اُن کو تحقیقات میں حصّہ نہ لینے دیا گیا۔ تھانے دار کو تو بسوا جانے سے بھی بہ لطائف الحیل روک دیا گیا اور ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے خلاف وزیر اعظم کے پاس شکائتیں پہنچا دی گئیں تحقیقات کا کل کام اُس سرے سے اُس سرے تک خالص ہندو افسروں کے ہاتھ میں رکھا گیا۔ واقعہ کو جس نہج

رنگ سے ترتیب دینا تھا۔ اُس کے لئے مشغول تحقیقات ہندو افسروں کو بھی ناکافی سمجھ کر ایک سی۔آئی۔ڈی افسر مسٹر شربا بھیجے گئے۔ یہ ۲۳ مارچ کو بسوہ پہنچے۔ سرکل انسپکٹر اور اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس ان سے ملے اور مزید تحقیقات شروع ہوئی۔ ایک اور ہندو سب انسپکٹر مسٹر ٹرے اِن کی امداد کے لئے بھیجا گیا۔ ان تمام افسروں، ہندو لیڈروں اور گاؤں کے پٹیل لکشمن کے درمیان کئی روز تک خوب کھچڑی پکتی رہی۔ راز درونِ پردہ کی کسے خبر ہو سکتی ہے۔

مسٹر برج لال بیانی کی کارستانی

آنریبل مسٹر برج لال بیانی جو کونسل آف اسٹیٹ کے ممبر اور برار صوبائی کانگریس کمیٹی کے صدر ہیں اور اُس صوبائی بورڈ کے بھی ممبر ہیں جس کا کام وزراء پر نگرانی رکھنا ہے۔ ۲۹ مارچ کو دہلی سے بسوہ پہنچے تاکہ متوفی جگدیو کے اعزا کو پرسا دیں۔ انہوں نے متوفی کے کارناموں کو سراہا اور متوفی کی ایک یادگار قائم کرنے اور اعزا کی امداد کرنے کے لئے فنڈ کی اپیل کی۔ انہوں نے متوفی کے قرضہ کو معاف کر دینے کی درخواست بھی ساہوکار سے کی۔ یہ بسوہ جس وقت آئے تو ملکاپور، ناندورہ اور کھام گاؤں کے بہت سے ہندو جن میں چند بڑے ہی متنفنی تھے اِن کے ساتھ آئے۔ جگدیو اور مسٹر بیانی سے تعلقات بڑے گہرے تھے۔ جگدیو راؤ کانگریس کی مخالفت کرنے کے بعد مسٹر بیانی ہی کی کوششوں سے کانگریس میں شریک ہوا تھا اور مسٹر بیانی ہی نے اُسے تعلقہ کانگریس کمیٹی کا صدر اور لوکل بورڈ ملکاپور کا پریسیڈنٹ بنایا تھا۔ مسٹر بیانی نے بسوہ میں سی۔آئی۔ڈی افسر اور دیگر پولیس افسروں سے گفتگو کی۔ اس کے بعد یہ ناندورہ کھام گاؤں میں مزید مشورہ کرتے ہوئے ناگپور چلے گئے۔ رادھاکشن تو سنوال بھی جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے اور مسٹر شکلا کا اُن کے مختصر قیام ناندورہ میں اُن کا میزبان تھا مسٹر بیانی کے ساتھ ناگپور آ گئے۔ ناگپور میں اِن دونوں نے پنڈت

شکلا۔ پنڈت مصرا سے ملاقاتیں کیں۔ کیا باتیں ہوئیں یہ کون بتا سکتا ہے؟

وزیر اعظم کا زہریلا اور جانبدارانہ بیان

وزیر اعظم مسٹر شکلا نے ناگپور پہنچ کر جگدیو کی موت کے سلسلہ میں تحریک التوا کے مباحثہ کے موقع پر ۲۴ مارچ ۳۹ء کو اسمبلی میں قاعدہ کے بالکل خلاف ایک بہت ہی زہریلا اور جانبدارانہ بیان دیا۔ یہ امر قابل غور ہے کہ وہ بسوہ میں صرف تین گھنٹہ رہے اور نامدوڑ اور کھام گاؤں کے قیام کو ملا کر بلڈانہ ضلع کے اندر بارہ گھنٹہ ٹھہرے اس وقفہ میں انہوں نے حکام کے علاوہ صرف کانگریسی اور آریہ سماج لیڈروں اور مسلمانوں کے مخالفوں سے گفتگو کی لیکن تحقیقات مکمل ہونے سے پہلے انہوں نے رائے قائم کر لی اور اسمبلی میں یہ بیان دیا کہ (۱) جگدیو کا قتل وحشیانہ اور بزدلانہ تھا (۲) اسے مسلمانوں نے قتل کیا (۳) اس کا قتل پہلے سے طے شدہ سازش کا نتیجہ تھا (۴) اس قتل میں تقریباً پچھتر مسلمانوں نے حصہ لیا۔ وزیر اعظم کے اس تاریخی بیان نے واقعہ کا رخ بالکل بدل دیا۔ ہر کس و ناکس سمجھ گیا کہ وزیر اعظم کا کیا منشاء ہے اور سرکاری و غیر سرکاری متعصب ہندو پوری آزادی اور حوصلہ کے ساتھ جو عنوانات وزیر اعظم نے قائم کئے تھے۔ اُس کی کڑیوں کو جوڑنے کے لئے ثبوت مہیا کرنے میں مشغول ہو گئے۔ علاوہ وزیر اعظم کے متعدد کانگریسی اور غیر کانگریسی ہندو ممبروں نے انتہائی منافرت انگیز اور زہریلی تقریریں کیں۔

کینہ پروری اور بربریت کی تکمیل

وزیر اعظم کا سفر بسوہ حکام اور ہندو لیڈروں سے گفتگو۔ اسمبلی میں بیان مسٹر بیانی کا سفر بسوہ۔ ہندو لیڈروں اور حکام سے سرگوشیاں پہلی اپریل کو مسٹر بیانی اور رادھا سیٹھ توسنیوال کی وزیر اعظم ادھر اس کے ساتھ کانفرنس سی۔ آئی۔ ڈی افسر مسٹر شرما کی ۲ اپریل کو بسوہ میں دوبارہ آمد اور ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس

کھام گاؤں اور مسٹر پٹیل ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو بسوہ بلاکر سی۔آئی۔ڈی انسپکٹر کی ان سے بات چیت، یہ سب اس قیامت خیز ڈرامہ کا ریہرسل تھا جو مسلمانان بسوہ کے ساتھ اس سرزمین پر کھیلا جانے والا تھا۔ ۶/اپریل ۱۹۳۹ء کو ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس کے اسسٹنٹ مسٹر پیشوریہ وہاں نیواری ناگپور سے بسوہ پہنچے۔ سرکل انسپکٹر ملکاپور مسٹر تیواری بھی آئے۔ ضلع بلڈانہ کے مختلف مقامات کھام گاؤں، شیگاؤں، جلگاؤں وغیرہ سے بہت سی پولیس ہتھکڑیوں کی کافی تعداد کے ساتھ بسوہ بھیجی گئی۔ کھام گاؤں سے ایک اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کو بھی بسوہ بھیجا گیا۔ چند اور متعدد ہندو سب انسپکٹروں کو بھی وہاں پہنچ جانے کا حکم ملا۔ اس ساری فوج کے بسوہ پہنچ جانے کے بعد ۷/اپریل ۳۹ء کو کانگریس حکومت کی ستم رانی کا ڈرامہ شروع ہوا۔ گاؤں کے تمام راستوں پر پولیس تعینات ہوگئی کہ کوئی مسلمان باہر نہ جاسکے۔ گاؤں کی ساری مسلم آبادی کو پکڑ بلایا گیا۔ جمعہ کا روز مسلمانوں کی ایذا رسانی کے لئے بہت ہی موزوں سمجھا گیا۔ ان تمام مسلمانوں کو اپریل کی سخت دھوپ میں صبح سے شام تک کھڑا رکھا گیا۔ کسی کو دن کے وقت کھانا کھانے نہیں دیا گیا۔ ۸/اپریل کو پھر مسلمانوں کو اسی طرح دھوپ میں صبح سے شام تک کھڑا رکھا گیا۔ واقعہ کے پورے بائیس ۲۲ تیئس ۲۳ روز بعد ان مسلمانوں کو مختلف ہندوؤں سے شناخت کرایا گیا۔ ان شناخت کرنے والوں میں جھگڑے کے روز مجروح ہونے والا کوئی ہندو نہ تھا۔ بیمار مسلمانوں کو بھی پکڑ کر شناخت کے لئے لایا گیا۔ انہیں دن بھر کچھ بھی کھانے کو نہیں دیا گیا۔ اور ان گیارہ آدمیوں کے علاوہ جو پہلے گرفتار ہوچکے تھے مزید ایک سو چھیالیس ۱۴۶ مسلمانوں کو گرفتار کرلیا۔ ان میں بوڑھے۔ جوان۔ کم عمر۔ بیمار اور معذور سب ہی تھے۔

کانگریسی کالی کوٹھری

ان تقریباً ڈیڑھ سو ۱۵۰ مسلمانوں کو رات کے وقت مقامی اسکول کے کمرے میں جس کا رقبہ ۳۰ × ۲۰ ہے ٹھونس دیا گیا

رات کو بھی انہیں کھانے کو نہیں دیا گیا۔ اور رشتہ داروں کو دینے دیا گیا اس گرمی کے موسم میں دن
بھر بھوکا پیاسا رکھ کر رات کو بھی بلا دانہ پانی رکھا گیا اور سانس گھٹنے والی کوٹھری میں بند کر دیئے
گئے۔ بارہ بجے رات سے اسی کوٹھری میں انہیں ہتھکڑیاں پہنائی جانے لگیں اور جب ہتھکڑیاں ختم
ہو گئیں تو انہیں جانوروں کی طرح رسی سے باندھ کر چھوڑ دیا گیا۔ کہا گیا کہ حکومت نے تو پوری
کوشش کی کہ فرضی کالی کوٹھری کے مقابلہ میں واقعی کالی کوٹھری بسوا میں قائم کر دی مگر ان مسلمانوں
کی سخت جانی نے یہ مراد پوری نہ ہونے دی۔ انہیں ۹ اپریل کی صبح کو ملکاپور لایا گیا اور ملکاپور سے بلڈانہ
موٹر لاری میں جانوروں کی طرح بھر کر لے جایا گیا۔ انہیں چھتیس گھنٹہ بھوکا پیاسا رہنے کے بعد بلڈانہ
میں رات کے وقت ڈپٹی کمشنر اور ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے سامنے کھانے کو ملا ۱۴۸ میں سے
۵۳ مسلمانوں کو لاری میں بھر کر اکولہ جیل میں بھیج دیا گیا۔

سنگدلی اور بے رحمی کی انتہا ۷ اور ۸ اپریل کی شاعت کے موقع پر بعض بیمار مسلمان
دھوپ کی شدت سے نڈھال ہو گئے اور چکر آنے کے باعث انہیں متلی پر متلیاں آنے لگیں۔ مگر
انہیں اسی طرح کھڑے رہنے پر مجبور کیا گیا۔ دھوپ کی شدت گرمی کا موسم اور راس پر سورج کی
تمازت میں بارہ گھنٹے کھڑے رہنا۔ ظاہر ہے کہ پیاس بہت لگے گی۔ مگر بے رحموں نے حسب ضرورت
پانی دینے سے بھی انکار کیا اور جو کوئی اس کی درخواست کرتا اس کو درشت جواب سننا پڑتا۔ ایک شخص
کریم خان جو بہت بیمار تھا اسے بھی پکڑ کر لایا گیا مگر شدت علالت کے باعث وہ چل نہیں سکتا تھا اسے
وہیں پر چھوڑ دیا گیا۔ اس کے چار رشتہ داروں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے گھر میں کوئی مرد نہ رہ گیا
ان صدمات کی تاب نہ لا کر یہ غریب ۱۱ اپریل ۳۹ءکو جنت سدھار گیا۔ ایک بیوہ ضعیفہ جس کا
جوان لڑکا اس ہنگامہ خیز حالات میں گرفتار کیا گیا مارے صدموں کے ۱۴ اپریل کو دنیا سے رخصت
ہو گئی۔ ایک منہارن ۹ اپریل کی صبح کو جبکہ ان بے گناہوں کو ملکاپور لے جانے کی تیاریاں کی
جا رہی تھیں اپنے داماد کے لئے روٹی لائی کیوں کہ گذشتہ چوبیس گھنٹہ سے وہ بھوکا تھا اسے روٹی
نہ دینے دیا گیا اس کے اصرار اور التجا کرنے پر ایک ہندو افسر نے کہا کہ وہ جب کہ گاندھی جی پر حملہ ہوا تھا تب

"تو کہاں تھی؟ اسی ہمارا راج ہے۔" ایسے وحشیانہ مظالم کی مثال کوئی متمدن حکومت پیش کرنے سے بالکل قاصر ہے۔ مگر ہم ہوتے ہیں اور حکومتیں انسانی یا شیطانی حکومتیں ہیں، اور یہ واقعہ "اہنسا اور صداقت" کی حکومت کا زندہ جاوید کارنامہ ہے۔

بے گناہوں کے بڑے حصہ کی رہائی | اس واقعہ نے سارے ہندوستان کے مسلمانوں میں غم و غصہ اور نفرت کی لہر دوڑا دی۔ ہر جگہ احتجاجی جلسے اور نفرت کی تجویز منظور ہوئی حکومت نے یہ محسوس کیا کہ اتنی بڑی تعداد کے ملزم بنانے سے مقدمہ بالکل ہی کمزور ہو جائے گا اور گواہ کبھی اتنے زیادہ آدمیوں کو عدالت میں ٹھیک طور پر نہ پہچان سکیں گے۔ کینہ پروری اور انتقام پسندی کی پیاس کو انہیں بھوکا پیاسا رکھ کر جانوروں کی طرح سلوک کرنے رسیوں میں باندھ کر اور ایک ماہ سے زائد جیل میں بند کر کے ایک گونہ تسکین دی جا چکی تھی۔ اس لئے ایک سو ستاون گرفتار شدہ مسلمانوں میں سے ایک سو چودہ مسلمانوں کو ہر طرح کی ایذا پہنچانے اور ایک ماہ سے زائد جیل میں رکھنے کے بعد رہا کر دیا گیا۔ یہ ثابت ہو گیا کہ کم از کم یہ ایک سو چودہ ضرور بے گناہ تھے اور انہیں جو ستم سہنے پڑے اُس کی سیاہی سے کانگریسی حکومت کی پیشانی ہمیشہ داغدار رہے گی۔ اس کے بعد ۴۳ مسلمانوں کا متعدد دفعات کے تحت جس میں قتل، ضرب رسانی، بلوہ، سازش سبھی کچھ ہے چالان کیا گیا۔ پولیس نے استغاثہ کی طرف سے چونسٹھ گواہ پیش کئے۔ عدالت ماتحت نے تمام ملزمین کو سیشن سپرد کر دیا۔

ستم بالائے ستم | کانگریسی وزراء اور اصحاب اختیار کی آتش انتقام گاؤں کے تمام مسلمانوں کو جسمانی ایذا پہنچانے اور کثیر تعداد کو جیل بھیج دینے سے سرد نہ ہوئی۔ بلکہ تمام کام کرنے والوں اور کمانے والوں کو جیل میں بھیجنے کے بعد حکومت نے بسوہ میں تعزیری پولیس تعینات کر دی اور اس کے خرچ کا سارا بار کئی ہزار روپیہ سالانہ کا صرف مسلمانوں پر ڈالا گیا اور اس کی وصولی کے لئے وارنٹ جاری کئے گئے ان کی جائداد، مکان اور جس کے پاس یہ نہ ہو اس کا اثاثہ ضبط کر کے خزانہ میں داخل کیا جائے۔ کانگریسی راج میں مسلمانوں کے ساتھ اس طرح کا قوم پرستانہ اور غیر جانبدارانہ سلوک کیا جاتا ہے

ڈیڑھ سو آدمیوں کے گرفتار ہونے کے بعد جو عورتیں بچے بستی میں رہ گئے اُن پر ایک ماہ سے زائد کی مدت میں کیا گذری ہوگی فتح کے نشہ میں سرشار ہندوؤں نے مذاق و تمسخر اور استہزا سے ان کے دلوں کو کتنا چھلنی کیا ہوگا اس کی دردناک تفصیل لکھنے کی بجائے قیاس کر لی جا سکتی ہے کیا ان تمام واقعات کے جاننے کے بعد یہ کہنا بےجا ہوگا کہ "لعنت ہے ایسی جماعت پر اور پھٹکار ہے ایسی حکومت پر" اس کا ختم ہو جانا انسانیت کے لئے باعث نجات ہے۔

سیشن کا فیصلہ | سیشن جج ناگپور نے سماعت کے بعد ۳۴ ماخوذین میں سے چھ مسلمانوں کو پھانسی، چھبیس کو حبس دوام اور ایک کو [illegible] روپیہ جرمانہ کی سزا دی۔ بقیہ کو بری کردیا۔ فاضل سیشن جج نے اس کا مطلق خیال نہیں کیا کہ گواہ کیسے ہیں سچے یا جھوٹے۔ بلکہ فیصلہ میں صرف یہ اصول رکھا کہ اتنے آدمیوں نے فلاں فلاں کو پہچانا لہذا یہ مجرم ہے۔ مسلمانوں کو ایسی سنگین سزائیں دینے کے باوجود کانگریسی وزارت کی ماتحت پولیس اور حکام کے طرز عمل پر نکتہ چینی کرنے سے فاضل سیشن جج اپنا قلم نہ روک سکے چنانچہ "بسوہ کی کالی کوٹھری" کا تذکرہ کرتے ہوئے فیصلہ میں لکھا ہے کہ "یہ وحشیانہ سلوک نازی جرمنی میں قابل عمل ہو تو ہو مہذب برطانوی حکومت کے سایہ میں ایسا کیا جانا محکمہ انتظام کے لئے ایک نہایت ہی بدنما داغ ہے" فیصلہ میں آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہندو اسیسروں نے رائے دینے میں فرقہ پرستانہ ذہنیت سے کام لیا ہے۔

ہائیکورٹ میں اپیل | ہائیکورٹ میں اس فیصلہ کے خلاف اپیل کی گئی مقدمہ کی پیروی کے لئے نواب صدیق علی خاں صاحب کی کوششوں کی بدولت مسٹر قاسم علاء الدین سوجھی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی بار ایٹ لا بمبئی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اپیل کی سماعت ناگپور کے ہائیکورٹ کے چیف جسٹس سر گلبرٹ اسٹون اور مسٹر جسٹس [illegible] بوس کے سامنے شروع ہوئی مسلمانوں کی خوش قسمتی سے جس وقت یہ مقدمہ ہائیکورٹ میں پہنچا کانگریسی وزارت حکومت کو خیرباد کہہ چکی تھی اور ایڈوکیٹ جنرل کانگریسی حکومت کے نامزد کردہ نہ تھے۔ مسٹر سوجھی کی پانچ روز کی ابتدائی بحث کے بعد مسٹر [illegible] ایڈوکیٹ جنرل نے عدالت کے سامنے یہ بیان دیا

کیس کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ "ان اکتیس ملزموں میں سے انیس ۱۹ کے خلاف سازش قتل و بلوہ کا جرم ثابت نہیں ہے۔ عدالت کا وقت ضائع نہ ہو اس لئے میں پہلے ہی اس بات کی وضاحت کر دیتا ہوں کہ میں ان انیس ماخوذین کے خلاف جرم کے مرتکب ہونے کے متعلق زور نہیں دوں گا۔" ان انیس میں ایک ملزم وہ بھی تھا جس کو صرف سو روپیہ جرمانہ کی سزا ہوئی تھی اور ضمانت پر رہا تھا۔ بقیہ اٹھارہ میں سے ایک کو پھانسی اور سترہ کو حبس دوام کی سزائیں ہوئی تھیں۔ ایڈوکیٹ جنرل کے اس بیان کے بعد مسٹر سوجی نے عدالت سے یہ درخواست کی ان انیس ملزمین کو ضمانت پر رہا کر دیا جانا چاہیئے۔

عارضی فیصلہ | چنانچہ عدالت نے ایک عارضی فیصلے کے ذریعہ ان انیس ماخوذین کو ضمانت پر رہا کئے جانے کا حکم صادر کیا یہ حکم مسٹر جسٹس یوس نے لکھا جس سے چیف جسٹس نے اتفاق کیا۔ فاضل ججوں نے اس حکم میں تحریر کیا کہ "اپیل کی سماعت کے ابتدائی دنوں ہی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ بہت سے ملزمین کے خلاف جرم کے ثبوت کا دارومدار "باہمی سازش" کے کمزور ستونوں پر ہے۔ یہ بات صاف ہوگئی ہے کہ اس مفروضہ باہمی سازش کا وجود ثابت نہیں۔ ایڈوکیٹ جنرل نے مجلس وکلا کی شاندار روایات کی صحیح پیروی کرتے ہوئے اس کا اعتراف کر لیا ہے۔ اس لئے ان ملزمین کو جن کے خلاف ایڈوکیٹ جنرل نے جرم کو مشکوک مان لیا ہے جیل میں رکھنا مناسب نہیں بنا بریں انہیں ضمانت پر رہا کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔" قانون سے واقف حضرات اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھیں گے کہ "باہمی سازش" کے کھڑاگ کے منہدم ہو جانے کے سبب مقدمہ کی آدھی جان نکل گئی کیونکہ "باہمی سازش" ہی کی بدولت ایک قتل کے متعدد شریک ملزمین کو خواہ قتل کرنے والا ایک ہی کیوں نہ ہو مشترک ذمہ داری کے اصول پر قاتل ہی کی سزا دی جاتی ہے سازش کا وجود حقیقتاً تو تھا نہیں۔ ارباب کانگریس نے متعدد مسلمانوں کو سنگین سزائیں دلانے کے لئے یہ جال بچھایا تھا آزاد اور انصاف پسند فضا میں بے پناہ جھوٹی شور و غل کے باوجود اس بناوٹی ثبوت کا تار پود بکھر کر رہ گیا۔

عدالت عالیہ کا فیصلہ

دس روز اپیل کی سماعت کے بعد ۲ مئی سنہ ۱۹۴۴ء کو عدالت عالیہ نے اس تاریخی مقدمہ کا اپنا تاریخی فیصلہ سنایا اور تمام ماخوذین کو بے داغ رہا کردیا۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ عدالتی فیصلوں میں صرف انہیں امور سے بحث کی جاتی ہے جو مسل میں درج ہوں اور جن کے متعلق شہادت اور ثبوت موجود ہوں ضمنی اور خارجی اثرات خواہ ان کے متعلق قیاس کتنا ہی صحیح اور وقیع کیوں نہ ہو سکے نظر انداز کئے جاتے ہیں ہائیکورٹ کے جج عدالت عالیہ اور اپنے وقار اور شان کے مدنظر اس اصول کی پابندی بہت سختی کے ساتھ کرتے ہیں اور فیصلے کے الفاظ کے استعمال میں بہت زیادہ محتاط ہوتے ہیں لیکن فیصلے کے الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کے بین السطور میں مخفی مفہوم کو بھی ذہن نشین کرنے سے صورت حال کا صحیح اور مکمل اندازہ ہو جاتا ہے اس تاریخی مقدمہ میں ہر دو ججوں نے متفقہ مگر علیحدہ علیحدہ طویل فیصلہ لکھا ہے اس میں سے چند ضروری اقتباسات دیئے جاتے ہیں تاکہ اس مقدمہ کی تفصیلات کے متعلق فاضل ججوں کی رائے اور تاثرات کا اندازہ ہو سکے۔

چیف جسٹس کے ارشادات

(بچوں کی دروغ بیانی)

سر گلبرٹ اسٹون چیف جسٹس ناگپور ہائیکورٹ نے فیصلہ کی ابتداء ان الفاظ سے کی ہے "یہ ایک اندوہناک مقدمہ ہے۔ یہ تعریف صحیح ثابت ہوتی ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس مقدمہ میں ۴۳ آدمی قتل کے الزام میں ماخوذ ہیں اور ایسے گواہ جن کی شہادتیں جھوٹی بنائی ہوئی یا سکھائی ہوئی ہیں یکے بعد دیگرے شہادت دینے کو چلے آرہے ہیں۔ ان میں سے سات گواہ ایسے ہیں جو کم عمر یا بچے ہیں جنہیں جھوٹی شہادت دینے کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ ایسے مقدمہ میں جھوٹی شہادت دینا سکھائی ہوئی شہادتوں کی بنا پر آدمیوں کو شناخت کرنا یہ بتاتا ہے کہ گواہ یا اس کا سکھانے والا۔ دوسرے انسان کو پھانسی پر چڑھا دینے کے لئے بلا اس خیال کے کہ یہ انسان قصور وار ہے یا نہیں اپنی تمام کوشش صرف کر رہا ہے۔ انسانی اطوار کی پستی اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ اپنے مخالف کی جان لینے کی کوشش بچوں کی زبان سے دروغ حلفی کے ذریعہ کی جائے۔"

اسمبلی کا مباحثہ

(وزیر اعظم کا اشارہ)

چند ہی سطر آگے چل کر جج موصوف لکھتے ہیں: —

"۱۷ر مارچ ۱۹۳۹ء کو بسوہ میں مسلمانوں کی مسجد کے سامنے یا قریب بینڈ منٹ کے لئے ایک ہنگامہ ہوا جس میں متعدد ہندو اور مسلمان زخمی ہوئے اور ایک ہندو ان زخموں کے صدمہ سے جو اُسے لگے تھے بعد میں قضا کر گیا۔ ۲۰ر مارچ کو صوبائی اسمبلی میں تحریک التوا پیش کی گئی اس کے مباحثہ میں اکثر ارکان نے ایسی تقریریں کیں گویا یہ قطعیت کے ساتھ معلوم ہو چکا ہے کہ کس جرم کا ارتکاب کیا گیا ہے، اور جہاں تک ایک ممبر کا تعلق ہے انہوں نے اشارہ کیا کہ کس شخص نے قتل کے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ اس مباحثہ میں اُس وقت کے وزیر اعظم نے بھی "قتل" کا لفظ استعمال کرنے اور یہ ظاہر کرنے ہیں کہ یہ واقعہ بلوہ کا نہیں ہے بلکہ قتل کی ایک ایسی گہری سازش ہے جس پر پوری طرح عمل کیا گیا کوئی بات محسوس نہ کی"

ایڈوکیٹ جنرل کی انصاف پسندی | اپیل کی سماعت کا تذکرہ کرتے ہوئے جج موصوف نے لکھا ہے:-

"اپیل کی سماعت کو پانچ دن ہوئے تھے کہ سرکاری وکیل نے اُنیس ملزمین کے متعلق ہاتھ اٹھا لیا اور سماعت کو سات دن نہ ہونے پائے تھے کہ یہ ظاہر ہو گیا کہ سوائے تین ملزمین کے بقیہ کے خلاف مجرم قرار دینے کے متعلق زور نہیں دیا جا سکتا"

چند سطور آگے لکھتے ہیں:-

"یہ نہ سمجھا جائے کہ فاضل ایڈوکیٹ جنرل نے یہ وسیع رعایتیں کرنے میں کوئی ایسی بات کی ہے جو مقدمہ کے حالات کے لحاظ سے صحیح اور مناسب ہونے کے خلاف ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ ایڈوکیٹ جنرل نے ہمت اور اصول پروری سے کام لیا ہے۔ میں یہ اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ نہ صرف اُن بے گناہوں کے مفاد کے مد نظر جو اس عدالت کے سامنے پیش کئے گئے ہیں بلکہ ایڈوکیٹ جنرل کے مفاد کے لئے بھی پیش کردہ ثبوت کے ترتیب و تجزیہ کے ذریعہ یہ بتادوں کہ ایڈوکیٹ نے جو بھی رعایت کی ہے اُس کے لئے وہ بالکل مجبور تھے۔"

حکومت

اور مسلمانوں کی تعلیم

حکومت اور مسلمانوں کی تعلیم

اِس عنوان کو تین حصّوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ ابتدائی تعلیم ۲۔ ثانوی تعلیم اور ۳۔ اعلیٰ تعلیم

صوبہ میں کانگریسی وزارت کے برسرِ اقتدار آتے ہی، اُس کے وزیرِ تعلیم مسٹر روی شنکر شکلا نے ودیا مندر کے نام سے ابتدائی تعلیم کی بقول خود ایک مفید اسکیم پیش کی۔ یہ مسلمانوں کی بد قسمتی تھی کہ وہ اِس اسکیم سے فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ ودیا مندر اسکیم صرف دیہاتی علاقوں کے لئے اختراع کی گئی تھی، اور کسی گاؤں میں ایک ودیا مندر کے قیام کے لئے ۲ دو شرطیں رکھی گئی تھیں۔ اوّل یہ کہ کوئی صاحب دل اس ودیا مندر کے خرچ کے لئے اس گاؤں میں اتنی زمین وقف کرے، جس سے سال میں کم سے کم دوسو روپیہ کی آمدنی ہو سکے۔ دوئم یہ کہ اُسی گاؤں یا اس کے آس پاس ایک میل کے اندر کم سے کم چالیس قابلِ تعلیم لڑکے لڑکیاں فراہم ہو سکیں۔ اوقات کے ملنے پر الگ الگ مرہٹی، ہندی اور اُردو ودیا مندر رکھولنے کی تجویز کی گئی تھی۔

صوبہ کے مسلمانوں میں اِس اسکیم، اُس کے نام اور اس کی تفصیلات کے خلاف بے حد برہمی اور سخت ناراضی پیدا ہوئی مسلمانوں کے اعتراضات کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

۱۔ ودیا مندر فرقہ دارانہ نام ہے۔

۲۔ دیہات میں مسلمانوں کی آبادی اس قدر کم ہے کہ اگر کوئی مخیر مسلمان کسی گاؤں میں زمین وقف کرنے کے لئے بھی تیار ہو جائے تو اس گاؤں یا اُس کے آس پاس ایک میل کے اندر چالیس اُردو پڑھنے والے لڑکوں اور لڑکیوں کا فراہم ہونا غیر ممکن ہو گا۔

۳۔ شق نمبر ۲ کے مطابق گاؤں کے ۲ دو چار بادنل بیس ۲ مسلمان لڑکوں لڑکیوں

کو مجبوراً مرہٹی یا ہندی ودیا مندر میں داخل ہونا پڑے گا اور ان میں ابتدائی تعلیم غیر مادری زبان اور یکسر غیر اسلامی ماحول میں حاصل کرنی ہوگی۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ صوبۂ متوسط و برار کے مسلمانوں کی مادری زبان خواہ وہ شہری ہوں یا دیہاتی صرف اردو ہے۔

۴۔ ودیا مندر اسکیم کے نصاب تعلیم بنانے کے لئے حکومت نے جو کمیٹی مقرر کی اس میں صوبہ کا کوئی مسلمان نہیں لیا گیا۔

حکومت نے اسکیم کو غیر فرقہ دارانہ ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کے دلائل پیش کئے اور عجیب و غریب تاویلیں کیں۔ اُن کے دلائل اور تاویلیں کہاں تک درست ہیں اس کا اندازہ ودیا مندر اسکیم مطبوعہ گورنمنٹ پریس ناگپور کے ذیل کے جملوں سے کیا جائے۔

"اس نام میں ایک سی زیادہ کشش موجود ہیں۔ دیہات میں ننانوے فی صدی کے لئے یہ نام روحانی ولولہ پیدا کرے گا۔ اور امید کی جاتی ہے کہ یہ نام اُن کے سنجی اور مخیر طبائع کو اپیل کرے گا۔"

حیرت ہے کہ بار بار کے تقاضوں کے باوجود نہ مسٹر شکلا اسکیم کے مصنف اور نہ کانگریس ہائی کمانڈ کے کسی بڑے سے بڑے مولانا نے نام کی کششوں ننانوے فی صدی کی رعایت روحانی ولولہ اور سنجی و مخیر طبائع کو اپیل کرنے کا راز بتایا۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی کچھ کم دلچسپ نہیں کہ اگرچہ گاندھی جی اور مسٹر سبھاش چندر بوس کو جو اس وقت کانگریس کے صدر رہتے، ودیا مندر اسکیم کے قابل اعتراض پہلوؤں کی طرف بار بار توجہ دلائی گئی اور دونوں صاحبوں نے اعتراضات کی معقولیت کو بھی تسلیم کر لیا، لیکن ودیا مندر اسکیم اٹل رہی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی جو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی مجلس عاملہ کے رکن ہیں ناگپور کے چند کانگریسی مسلمانوں کے تار کے جواب میں ایک

تار بھیجا، جس میں موصوف نے تسلیم کیا ہے کہ "ودیا مندر نام فرقہ دارانہ ہے" مولانا کا یہ تار ناگپور کے مشہور انگریزی اخبار ہتواد میں چھپ چکا ہے۔ اس اعتراف جرم کے باوجود ودیا مندر نام کا باقی رہنا، اگر دنیا کا آٹھواں عجوبہ نہیں تو اور کیا ہے۔

ایک نکتہ مسٹر شکلا نے اپنی مطبوعہ اسکیم میں یہ تسلیم کیا تھا کہ سارے ودیا مندروں میں تعلیم مادری زبان کے ذریعہ دی جائے گی۔ خود ان ہی کے قول کے مطابق جب بعض مسلمانوں نے جن میں اکثریت کانگریسیوں کی تھی، اُن سے یہ مطالبہ کیا کہ اُردو ودیا مندروں کے کھولنے کے بجائے مرہٹی اور ہندی ودیا مندروں میں مسلمان بچوں کی تعلیم کا انتظام اُن کی مادری زبان اُردو کے ذریعہ کیا جائے تو مسٹر شکلا کو عجیب پریشانی لاحق ہوئی۔ اس نئی افتاد سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے ۱۴ ستمبر ۱۹۳۸ء کو ایک سرکاری بیان نکالا گیا، جس میں مادری زبان کی تشریح ان لفظوں میں کی گئی :-

"مادری زبان سے مراد اس علاقہ کی اکثریت کی زبان ہے۔ جہاں اسکول واقع ہو"

ان جملوں کو پڑھنے کے بعد بھی کیا یہ ثابت کرنے کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ کانگریس اپنی اکثریت کے بل پر اپنی ہر چیز اقلیت سے بزور منوانا چاہتی ہے۔ اُسے مسلمانوں کے جداگانہ وجود اور اُن کی مادری زبان غرضکہ ہر چیز سے انکار ہے۔

مادری زبان کی اس نئی تشریح کے بعد صوبہ کے آٹھ لاکھ مسلمانوں کو اپنی مادری زبان کا وجود خطرہ میں نظر آیا۔ کیونکہ صوبہ کے کسی علاقہ میں اُن کی اکثریت نہیں شکلا جی کی اس نئی تفسیر سے مسلمانوں میں کس حد تک اضطراب پھیلا۔ اس کا اندازہ مسٹر محب الحق کی اس تحریک التوا سے کیا جا سکتا ہے، جو انھوں نے مادری زبان کی اس نئی تفسیر کے متعلق صوبہ کی لیجسلیٹو اسمبلی میں پیش کی۔ ایک کے سوا مجلس قانون ساز کے سارے مسلمان ممبروں نے محب الحق صاحب کے خیالات کی تائید کی مسلمانوں کے ساتھ ساتھ بعض انصاف پسند ہندوؤں نے بھی شکلا جی کی نئی اپج کے خلاف سختی

سے نکتہ چینی کی۔ چنانچہ مسٹر رگھو وندر راؤ سابق رکن مجلس قانون ساز صوبہ متوسط و برار و حال مشیر سکریٹری آف اسٹیٹس فار انڈیا (لندن) نے اس سلسلہ میں جو تقریر کی تھی اس کے بعض جملے درج ذیل ہیں :-

"انڈین نیشنل کانگریس نے اقلیتوں کو اُن کی مادری زبان کے ذریعہ تعلیم دینے کا اعلان کیا ہے، لیکن موجودہ حکومت انڈین نیشنل کانگریس کی اس پالیسی کے خلاف اقلیتوں کو اُس زبان کے ذریعہ تعلیم دینا چاہتی ہے جو اس علاقہ کی اکثریت کی زبان ہے جہاں وہ بستی ہیں۔ یہ کمیونک اقلیتوں کو اُن کی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کے حق سے محروم کرتا ہے اور انھیں علاقہ کی اکثریت کی زبان کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنے پر مجبور کرتا ہے"۔

اس ضمن میں مسٹر افتخار علی ایم۔ایل۔اے جبلپور نے تقریر کرتے ہوئے ثابت کیا کہ وردھا اسکیم میں بھی جس کی بنا پر ودیا مندر اسکیم کا نصاب تعلیم تیار کیا گیا ہے۔ مادری زبان سے طالب علم کی مادری زبان مراد لی گئی ہے۔ نہ کہ علاقہ کی اکثریت کی مادری زبان

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کارروائی مجلس قانون ساز صوبہ متوسط و برار مورخہ ۱۶ و ۱۷ ستمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۵۵۔۶۰ اور ۱۳۹۔۱۴۴۔ مطبوعہ گورنمنٹ پریس ناگپور۔

مسٹر محب الحق، مسٹر افتخار علی اور مسٹر رگھو وندر راؤ کی مدلل تقریروں کے بعد بھی اسمبلی کے صدر مسٹر گھنشام داس گپتا کی سمجھ میں یہ بات نہ آسکی کہ حکومت نے مادری زبان کی تشریح کرنے میں انڈین نیشنل کانگریس، وردھا اسکیم اور ودیا مندر اسکیم کی پالیسی سے بے جا اور خطرناک گریز کیا ہے، چنانچہ آپ نے تحریک التوا کو پیش کرنے اور اُس پر بحث کرنے کی اجازت نہ دی۔ اس پر اسمبلی کی مسلم لیگ پارٹی کے سارے رکن سید عبدالرؤف شاہ صاحب کی قیادت میں واک آوٹ کر گئے مسلم لیگ پارٹی کے ممبروں کے ساتھ ٹریڈ یونین کے برہمن نمائندے مسٹر جی۔ ایس۔ پاگے نے بھی واک آوٹ کیا۔

مختصر یہ کہ ودیامندر اسکیم اور ۱۴ ستمبر ۱۹۳۸ء کے حکومت کے سرکاری بیان کے خلاف جس میں مادری زبان کی تشریح اس عجیب انداز پر کی گئی کہ اقلیتوں کی مادری زبان کا وجود ہی عنقا ہو گیا، صوبہ کے مسلمانوں نے مہینوں اور مسلسل احتجاجات کئے، حکومت کو متاثر کرنے کے لئے ہر ممکن آئینی جد و جہد کی گئی اور آخر میں سول نافرمانی بھی کی گئی، لیکن حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی اور آخر تک اپنی ضد پر اڑی رہی۔ ذیل میں مختصر طور پر ان تمام کوششوں کا ذکر کیا جاتا ہے، جو وقتاً فوقتاً ودیامندر اسکیم کے خلاف عمل میں لائی جاتی رہیں

۱- ابھی ودیامندر اسکیم سرکاری طور پر تسلیم نہ کی گئی تھی، لیکن اسکیم کے مصنف مسٹر شکلا نے جو اس وقت وزیر تعلیم تھے جگہ جگہ اس کا پرچار شروع کر دیا تھا۔ حفظ ماتقدم کے طور پر انجمن ترقی اُردو ناگپور نے جناب ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب آنریری سیکرٹری انجمن ترقی اُردو ہند کو ناگپور آنے کی دعوت دی۔ موصوف نے ۳ ستمبر ۱۹۳۷ء کو ایک وفد کے ساتھ جو آپ کے علاوہ نواب محی الدین خاں صاحب ایم۔ ایل۔ اے ناگپور اور جناب خاں بہادر حافظ محمد ولایت اللہ ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر پر مشتمل تھا مسٹر شکلا سے ان کے دولت خانہ پر مجوزہ ودیامندر اسکیم اور ابتدائی تعلیم کے متعلق تبادلہ خیالات کیا۔ اس وفد نے صریح لفظوں میں مطالبہ کیا کہ ودیامندر اسکیم ہو یا ابتدائی تعلیم کی کوئی اور اسکیم، بہر حال اُردو کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

۲- ودیامندر اسکیم کے چھپنے کے بعد ہی ۲۳ جنوری ۱۹۳۸ء کو انجمن ترقی اُردو ناگپور کا ایک غیر معمولی اجلاس منعقد ہوا۔ اسکیم کے نام اور اس کی بعض تجویزوں سے شدید اختلاف ظاہر کیا گیا۔ وزیر تعلیم کو بھی اس کی اطلاع دی گئی۔

۳- اس کے بعد انجمن ترقی اُردو ناگپور کے رکن حکیم اسرار احمد نے سابق وزیر قانون مسٹر یوسف شریف کی معیت میں گاندھی جی سے سیگاؤں میں ملاقات کی۔ ایک گھنٹہ کی بحث و تمحیص کے بعد گاندھی جی نے تسلیم کیا کہ ودیامندر نام بعض حیثیت

سے قابل اعتراض ہے۔ اس کے بجائے ودیالیہ یا پاٹھ شالہ زیادہ موزوں ہوگا۔

۴ - ہری پورہ کی کانگریس کے ۱۹۳۸ء سالانہ اجلاس سے واپسی پر مسٹر سوبھاش چندر بوس ناگپور تشریف لائے۔ ناگپور کی مسلم ماس کنٹیکٹ کمیٹی کا ایک وفد مسٹر ساوتے کی صدارت میں مسٹر مصرا کے بنگلہ پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وفد نے ودیا مندر نام اور اسکیم کے خلاف جو اعتراضات پیش کئے مسٹر بوس نے انہیں تسلیم کرتے ہوئے وعدہ کیا کہ وہ گاندھی جی سے مل کر اس معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کریں گے۔

۵ - ودیا مندر نصاب کمیٹی کے سامنے بھی انجمن ترقی اردو ناگپور کے ایک وفد نے حکیم اسرار احمد صاحب کی قیادت میں ۳۱ مارچ ۱۹۳۸ء ۸ ۱/۲ بجے صبح ناگپور سیکریٹریٹ میں ودیا مندر اسکیم کے خلاف تحریری بیان پیش کیا۔

۶ - مارچ ۱۹۳۸ء کے بجٹ سیشن میں جب حکومت نے ودیا مندر اسکیم کے لئے دو لاکھ روپیہ کا مطالبہ پیش کیا، تو نہ صرف مسلمان ممبروں بلکہ متعدد انصاف پسند ہندوؤں نے بھی جن میں راؤ بہادر مسٹر راجورکر اور مسٹر جی۔ایس پانگے قابل ذکر ہیں، اسکیم مذکور کے خلاف سخت نکتہ چینی کی۔ دیسی عیسائیوں کے نمائندے ریورنڈ ٹراجرس نے اسکیم سے ایک حد تک اتفاق کرتے ہوئے بھی حکومت سے اپیل کی کہ جب مسلمانوں کو ودیا مندر نام پر سخت اعتراض ہے تو کیوں دوسرا نام نہ اختیار کیا جائے۔

۷ - ۱۴ ستمبر ۱۹۳۸ء کو صوبہ متوسط و برار کے اکثر مقامات پر اینٹی ودیا مندر ڈے منایا گیا۔ شہری اور ضلع مسلم لیگوں کے تحت میں احتجاجی جلسے ہوئے اور سیاہ جھنڈیوں کے ساتھ جلوس نکالے گئے۔ ہر جگہ ودیا مندر اسکیم کے خلاف تجویز پاس کی گئی۔

۸ - ۱۵ ستمبر ۱۹۳۸ء کو ناگپور اور صوبہ کے بیس ہزار مسلمانوں نے سیاہ جھنڈیوں کا

جلوس نکالا اور ناگپور اسمبلی ہاؤس کے سامنے ودیا مندر اسکیم کے خلاف مظاہرہ کیا۔

۹- ۱۸ مارچ ۱۹۳۸ء کو مظاہرین کے ایک وفد نے جناب خانصاحب عبدالرحمٰن خاں صاحب کی سرکردگی میں مسٹر شکلا سے اُن کے بنگلہ پر ملاقات کی اور ودیا مندر اسکیم سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے اُردو اور مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق ایک تحریری یادداشت پیش کی۔

۱۰- ودیا مندر اسکیم کے خلاف تحریکات کا دائرہ صوبہ متوسط و برار تک ہی محدود نہ تھا بلکہ جس طرح برار مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور نیشنلسٹ مسلم کانفرنس کے اجلاسوں انجمن ترقی اُردو کی شاخوں اور صوبہ کی مسلم لیگ کی مجلسوں کے مختلف اوقات میں اور مختلف طریقوں سے اپنی شکایات اور مطالبات کو پیش کیا، اسی طرح بیرون صوبہ کی بڑی بڑی انجمنوں حتیٰ کہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور آل انڈیا مسلم لیگ نے بھی اس اسکیم کے خلاف تجویزیں پاس کیں۔

۱۱- ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب آنریری سیکریٹری انجمن ترقی اُردو ہند نے "مسلمان اور ودیا مندر اسکیم" کے عنوان سے گاندھی جی کے نام ایک کھلی چٹھی لکھی جس میں ودیا مندر اسکیم کے نقائص اور اس سے مسلمانوں کے اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے ان سے اپیل کی کہ وہ اپنے اثرات کو کام میں لاتے ہوئے شکلا جی کو سمجھا بجھا کر اس اختلافی اسکیم کو درست کرانے کی کوشش فرمائیں۔

۱۲- جب ڈیڑھ سال کے مسلسل ایجی ٹیشن کے بعد شکلا جی اور ان کی حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی، تو صوبہ متوسط و برار کے مسلمانوں نے مجبور ہو کر اُسی حربہ کو ہاتھ میں لیا جو خود کانگریس کی ایجاد ہے، یعنی ۲۶ جنوری ۱۹۳۹ء کو انہوں نے خان بہادر نواب صدیق علی خاں صاحب ایم۔ ایل۔ اے (مرکزی) کی قیادت میں سول سکریٹریٹ ناگپور کے سامنے قانون شکنی کا آغاز کر دیا۔ آخر ۲۸ فروری

۱۹۳۹ء کو نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب آنریری سیکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ کی موجودگی میں صوبہ کے مسلم اراکین اسمبلی اور مسٹر شکلا وزیر اعظم صوبہ متوسط و برار کے درمیان ایک معاہدہ ہوا، اور قانون شکنی بند کر دی گئی۔

قبل اس کے کہ اِس معاہدہ پر بحث کی جائے۔ یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ودیا مندر اسکیم کے خلاف مسلمانوں نے ڈیڑھ سال تک جو ایجی ٹیشن کیا، اس کی غرض و غایت اس کے سوا اور کچھ نہ تھی کہ ودیا مندر نام بدل دیا جائے، اور اسکیم اور اس کے نصاب میں اس طرح ترمیم کر دی جائے کہ مسلمان بچوں کو اُن کی مادری زبان اُردو کے ذریعہ تعلیم دی جا سکے۔ صوبہ کی کانگریسی حکومت نے جو بقول خود نیشنلزم کی ٹھیکہ دار تھی، کبھی اس جائز اور معقول مطالبہ کی طرف توجہ نہ کی، اور جب قانون شکنی کی وجہ سے پانی سر سے اونچا ہو گیا تو وہ ایک ایسے معاہدہ پر رضامند ہوئی جس کے رو سے ہندو لڑکوں لڑکیوں کے لئے تو ودیا مندر اسکیم مخصوص کر دی گئی اور مسلمانوں کو مدینۃ العلم اسکیم کا تحفہ مرحمت فرمایا گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ جب یہ معاہدہ ہوا، اس وقت ودیا مندر اسکیم کے لئے دو لاکھ چھیاسٹھ ہزار روپے منظور ہو چکے تھے، اور مدینۃ العلم اسکیم کے ساتھ صرف خدا کا نام تھا۔ کہاں تو کانگریس کی شریعت میں جداگانہ انتخاب بھی کفر ہے، اور کہاں اسی کی ایک حکومت ہندوؤں اور مسلمانوں کے لئے الگ الگ تعلیمی اسکیموں کو وجود میں لاتی ہے۔ اور اس کے بعد بھی کسی کو اس کے نیشنلزم پر حرف رکھنے کی گنجائش نہیں ؎

خرد کا نام جنوں رکھ لیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

—— ※ ——

چونکہ صوبہ متوسط و برار میں ابتدائی تعلیم کی ذمہ داری برار کے چند مدرسوں کو چھوڑ کر تمام تر میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ کونسلوں کے سر ہے اس لئے اِس موضوع پر

لوکل سلف گورنمنٹ کے تحت میں بحث کی جائے گی۔ یہاں پر صرف ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے جس سے ناظرین کو اندازہ ہو جائے گا کہ جہاں تک شرمناک جھوٹ بولنے کا تعلق ہے دنیا کی کوئی حکومت صوبہ متوسط و برار کی کانگریسی حکومت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ پورے ضلع بیتول (ناگپور کمشنری) میں اُردو کا صرف ایک ابتدائی مدرسہ تھا جو وہاں کی میونسپل کمیٹی نے ہندی مدرسہ میں ضم کر دیا۔ پہلے تو بیتول میونسپلٹی کی توجہ اس زیادتی کی طرف مبذول کرائی گئی۔ لیکن جب کوئی نتیجہ نہ نکلا تو صوبائی حکومت کا دروازہ بھی کھٹکھٹایا گیا۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب آنریری سیکریٹری انجمن ترقی اُردو ہند نے حکومت کو بار بار بیتول کے اس اُردو مدرسہ کی طرف توجہ دلائی۔ مظاہرین کے وفد نے بھی جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے اپنے مطالبات میں اس کا ذکر کیا۔ حکومت نے غیر مبہم لفظوں میں اس وقت بھی اور اس کے بعد بھی یقین دلایا کہ جتنے اُردو مدرسے بند کر دیے گئے ہیں وہ دوبارہ جاری کر دیئے جائیں گے اور جو اُردو مدرسے ہندی مدرسوں میں ضم کر دیئے گئے ہیں وہ بھی جدا گانہ حیثیت سے قائم کر دیئے جائیں گے۔ حکومت نے یہ بھی اعلان کیا کہ صوبہ کی میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ کونسلوں کو ہدایت کر دی گئی ہے کہ اگر ان کے حلقہ یا رقبہ میں کوئی اُردو مدرسہ بند کر دیا گیا ہو یا مرہٹی اور ہندی مدرسہ میں ضم کر دیا گیا ہو تو وہ فوراً از سر نو جاری کیا جائے اور اس کی مستقل بحالی عمل میں آئے۔ لیکن ان تمام اعلانات اور ہدایات کے باوجود بیتول کا اُردو مدرسہ اب تک بند ہے معلوم نہیں کیوں؟

بظاہر اس کے دو توجیہیں کی جا سکتی ہیں۔ یا تو صوبائی حکومت نے صوبہ کی میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ کونسلوں کے نام اُردو مدرسوں کی بحالی کے احکام نہیں جاری کئے اور مسلمانوں کی اشک شوئی کرنے کے لئے جھوٹ موٹ یہ اعلان کر دیا کہ اُردو مدرسوں کی بحالی کے احکام نافذ کر دیئے گئے ہیں، یا میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ کونسلوں نے دیدہ و دانستہ حکومت کے احکام کو نظر انداز کیا۔ ایسی صورت میں خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے

کہ حکومت نے اُس کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والی میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ کونسلوں کے خلاف کیا کارروائی کی بیتول کی مثال تو یہ ثابت کرتی ہے کہ حکومت نے اِس سلسلہ میں کوئی کارروائی مناسب نہ سمجھی اور اُس کی طرف سے اُردو مدرسوں کی بحالی کے لئے جتنے اعلانات بھی کئے گئے تھے، وہ صرف مسلمانوں کو تھپکی دینے کے لئے تھے کہ مبادا یہ آگ زیادہ نہ پھیل جائے

ورردھا اسکیم اور اُس کا بنیادی نصاب تعلیم :-

ورردھا اسکیم اور اس کے بنیادی نصاب تعلیم کا مسئلہ کل ہند مسئلہ بن چکا ہے، اور یہاں اس پر مزید بحث بےکار ہوگی لیکن یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ اِس اسکیم کو آل انڈیا مسلم لیگ اور آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور دوسری اسلامی انجمنوں نے متفقہ طور پر مسلمانوں کے لئے ناقابلِ قبول ٹھیرایا ہے۔ صوبۂ متوسط و برار کے مسلمانوں نے بھی اس اسکیم خلاف بارہا اسمبلی اور اس کے باہر اپنی بیزاری کا اعلان کیا۔ اس کے باوجود حکومت نے اس اسکیم کے نصاب تعلیم کو رائج کرنے کا فیصلہ کیا۔ اگرچہ دوسرے کانگریسی صوبوں نے بھی ورردھا اسکیم کا بنیادی نصاب تعلیم رائج کیا، لیکن صوبۂ متوسط و برار میں جس بھونڈے طریقہ پر اس کا نفاذ ہوا ہے، وہ آپ اپنی نظیر ہے۔ مثال کے طور پر پہلے ہم بمبئی کے صوبہ کو لیتے ہیں، اور اُس کے بعد صوبۂ متوسط و برار کی کانگریسی حکومت کا کارنامہ پیش کیا جائے گا۔

جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے مسلمانوں کے اصحاب فکر و رائے اور ہندوستان کی کل اسلامی انجمنوں نے متفقہ طور پر مسترد کر دیا ہے، اس کے باوجود جب بمبئی کی حکومت نے اس اسکیم اور اُس کے نفاذ کا فیصلہ کیا، تو اُس نے اساتذہ کی ترتیب کے لئے ورردھا اسکیم کے بنیادی نصاب تعلیم کے اُصول پر جلگاؤں (خاندیش) میں ایک اُردو تعلیمی مرکز قائم کیا اس کے

خلاف صوبہ متوسط و برار کی کانگریسی حکومت واردھا اسکیم اور اس کے بنیادی نصاب تعلیم کے نفاذ میں تو کسی سے پیچھے نہ رہی، لیکن اس نے اساتذہ کو اس نئے طریقہ تعلیم میں تربیت دینے کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہ کیا۔ اس سلسلہ میں جو کچھ کیا گیا وہ صرف اس قدر کہ محکمۂ تعلیم کے چند افسروں کو مختلف مقامات میں بھیج دیا گیا۔ محکمۂ تعلیم کے ان افسروں نے جو خود وردھا نصاب تعلیم کے اچھی طرح ماہر نہ تھے، ہر جگہ ایک دو ہفتہ باری باری مرہٹی۔ ہندی اور اردو اسکول کے ماسٹروں کو نصاب مذکور اور بنیادی طریقہ تعلیم سے روشناس کیا۔ ہر انصاف پسند صوبائی حکومت کے اس نارو اور تعلیم کش طریقہ کار پہ کف افسوس وحیرت ملے بغیر نہیں رہ سکتا۔ صرف پندرہ دن کے اندر ایک نئے اور انوکھے طرز تعلیم سے اساتذہ کو واقف کرانا اور وہ بھی سرسری لکچروں کے ذریعہ بھلا کسی کے وہم وخیال میں بھی آسکتا ہے ممکن ہے کہ گاندھی جی کی روحانیت نے اساتذہ کے دماغوں میں نئی چیزوں کے قبول کرنے کی معجز نما صلاحیت پیدا کر دی ہو، کیونکہ وردھا اسکیم انہیں کے ایما پر مرتب کی گئی ہے اور بلاشبہ اسے ان کی برکتیں اور دعائیں حاصل ہیں۔ غرضکہ نئے طرز تعلیم کی بھول بھلیاں میں پھنس کر غریب اساتذہ پرانا طریقہ تعلیم بھی بھول گئے اور اب انھیں اسکولوں میں وردھا نصاب تعلیم کے رو سے پڑھاتے ہوئے دیکھ کر اس کوّے کی مثل یاد آتی ہے، جو بےچارہ ہنس کی چال چلا اور اپنی چال بھی بھول گیا۔

کانگریسی پروپگنڈے کی ایک دلچسپ مثال:۔

بھلائی کر کے بھی احسان جتانا، اگرچہ شریفوں کا شیوہ نہیں، لیکن کانگریس کے تو انداز ہی نرالے ہیں کہ کچھ نہ کرتے ہوئے بھی اس نے سی۔ پی کے مسلمانوں پر اپنے احسانات کا ڈھنڈورا پیٹنے میں کمی نہ کی۔ ۱۹۳۸ء کا ذکر ہے کہ جب سی۔ پی کی کانگریسی حکومت صوبہ کے مسلمانوں کو اپنے فریب میں نہ لا سکی۔ تو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اس کی حمایت کا بیڑا اٹھایا، اور ایک بیان کے ذریعہ سی۔ پی کی حکومت کے ان احسانات کو گنوایا، جو اس

نے مسلمانوں کی تعلیم کے سلسلہ میں کیے تھے۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب آنریری سیکرٹری انجمن ترقی اردو ہند نے بذات خود آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے بیان کی تحقیق کی، اور ایک مضمون کے ذریعہ ثابت کر دیا کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے جن احسانات کا سہرا سی۔ پی کی حکومت کے سر باندھنے کی کوشش کی تھی، وہ سب اگر احسانات ہی ہیں تو اُن کا تعلق اُن حکومتوں سے تھا جو صوبہ میں کانگریس کی حکومت سے پہلے تھیں ذیل میں ڈاکٹر صاحب موصوف کے مضمون سے جس کا عنوان "آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی غلط بیانی اور سی۔ پی وزارت کے کارناموں کی فرضی کہانی" تھا ایک مختصر اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ جس سے اعداد و شمار کی روشنی میں خود بخود ظاہر ہو جائے گا کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو پروپیگنڈے بازی میں خواہ وہ کتنا ہی رکیک اور گندہ کیوں نہ ہو کس درجہ کمال حاصل ہے

آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اپنے بیان میں ظاہر کیا تھا کہ سی۔ پی کانگریسی حکومت کی طرف سے مسلمانوں کو حسب ذیل تعلیمی وظیفے ملتے ہیں:۔

(۱) تین روپیہ ماہانہ کے ۹ وظیفے ...... مڈل اسکول کے طلبہ کے لئے

(۲) پانچ روپیہ ماہانہ کے ۸ وظیفے ...... ہائی اسکول کے طلبہ کے لئے

(۳) پانچ روپیہ ماہانہ کے ۴ وظیفے ...... اردو نارمل اسکول سے متعلق پریکٹسنگ اسکول کے لئے

(۴) تیرہ روپیہ ماہانہ کے ۶۰ وظیفے ...... اردو نارمل اسکول امراؤتی کے لئے

(۵) دس روپیہ ماہانہ کے ۱۰ وظیفے ...... زنانہ گورنمنٹ نارمل اسکول جبلپور میں اردو زبان میں ٹریننگ حاصل کرنے والی طالبات کے لئے

(۶) اس کے علاوہ عام مقابلے کے ذریعہ مسلم طلبہ کو علیحدہ وظیفے مل سکتے ہیں (اور ملتے ہیں)

اب ان وظیفوں کا کچا چٹھا ڈاکٹر صاحب کی زبان سے سنئے:-

۱۔ کے وظائف کا تعلق ۱۹۱۸ء سے ہے ملاحظہ ہو اسٹینڈنگ آرڈر صفحہ ۱۳۴ نمبر ۹۲۸ مورخہ ۴ فروری ۱۹۱۸ء اور نمبر ۱۱۶۲ مورخہ ۸ فروری ۱۹۱۸ء

۲ اور ۳ کے وظیفے بھی ۱۹۱۸ء کے جاری کردہ ہیں۔ سکریٹریٹ ۴۹۸۔ اے۔ (ا) صفحہ ۱۳۷ مورخہ ۵ فروری ۱۹۱۸ء۔

۴۔ کے وظیفے ۱۹۱۷ء میں وجود میں آئے۔ ۵۹۰۱ مورخہ ۴ ستمبر ۱۹۱۷ء

۵۔ کے وظیفے اپریل ۱۹۳۷ء میں منظور ہوئے جبکہ ابھی صوبہ میں کانگریسی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو ۴۶۲ مورخہ ۹ اپریل ۱۹۳۷ء

۶۔ امتحان مقابلہ میں شریک ہوکر وظیفہ حاصل کرسکنے کی رعایت بہت ہی دلچسپ ہے۔

مسلمانوں کی تعلیم کا خاص انتظام

آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اس ضمن میں اپنے بیان میں اُن ۳۲۳ درسگاہوں کا ذکر کیا ہے۔ جو مسلمانوں کے لئے مخصوص ہیں ملحوظ خاطر رہے کہ ان ۳۲۳ درسگاہوں میں صوبہ بھر کے ابتدائی اور ثانوی مدرسے شامل ہیں۔ یہ بھی صحیح نہیں کہ یہ ۳۲۳ درسگاہیں مسلمانوں کے لئے مخصوص ہیں، بات صرف اتنی ہے کہ ان درسگاہوں میں اُردو پڑھائی جاتی ہے۔ اگر اُردو درسگاہوں کی تخصیص مسلمانوں کے ساتھ جائز ہوسکتی ہے تو صوبہ بھر کے وہ سب اسکول جن میں مرہٹی اور ہندی پڑھائی جاتی ہے خالص ہندو اسکول کہے جائیں گے سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ان ۳۲۳ تعلیمی اداروں میں ایک بھی کانگریسی وزارت کا قائم کیا ہوا نہیں ہے تو کس بنا پر ان تعلیمی اداروں کے وجود یا قیام کو سی پی کی کانگریسی وزارت کے کارناموں میں شمار کیا گیا۔

تعلیمی اداروں کی امداد

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے بیان میں اِس عنوان کے تحت میں اٹھارہ مسلم اسکول گنائے گئے ہیں جنھیں کانگریسی حکومت امداد دے رہی تھی۔ یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ان اسکولوں میں سے ایک کی بھی امداد کانگریسی حکومت کی رہین منت نہیں، بلکہ یہ سب امداد پچھلی حکومتوں کے عہد سے جاری ہے۔

اِس وقت صوبہ کے امدادی مدارس کو لڑکوں کی تعلیم کے لئے حکومت تین لاکھ گیارہ ہزار تین سو پچاسی روپے دے رہی ہے۔ اِس رقم میں سے اُردو کا حصہ صرف پچیس ہزار سات سو اکیس روپے ہے۔ اس امداد کی وقعت اور بھی کم ہو جاتی ہے جب ہم صوبہ کے سرکاری مدارس پر ایک نظر ڈالتے ہیں جن میں دو ایک کو چھوڑ کر سب کے سب ہندی اور مرہٹی پڑھنے والے طلبہ کے لئے مخصوص ہیں۔ چھوٹے شہروں اور قصبوں کا تو ذکر ہی کیا۔ ناگپور، اور جبلپور ایسے مرکزی مقامات کے سرکاری مدارس میں بھی اُردو کا نام و نشان نہیں۔

لڑکیوں کے امدادی مدارس کو باون ہزار دو سو آٹھ روپے دئے جا رہے ہیں ان میں اُردو پڑھنے والی طالبات کا حصہ صرف دو ہزار دو سو نوے روپے ہے۔

یہ اعداد و شمار صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ سی۔ پی کی کانگریسی حکومت مسلمانوں کی طرف سے کس درجہ تغافل برت رہی ہے اس پر بھی بڑے فخر و مباہات کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ کانگریس اور اس کی وزارت مسلم اقلیت کی بہترین رفاقت اور دوستی کا ثبوت دے رہی ہے۔

(ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کے بیان سے ماخوذ)

ثانوی تعلیم

پچھلے بیان سے جس کی تردید آج تک نہ سی۔ پی کی کانگریسی وزارت اور نہ

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کر سکتی ہے۔ یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ سی۔ پی کی کانگریسی وزارت نے نہ مسلمانوں کی ابتدائی تعلیم کی طرف توجہ کی اور نہ اُن کی ثانوی تعلیم کا کوئی خاص انتظام کرنے کی کوشش کی۔ ۲۷، ۲۸ر فروری ۱۹۳۹ء کو نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب آنریری سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ کی موجودگی میں سی۔ پی کے مسلم اراکین اسمبلی اور شکلاجی کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس میں اسمبلی کے مسلم اراکین نے اُردو اور مسلمانوں کی ثانوی تعلیم کے سلسلہ میں ذیل کے مطالبات پیش کئے تھے۔

مطالبہ ۶ کم سے کم لڑکوں کا ایک ہائی اسکول سی۔ پی میں لڑکیوں کا ایک ہائی اسکول سی۔ پی میں اور ایک برار میں اور لڑکیوں کے دو مڈل اسکول سی۔ پی میں حکومت کی طرف سے قائم کئے جائیں جن میں اُردو کے ذریعہ تعلیم کا انتظام کیا جائے۔

مطالبہ ۱۰ جہاں کہیں حکومت اور لوکل باڈی مرہٹی اور ہندی کے ذریعہ ثانوی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام کر رہی ہے، وہیں مسلم طلبہ کی تعلیم کا بھی اُردو کے ذریعہ معقول اور مناسب انتظام کیا جائے۔ نیز ثانوی تعلیم کے لئے مسلمانوں کی خانگی اداروں کو کل خرچ کا نصف بطور امداد کے دیا جائے۔

مطالبہ ۱۱ مسلمان طالب علموں کا ذریعۂ تعلیم اُردو قرار دیا جائے اور حکومت کے ہر ہائی اور مڈل اسکول میں اُردو کی تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔

مطالبہ ۶ کے سلسلہ میں بحث و تمحیص کے بعد اسمبلی کے مسلم اراکین نے حکومت کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ ناگپور کے انجمن حامی اسلام ہائی اسکول کو حکومت کلیۃً اپنے انتظام میں لے لے، اور صوبہ میں جو دو اینگلو اُردو گرلس مڈل سکول ہیں، اُنہیں ہائی اسکول بنا دیا جائے۔

حکومت اس سلسلہ میں غور کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اس معاہدہ کے بعد کانگریسی حکومت اگرچہ آٹھ نو مہینہ تک صوبہ میں برسر اقتدار رہی، لیکن بڑی کوشش اور جستجو کے بعد بھی ہمیں

یہ نہ معلوم ہو سکا کہ آخر حکومت کے غور و فکر کا کیا نتیجہ نکلا۔ نہ ناگپور کے انجمن ہائی اسکول کو حکومت نے اپنے انتظام میں لیا اور نہ دونوں اینگلو اُردو گرلس مڈل اسکولوں کو ہائی اسکول بننے کا فخر حاصل ہوا۔ شاید کانگریس کی لغت میں غور کرنے کا مفہوم مسترد کرنا ہے۔

مطالبہ ۱۰ کے بارے میں حکومت نے یقین دلایا تھا کہ محکمۂ تعلیم کے موجودہ قواعد و ضوابط کے عمل درآمد میں جس قدر بھی ممکن ہوگا فیاضی سے کام لیا جائے گا۔

اب ذرا حکومت کی اس فیاضی کی داستان بھی سن لیجئے۔ معاہدہ پر دستخط ہونے کے بعد ہی ڈاکٹر عبدالحمید حال پرنسپل بنیادی اُردو تعلیمی مرکز جل گاؤں (خاندیش) سابق رکن کونسل آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے جو اس وقت (فروری ۳۹ء) انجمن ہائی اسکول کھام گاؤں (برار) کے مہتمم تھے، حکومت سے انجمن ہائی اسکول کھام گاؤں کے سرکاری امداد میں اضافہ کی درخواست کی اور ایک کٹر کانگریسی ہونے کی وجہ سے مسٹر شکلا سے بالمشافہ بھی عرض کیا۔ حکومت کی فیاضی کا تصور رکھتے ہوئے کھام گاؤں سے بار بار ناگپور کا سفر کیا تحریری اور زبانی ساری کوششیں صرف کر ڈالیں، لیکن انجمن اسکول کی امداد میں ایک حبہ کا بھی اضافہ نہ ہو سکا جب کانگریس کے منظور نظر کی درخواست امداد کا یہ حشر ہوا، تو ناگپور اور جبلپور کی انجمنوں کی درخواست کا حشر معلوم کرنا تحصیل حاصل ہے۔ غرضکہ ان دونوں اداروں کے ذمہ دار کارکنوں نے بھی حکومت کی فیاضی حاصل کرنے کے لئے متعدد درخواستیں دیں لیکن شکلا جی نے ایسی چپ سادھی کہ بیچارے اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

مطالبہ ۱۱ کے متعلق جو تصفیہ ہوا تھا، اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

حکومت کے ان ہائی اور مڈل اسکولوں میں جن میں فی الحال اردو کی تعلیم کا انتظام نہیں۔ اس کی تعلیم کا انتظام کرنے کے سلسلہ میں حالات پر نظر کی جائے گی اور اگر حالات کے مطالعہ کے نتیجہ پر ان اسکولوں میں اردو کی تعلیم کا انتظام کرنے کی ضرورت سمجھی گئی، تو اس کا انتظام

کیا جائے گا۔

یہ معاہدہ فروری ۱۹۳۹ء میں ہوا تھا، اور جولائی ۱۹۳۹ء میں صوبہ کے اسکولوں کا نیا سیشن شروع ہوا اگرچہ تصفیہ کے الفاظ مبہم ہیں لیکن حکومت کو اپنی خوش نیتی اور مسلمانوں کے تعلیمی مطالبات سے ہمدردی ثابت کرنے کے لئے کم سے کم صوبہ کے کسی ایک سرکاری ہائی یا مڈل اسکول میں اردو کی تعلیم کا آغاز کر دینا چاہیئے تھا۔ رہ گیا ضرورت کا ثابت کرنا تو اس کا معیار مختلف ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم کہتے ہیں کہ ناگپور کے سرکاری ہائی اسکول میں اردو کی تعلیم کا انتظام کرنے کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی کیونکہ یہ صوبہ کا صدر مقام ہے اور اردو پڑھنے والے طلبہ کی روز افزوں زیادتی کے پیش نظر دو خانگی ہندو ہائی اسکولوں نے اردو کی تعلیم کا انتظام کیا جب خالص ہندو اسکولوں کو اردو تعلیم کی ضرورت کا احساس کرنا پڑا۔ تو حکومت کے پاس اپنے اس طرز عمل کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے کیا عذر رہ جاتا ہے کہ اس نے ناگپور کے سرکاری ہائی اسکول میں اردو کی تعلیم کا اس لئے انتظام نہیں کیا کہ اس کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ ناگپور کی مثال مشتے از نمونہ خروارے پیش کی گئی ہے ورنہ صوبہ کے ہر مقام کے سرکاری ہائی اور مڈل اسکول میں اردو تعلیم کی ضرورت بخوبی ثابت کی جا سکتی ہے۔

اعلیٰ تعلیم

صوبہ متوسط و برار کے مسلمانوں کی یہ ایک دیرینہ اور بہت بڑی شکایت ہے کہ حکومت نے اعلیٰ تعلیم کے ضمن میں ان کی شکایات اور مطالبات پر کبھی ہمدردانہ غور نہیں کیا جب ۲۷ فروری ۱۹۳۹ء کو مسٹر شکلا اور صوبہ کے مسلم اراکین اسمبلی کے مابین گفت و شنید شروع ہوئی تو مسلمان ممبروں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اعلیٰ تعلیم کے سلسلہ میں ذیل کا ایک مطالبہ کیا:۔

مطالبہ نمبر ۱۷۔ حکومت کے ہر کالج میں اردو پڑھانے کا انتظام کیا جائے۔

اس کے جواب میں شکلا جی نے یہ فرمایا کہ حکومت کے ہر کالج اور اکثر پرائیویٹ کالجوں میں اردو کی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔

افسوس کہ یہ معاہدہ جس پر شکلاجی اور نوابزادہ لیاقت علی خاں صاحب آنریری سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ کے دستخط ہیں پردہ راز میں تھا۔ ہمیں سب سے پہلے اس کا علم ۲۲ دسمبر ۱۹۳۹ء کو اخبار ہتواد ناگپور کے ذریعہ ہوا، ورنہ ہم آج سے کئی مہینے پہلے کانگریسی حکومت کے ایک وزیر اعظم کے اتنے بڑے جھوٹ سے دنیا کو واقف کرتے، جس کی بڑائی کے سامنے ہمالیہ بھی رائی ہوتا۔ ملحوظ خاطر رہے کہ حال ہی میں جب آنریبل مولوی فضل الحق صاحب پریمیر بنگال نے کانگریسی وزارتوں کی مظالم کے متعلق ایک یادداشت شائع کی تو اس کے جواب میں سی۔پی کی کانگریسی حکومت کے اخیر سابق وزیر اعظم مسٹر شکلا نے ایک جوابی بیان چھپوایا، جس میں انھوں نے لکھا کہ آنریبل مولوی فضل الحق صاحب پریمیر بنگال نے سی۔پی کی کانگریسی وزارت کے مظالم کے بیان میں جھوٹ کے ہمالہ بنائے ہیں۔ سچ ہے کہ جو جیسا ہوتا ہے دوسروں کو بھی ویسا ہی سمجھتا ہے۔

مطالبہ ۱۷ کے جواب میں شکلاجی نے جو کچھ فرمایا ہے ناظرین کو اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ پنڈت شکلا بات کا بتنگڑ اور رائی کا پہاڑ نہیں بلکہ جھوٹ کا ہمالیہ تیار کرنے میں کس قدر مشاق ہیں۔ شکلاجی نے اپنے جواب میں یہ فرمایا ہے کہ حکومت کے ہر کالج میں اردو پڑھانے کا انتظام ہی نہیں بلکہ معقول انتظام ہے۔ اب اس معقول انتظام کی حقیقت سنئے۔ جس وقت شکلاجی نے مطالبہ ۱۷ کے جواب میں مذکورہ بالا جملہ ارشاد فرمایا، اس وقت اور اب بھی حکومت کے چار کالجوں میں سے صرف ایک یعنی کنگ ایڈورڈ کالج امراؤتی میں بے شک اردو کی تعلیم کا معقول انتظام تھا اور اب بھی ہے لیکن اس کالج کے علاوہ مارس کالج ناگپور، رابرٹسن کالج جبلپور اور راجکمار کالج رائے پور (اگر اس کالج کو اس حیثیت سے کہ وہ صرف راجکماروں کے لئے مخصوص ہے نظر انداز بھی کر دیا جائے تو بھی بقیہ دو کالجوں میں مارس کالج ناگپور اور رابرٹسن کالج جبلپور میں نہ اس وقت اردو کی تعلیم کا معقول انتظام تھا اور نہ اب ہے۔ شکلاجی نے یہ جواب فروری ۱۹۳۹ء میں دیا تھا۔ تعلیم کے نئے سیشن یعنی جولائی ۱۹۳۹ء کے بعد رابرٹسن کالج جبل پور میں اردو کی تعلیم میں انتظام کیا گیا لیکن سراسر غیر معقول اور ادھورا یعنی اردو پڑھانے کی خدمت

بھی فارسی کے پروفیسر کے سپرد کردی گئی، اور ناگپور کا مارس کالج تو اس غیر معقول درادھورے انتظام سے بھی اب تک محروم ہے۔

یہ صحیح ہے کہ صوبہ کے اکثر پرائیویٹ کالجوں میں اُردو کی تعلیم کا انتظام ہے۔ مگر اس میں پیا شکلاجی اور اُن کی کانگریسی حکومت کا کیا احسان ہے۔ کیا لطف ہے یہ کانگریسی مہاشے خود تو کچھ کرتے نہیں، لیکن دوسروں کے کئے کا اعزاز حاصل کرنے کے لئے بیتاب رہتے ہیں۔

سرکاری کالجوں میں اُردو کی تعلیم کا انتظام کرنے سے کانگریسی حکومت کی تغافل کوشی:—

اگرچہ شکلاجی نے فروری ۱۹۳۹ء کے معاہدہ میں مطالبہ ۱۱ کا جواب دیتے ہوئے یہ کہہ کر کہ حکومت کے ہر کالج میں اُردو کی تعلیم کا معقول انتظام ہے، دُنیا کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کی کوشش کی، لیکن جیسا کہ اُوپر کی سطروں میں لکھا گیا ہے واقعہ اور حقیقت یہی ہے کہ جب شکلاجی نے یہ جواب دیا تھا، اس وقت حکومت کے ایک کالج کے سوا کسی کالج میں اُردو کی تعلیم کا معقول تو بہت دور، غیر معقول انتظام بھی نہ تھا۔ صوبہ کی مختلف ادبی اور سیاسی انجمنوں نے بار بار حکومت کو اس کی طرف توجہ بھی دلائی، لیکن وہاں تو سب کے جواب میں وہی ایک خموشی تھی۔

۲۳، ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو ناگپور میں ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب آنریری سیکریٹری انجمن ترقی اُردو ہند کی صدارت میں ایک عظیم الشان صوبہ اُردو کانفرنس منعقد ہوئی، اور اس میں ایک تجویز کے ذریعہ صوبائی حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ صوبہ کے ہر سرکاری کالج میں اُردو کی تعلیم کا مناسب اور معقول انتظام کرے۔ بعد میں صوبہ کے متعدد مسلم ارکین اسمبلی انجمن ترقی اُردو کی شاخوں، مختلف شہری اور ضلع لیگوں اور ادبی و نیم سیاسی انجمنوں نے بھی مختلف اوقات میں اس جائز مطالبہ کی تائید کی۔ مسٹر افتخار علی ایم۔ ایل۔ اے جبلپور اور دوسرے مسلم ارکین اسمبلی نے اس سلسلہ میں اسمبلی میں متعدد سوالات کئے۔ مسٹر افتخار علی ایم۔ ایل۔ اے نے اسمبلی میں ایک تجویز کے ذریعہ بھی حکومت سے درخواست کی کہ رابرٹسن کالج جبلپور میں ایک مستقل اُردو لکچرار کا تقرر عمل میں لایا جائے۔ ساری چیخ پکار کا نتیجہ صرف یہ نکلا کہ رابرٹسن کالج

جبلپور اور مارس کالج ناگپور میں اردو کی تعلیم کا انتظام کرنے یا نہ کرنے کا تصفیہ کرنے کے لئے الگ الگ سب کمیٹیاں مقرر کی گئیں۔ جو سب کمیٹی رابرٹسن کالج جبلپور میں تحقیق حال کے لئے گئی تھی، اس کی رائے ملاحظہ ہو:۔

"ہم سفارش کرتے ہیں کہ رابرٹسن کالج جبلپور کو بی۔ اے تک اردو تعلیم دینے کا ضمنیا دیا جائے لیکن ہم یہ بھی ضروری خیال کرتے ہیں کہ حکومت کو اس کالج میں مستقل طور پر اردو کا ایک لکچرار بھی مقرر کرنا چاہیئے۔ جو سب کمیٹی مارس کالج ناگپور کے لئے مقرر کی گئی اس نے بھی واضح الفاظ میں یہی سفارش کی کہ "مارس کالج ناگپور کے لئے بی۔ اے تک اردو پڑھانے کا حق تسلیم کیا جائے، اور کالج میں اردو پڑھانے کے لئے علیحدہ اور مستقل لکچرر مقرر کیا جائے۔

سب کمیٹیوں کی ان صریح سفارشوں کے بعد بھی حکومت نے نہ رابرٹسن کالج جبلپور میں اردو کا لکچرر مقرر کرنے کی ضرورت محسوس کی اور نہ مارس کالج ناگپور میں۔ غرضکہ مسلمان سر ٹپک کر رہ گئے۔ لیکن حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اب تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمائیے

"حیدرآباد سے "بندے ماترم" طلبہ کا سیلاب

اور

سی۔ پی کی حکومت اور ناگپور یونیورسٹی کی آغوش رحمت"

ہم اس الجھن میں پڑنا نہیں چاہتے کہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن اور ریاست کے تعلیمی اداروں میں ہندو طالب علموں کو "بندے ماترم" کے گیت گانے کا حق تھا یا نہیں، لیکن حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ یہ خالص فرقہ وارانہ سوال تھا جسے حیدرآباد اور ہندوستان کے ہندو کانگریسیوں، فتنہ پردازوں اور شر انگیز مہاسبھائیوں نے اپنی زہریلی تقریروں اور جذبات کو ابھارنے والی تحریروں سے خوب پھیلایا۔ ہندو طالب علموں کے ایک طبقہ نے اپنے بزرگوں کی شہ پاکر عثمانیہ یونیورسٹی اور ریاست کے

دوسرے تعلیمی اداروں کو خیرباد کہہ دیا۔ ناگپور یونیورسٹی کے کانگریسی وائس چانسلر مسٹر کیدار نے
اِن مجاہدوں کو سی۔پی آنے کی دعوت دی، چنانچہ حیدرآباد کے "بندے ماترم" طلبہ کے قافلے
کے قافلے سی۔پی آگئے۔ مسٹر کیدار نے اِن فرقہ پرست طالب علموں کی دلجوئی کے لئے کیا کیا
نہ کیا۔ اُن کی تعلیم اور بے وقت امتحان کے لئے ناگپور یونیورسٹی کے قواعد و ضوابط میں فوری
ترمیم و تنسیخ کی۔ ان طالب علموں کو صوبہ کے مختلف سرکاری کالجوں پر تقسیم کر دیا گیا
اور ان کی تعلیم کے لئے ایک درجن سے زائد لکچرار مقرر کئے گئے۔ ان میں سے کچھ طلبہ رابرٹسن
کالج جبلپور کے حصہ میں بھی آئے۔ اوپر کی سطروں میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ جبلپور
کا مسلمان ممبر اسمبلی سر پٹک کر مر گیا، لیکن رابرٹسن کالج جبلپور میں اُردو کا لکچرار مقرر نہ
کیا گیا۔ لیکن جوں ہی حیدرآباد کے "بندے ماترم" طلبہ رابرٹسن کالج جبلپور پہنچے تو انہیں
اُردو پڑھانے کے لئے فوراً ایک اُردو لکچرار مقرر کر دیا گیا۔ چند مہینوں کے بعد جب یہ طلبہ
پھر حیدرآباد واپس چلے گئے تو اُردو لکچرار کو بھی جواب دے دیا گیا۔ اگرچہ کالج میں اُردو
پڑھنے والے طلبہ موجود تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ یہ طلبہ مسلمان تھے اور حکومت کی نظر
میں اُردو پڑھنے والے مسلمان طلبہ اس کے مستحق نہ تھے کہ انہیں تعلیم دینے کے لئے
اُردو لکچرار باقی رکھا جائے۔ اسی ضمن میں ایک جملہ معترضہ یاد آگیا جسے پیش کرنا ضروری
ہے۔ پچھلے چند سالوں سے ناگپور یونیورسٹی کے امتحانات میں چند پردہ نشین مسلم خواتین
بھی شریک ہوتی ہیں۔ پردہ کی پابندی کی وجہ سے اِن مسلم طالبات کو ناگپور یونیورسٹی
سے یہ درخواست کرنی پڑتی ہے کہ دوران امتحان میں ان کے لئے پردہ کا مناسب بندوبست
کیا جائے۔ بڑی دوڑ دھوپ اور غیر معمولی کد و کاوش کے بعد کہیں ناگپور یونیورسٹی مسلم
طالبات کے لئے پردہ کا انتظام کرنے پر راضی ہوتی ہے لیکن خوشی سے نہیں، بلکہ طوعاً
و کرہاً اور ناک بھوں چڑھا کر۔ لیکن اسی ناگپور یونیورسٹی کو حیدرآباد کے "بندے ماترم"
طلبہ کے لئے نئے نئے انتظام کرنے، اُن کے لئے بے وقت اور خلاف معمول امتحان

مقرر کرنے، متعدد نئے لکچراروں کے مقرر کرنے۔ چھٹیوں میں بھی کالج کو کھلا رکھنے حتیٰ کہ یونیورسٹی کے قواعد وضوابط میں بھی ترمیم و تنسیخ کرنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوئی۔ جانبداری اور فرقہ پرستی کی یہ بدترین مثال کانگریسی وزارت کے عہد مبارک ہی میں مل سکتی ہے۔

مسلمانوں کی تعلیم کے سلسلہ میں ۱۰ فروری ۱۹۳۹ء کا معاہدہ اور کانگریسی حکومت کی طرف سے اس کی صریح خلاف ورزی :-

جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں ۸ فروری ۱۹۳۹ء کو مسٹر شکلا سابق وزیر اعظم اور صوبہ کے مسلم اراکین اسمبلی کے درمیان ایک کانفرنس ہوئی تھی جس میں صوبہ کے مسلمانوں کے تعلیمی مطالبات پیش کئے گئے تھے۔ دو دن کی بحث تمحیص کے بعد فریقین میں ایک معاہدہ ہوا تھا جس کی بعض دفعات پر ہم ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے ضمن میں بحث کر چکے ہیں۔ چونکہ اس معاہدہ کا تعلق مسلمانان صوبہ کے عام تعلیمی مطالبات اور ان کی ابتدائی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے ہر پہلو سے ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی کے دوسری دفعات پر بھی مجموعی حیثیت سے ایک نظر ڈال لی جائے۔ مطالبہ ۱ (الف) اور (ب) متعلقہ ابتدائی تعلیم :-

(الف) ایک اردو اسکول کھولنے کے لئے خواہ وہ حکومت کی طرف سے ہو یا لوکل باڈی کی جانب سے طلبہ کی تعداد صرف دس مقرر کی جائے۔

(ب) جہاں کہیں یہ تعداد فراہم ہو جائے تو حکومت یا لوکل باڈی لازمی طور پر ایک اردو اسکول قائم کرے اور اگر یہ تعداد مہیا نہ ہو سکے تو حکومت یا لوکل باڈی کم تعداد والے اسکول کا نصف خرچ امداد کے طور پر دے کر خانگی ادارہ کی حوصلہ افزائی کرے۔

مطالبہ مذکورہ کے متعلق یہ تصفیہ ہوا تھا کہ :-

"ہر لوکل باڈی کے سالانہ مصارف کا ایک مناسب حصہ مسلم بچوں کی تعلیم کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ اس تصفیہ کا جو کچھ حشر ہوا وہ یہ کہ صوبہ کی کسی ایک لوکل باڈی نے

اپنے سالانہ مصارف میں سے کوئی مقررہ حصہ مسلم بچوں کی تعلیم کے لیے مخصوص نہ کیا گویا حکومت نے جو کچھ کیا تھا اس کی حیثیت طفل تسلی سے زیادہ نہ تھی۔ یا یہ ایک بہانہ تھا ان مسلمانوں کے جوش و خروش کو سرد کرنے کے لیے جنھوں نے وہ یا منندرا اسکیم کے خلاف قانون شکنی کی تھی۔

مطالبہ ۸۔ موجودہ اردو اسکول نہ تو بند کیے جائیں اور نہ انھیں ہندی اور مرہٹی اسکولوں میں ضم کیا جائے اور جو اردو اسکول بند کر دیے گئے ہیں یا ہندی مرہٹی اسکولوں میں ضم کر دیے گئے ہیں انھیں از سر نو قائم کیا جائے۔ جیسے بتیول اور امرتیہ وغیرہ کے اردو مدرسے۔

اس مطالبہ کے متعلق جو متفقہ فیصلہ ہوا تھا وہ درج ذیل ہے:۔

"جہاں تک بتیول کا تعلق ہے، معاملہ طے ہو گیا ہے، رہ گئے دوسرے مقامات کے اردو اسکول تو حکومت اس کے متعلق تحقیقات کرے گی۔ یہ معمول نہیں ہے کہ موجودہ اسکول بند کیے جائیں۔ جہاں کہیں کوئی اردو اسکول بند کیا جائے گا کسی دوسرے مقام پر ایک نیا اردو اسکول کھولا جائے گا بشرطیکہ اس کا مطالبہ کیا جائے۔"

حکومت نے اس فیصلہ پر کہاں تک عمل کیا، اس کا اندازہ صرف دو مثالوں سے کیا جائے بے شک بتیول کے اردو مدرسہ کا معاملہ مشر گوکھلے سابق وزیر تعلیم کی موجودگی میں بتیول میں طے ہو گیا تھا اور یہ قرار پایا تھا کہ بتیول کی میونسپلٹی اردو اسکول کو از سر نو جاری کرے لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ بتیول کی میونسپل کمیٹی نے آج تک اس اردو اسکول کو جاری نہیں کیا۔— امرتیہ ضلع ناگپور کا اردو مدرسہ اگرچہ از سر نو جاری کیا گیا، لیکن اس شان سے کہ اس کا نیا اسٹاف پچھلے اسٹاف کی نسبت سے بقدر نصف کم کر دیا گیا اور مدرسہ مذکور کے مدرسوں کی تنخواہوں کا معیار بھی گھٹا دیا گیا۔ ایسی صورت حال میں کیا یہ امید کی جا سکتی ہے کہ امرتیہ کا یہ اردو مدرسہ بہت دنوں تک جاری رہ سکتا ہے۔

مطالبہ ۱۴ - مسلم درگاہوں کی نگرانی کے لیے جداگانہ مسلم نگراں مقرر کئے جائیں جیسا کہ بمبئی مدراس وغیرہ میں ہے فیصلہ کے الفاظ یہ ہیں :-

"فی الحال ایک ڈپٹی ڈائرکٹر تعلیمات کو مسلمانوں کی تعلیم کا انچارج مقرر کیا جائے اور اس کے بعد جب کبھی مناسب موقع ملے تو ڈائرکٹر تعلیمات کے تحت میں ایک خاص تعلیمی افسر مسلمانوں کی تعلیم کا نگراں اور مہتمم مقرر کیا جائے۔

حکومت نے اس متفقہ فیصلہ کو بھی ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا اور فیصلہ کے بعد آٹھ نو مہینے کے دوران میں کبھی اس کو عمل میں لانے کی کوشش نہ کی۔

مطالبہ ۱۵ - انجمن اسلامیہ ہائی جبلپور کو سرکاری مطبوعات کا کام از سرنو دیا جائے۔

حکومت نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ سرکاری مطبوعات کے ٹھیکہ کی منسوخی محض تجارتی اصول پر عمل میں آئی ہے۔ اگر انجمن اسلامیہ ہائی اسکول جبلپور مزید امداد کے لئے درخواست کرے تو اس پر ہمدردانہ غور کیا جائے گا۔

اگرچہ انجمن اسلامیہ ہائی اسکول جبلپور کے منتظمین نے متعدد بار امداد کے اضافہ کے لئے درخواست دی لیکن حکومت کو ہمدردانہ غور کرنے کی فرصت نہ مل سکی اور اسکول مذکور کی مقررہ امداد میں ایک پائی کا بھی اضافہ نہ کیا گیا۔

ہم نے معاہدہ کی صرف اُن دفعات کو لیا ہے، جن کے متعلق فریقین کسی متفقہ حل پر پہنچے تھے، اور صرف انھیں مطالبات سے بحث کی ہے، جنھیں حکومت نے تسلیم کر کے اُن پر عمل کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ بہرحال مذکورہ بالا سطور سے یہ امر اچھی طرح واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کے تعلیمی مطالبات کے سلسلہ میں خود حکومت نے جن باتوں کو مان لیا تھا، اُن پر بھی اُس نے عمل کرنے کی کوشش نہ کی، اگرچہ معاہدہ کے بعد آٹھ نو مہینے اور حکومت کرنے کا موقع ملا۔
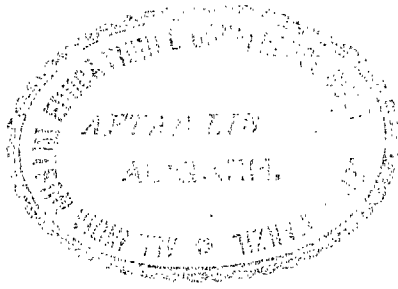
ایوانِ اسمبلی

میں

کانگریس کی گلکاریاں

کہہ رہا ہے شورِ دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے، اُتنا ہی وہ خاموش ہے

بات چیت کا طریقہ، سوال جواب کا انداز یا تقریر و تحریر کا طرز ہو، عام طور سے انسان کے رجحان طبع کا آئینہ دار، اور اُس کی نفسیات کا غماز ہوا کرتا ہے۔ ایک شخص اتفاقات کی سازگاری اور حالات کی استواری سے یکایک انتہائے پستی سے کمال بلندی پر پہنچ جاتا ہے اور اگر اُس کی فطرت جوہر شرافت سے مالامال ہوتی ہے، تو اُس کا اظہار اُس کے ہر قول عمل سے ہو جاتا ہے، لیکن اُس کے خلاف اگر وہ پست فطرت اور کم ظرف ہے تو اختیار و حکومت کی عنان سنبھالتے ہی اس میں ایک ایسی رعونت اور فرعونیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ انصاف اور رواداری کے مفہوم کو بھی سمجھنے سے قاصر رہ جاتا ہے۔ اِس کلیہ کے ثبوت میں صوبہ متوسط و برار کی مجلس قانون ساز کی کارروائیوں کی کتابوں سے آیندہ صفحات میں چند نمونے پیش کئے گئے ہیں۔

صوبہ مذکورہ میں اسمبلی کے ممبروں کی کل تعداد ۱۱۲ ہے جس میں ۷۲ کانگریسی ممبر تھے۔ لازمی طور پر انھیں کانگریسی ممبروں نے وزارت کی تشکیل کی اور ۲۷ مہینے تک حکومت کی کشتی کی ناخدائی کرتے رہے۔ ایک سو بارہ کے ایوان میں مسلمان ممبروں کی تعداد صرف ۱۴ ہے۔ بھلا ایسی قابل رحم اقلیت بھی حکومت کا کچھ بگاڑ سکتی تھی، لیکن یہ واقعہ ہے کہ صوبہ کی کانگریسی وزارت اور کانگریس پارٹی کے ممبروں نے اسمبلی کے اندر اِن مسلمانوں کے ساتھ جو حقارت آمیز اور رسوا کن سلوک کیا ہے، اُس کی داستان اتنی دردناک اور تکلیف دِہ ہے کہ چند صفحات میں اُسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ چند موٹی موٹی باتیں یہ ہیں:-

(۱) عام طور سے مسلمانوں کے سوالات کے جوابات دینے میں طنز اور استہزا کا پہلو اختیار کیا گیا۔ صریح اور واضح جواب دینے کے بجائے اکثر ٹال مٹول سے کام لیا گیا۔

(۲) کانگریس پارٹی کے ممبروں نے جو کھلی ہوئی اکثریت میں تھے، مسلمان ممبروں

کی تقریروں میں مداخلت کو اپنا شعار بنالیا تھا۔ اِس سلسلہ میں صرف اکتوبر ۱۹۳۹ء کی کارروائی کا حوالہ کافی ہوگا جبکہ تجویز جنگ کے سلسلہ میں مسلم لیگ پارٹی کے ممبروں کی تقریروں میں بے حد مداخلت کی گئی اور جب کانگریس پارٹی کے ممبروں کی تقریروں کے دوران میں مسلم لیگ کے بعض ممبروں نے مداخلت کرنی چاہی تو اُن کا بھونڈے طریقہ پر مذاق اُڑایا گیا۔

(۳) کانگریسی ممبروں نے اپنی تقریروں میں ہمیشہ "ہندی" کا لفظ استعمال کیا، حالانکہ کانگریس کے دستور کے مطابق ملک کی عام زبان کا نام ہندوستانی ہے۔

(۴) جب کبھی مسلمانوں نے اُردو کا مسئلہ اُٹھایا تو اسمبلی کی کانگریس پارٹی کی طرف سے یہی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ صوبہ متوسط و برار میں اس زبان کا وجود ہی نہیں اور اگر بفرض محال صوبہ میں اس نام کی کوئی زبان ہے بھی تو وہ شہروں کے مٹھی بھر مسلمانوں کی۔ چنانچہ اسمبلی کی تسلیم شدہ زبانوں کے مسودہ قانون میں جب خاں صاحب عبدالرحمٰن خانصاحب نے یہ ترمیم پیش کی کہ تسلیم شدہ زبانوں کی ذیل میں ہندوستانی کو بھی تسلیم کیا جائے جو اُردو رسم خط میں لکھی جاتی ہے تو مسٹر صوبے دار مسٹر راجندر ستھا اور دوسرے کانگریسی ممبروں نے انتہائی فرقہ دارانہ تقریریں کیں، ایسی تقریریں جن کی توقع ڈاکٹر مونجے اور ویر ساورکر سے بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ مسٹر مہتا (وزیر عدل و انصاف) نے اس موقع پر جو تقریر کی اس میں اُنھوں نے صوبہ کے آٹھ لاکھ مسلمانوں کو "خورد بینی اقلیت سے تعبیر کیا۔" کانگریسی ممبروں اور حکومت کے کانگریسی ارکان کے جذبات غیض و غضب میں اتنا شدید ہیجان صرف اس لئے پیدا ہوا کہ اسمبلی کی تسلیم شدہ زبانوں میں اُردو کو بھی شامل کرنے کی استدعا کی گئی تھی۔

(کارروائی سی۔پی۔ اسمبلی ۳۰ ستمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۶۵۹)

(۵) کانگریسی ممبروں نے بھول کر بھی ایسے سوالات پوچھنے کی کوشش نہیں کی، جن کے جوابات میں بے واسطہ یا بالواسطہ مسلم مفاد کا پہلو نکل سکتا ہو۔ اس کے خلاف عام طور سے انھوں نے اس قسم کے سوالات پوچھے جن کے جوابات سے مسلمان سرکاری ملازمین اور مسلم حقوق کی پامالی کے راستے صاف ہوئے۔

(۶) التوائے اجلاس کی تحریک وہ ذریعہ ہے، جس سے حکومت کی پالیسی پر نکتہ چینی اور اسی کے طرز عمل سے بیزاری کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ایک دو کے سوا مسلمان ممبروں نے التوائے اجلاس کی جتنی تحریکیں مسلم مفاد کے متعلق پیش کیں، سب نامنظور کر دی گئیں، یہاں تک کہ اس قسم کی ۹۵ فی صدی تحریکوں کو اسمبلی کے کانگریسی صدر کی عارضی رضامندی بھی میسر نہ ہو سکی۔

(۷) صوبہ کی مجلس قانون ساز کا صدر مسٹر گھنشیام داس گپتا ایسے کٹر فرقہ پرست کو منتخب کیا گیا، جو انٹرنیشنل آرین لیگ ایسی فرقہ وارانہ جماعت کے صدر تھے اور جنھوں نے سی۔ پی۔ اسمبلی کا صدر ہوتے ہوئے کبھی حیدرآباد کے خلاف آریوں کی ستیہ گرہ میں علانیہ حصہ لیا۔

(۸) اسمبلی کی کارروائیوں کی کتابوں میں اردو تقریریں بھی ہندی رسم خط میں لکھی گئیں اور جب مسلمانوں نے بہت چیخ و پکار کی تو بہت بعد میں محض اردو تقریروں کا خلاصہ اور وہ بھی انتہائی ناکافی طور پر درج کیا جانے لگا۔

آئندہ صفحات میں صرف نمونے کے طور پر کانگریسی دور حکومت کی مجلس قانون ساز کے سوالات و جوابات مع مختصر تبصرہ کے دیئے گئے ہیں، ان سے ناظرین خود فیصلہ کر لیں گے کہ ہم نے اوپر کی سطروں میں جو کچھ لکھا ہے وہ درست ہے یا نہیں۔

التوائے اجلاس کی تحریکیں اور

اُن کا حشر

اگست ۱۹۳۷ء میں موضع کرکاپور متعلقہ تھانہ تمسر ضلع بھنڈارہ میں اونچی جاتی کے ہندوؤں نے ایک جلسہ کیا۔ اُس میں مہاروں (اچھوتوں) کو بھی بلایا گیا۔ جلسہ میں ایک تجویز پاس کی گئی جس کا مطلب یہ تھا کہ مہاروں کو موضع مذکور کے مُردہ جانوروں کو اُٹھانا ضروری ہوگا۔ اور انھیں اس مضمون کا ایک تحریری معاہدہ کرنا پڑے گا مہاروں کے انکار کرنے پر انھیں بیدردی سے پیٹا گیا، جس پر مہار اپنے گھریلو سامان اور جانوروں کو چھوڑ کر دوسرے گاؤں میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔

مسٹر گھنشیام داس گپتا اسپیکر نے تجویز کو غیر ضروری قرار دے کر اُسے پیش کرنے کی اجازت نہ دی (کارروائی اسمبلی ۸ر دسمبر ۳۷ء صفحہ ۹۷)

حکومت کے اس طرز عمل پر کہ اس نے کھام گاؤں، ملکاپور، پوسد اور صوبہ کے دیگر مقامات کے قرضہ پنچایتی بورڈوں کی تشکیل کرتے وقت مسلمانوں اور اچھوتوں کو نظرانداز کردیا اور ان بورڈوں میں ان کا کوئی فرد حکومت کی طرف سے نامزد نہیں کیا گیا۔

خاں صاحب عبدالرحمٰن نے یہ تحریک التوا پیش کی۔

اسپیکر نے التوائے اجلاس کی اس تحریک کو بھی اس عذر "معقول" یا نامعقول کی بنا پر مسترد کردیا کہ اس مسئلہ پر حکومت نے اپنی پالیسی کا اعلان کردیا ہے کہ قرضہ پنچایتی بورڈوں میں نامزدگی فرقہ وارانہ اصول پر نہیں کی جاتی۔ اسپیکر صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ اس کا تعلق حکومت کی پالیسی سے ہے، اور اگر اس پر تجویز کنندہ کو بحث کرنا ہی تھا تو انھیں اس موقع کے لئے ایک ریزولیوشن پیش کرنا چاہئے تھا۔

۱۶ مارچ ۱۹۳۸ء کو جبل پور میں ایک ہندو مسلم فساد ہو گیا، جس میں چار مسلمانوں کی جانیں ضائع ہوئیں۔ مسٹر این۔ پی۔ مصرا ایک کانگریسی ممبر نے اسی سلسلہ میں پولیس اور مقامی افسروں کی بے انتظامی پر تحریک التوا پیش کرنے کا نوٹس دیا۔ مسٹر این۔ پی۔ مصرا نے اپنی تحریک پیش کرتے ہوئے ایک انتہائی زہریلی اور مسلم آزار تقریر کی۔ گویا چار مسلمانوں کی جانیں ضائع ہونے کے بعد بھی ان کی تسلی نہ ہوئی تھی۔ غلط ہو یا صحیح چونکہ تجویز ایک کانگریسی ہندو کی طرف سے پیش کی گئی تھی اس پر نہ حکومت نے اعتراض کیا اور نہ اسپیکر صاحب نے۔

اس لئے طوالت کے خوف سے یہاں ہم مسٹر این۔ پی۔ مصرا کی تقریر پیش کرنے سے قاصر ہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کارروائی اسمبلی مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۳۸ء صفحہ ۷۹۲)

---

(۲) نصاب کمیٹی میں صوبہ متوسط و برار کے کسی مسلم ماہر تعلیم کے شامل نہ کرنے کے بارے میں مسٹر ہدایت علی ایم، ایل، اے نے ۲۵ مارچ ۱۹۳۸ء کو التوائے اجلاس کی تحریک پیش کی۔ حکومت کی طرف سے تحریک کی مخالفت کی گئی، لیکن اسپیکر نے تحریک پیش کرنے کی اجازت دے دی۔ اسپیکر کی طرف سے اگر کسی تحریک التوا کو پیش کرنے کی اجازت مل جائے بھی تو وہ نہیں پیش ہو سکتی، تاوقتیکہ ممبروں کی ایک مقررہ تعداد اسمبلی میں اپنی نشستوں سے کھڑی نہ ہو جائے۔ سی۔ پی۔ کی اسمبلی کے قوانین کی رو سے یہ تعداد اتنی زیادہ ہے، کہ بیچارے مسلمان جن کی تعداد پوری مجلس قانون ساز میں صرف ۱۴ ہے کسی ایسی شرط کو پورا نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اس تحریک کے سلسلہ میں بھی یہی ہوا کہ ممبروں کی مقررہ تعداد کے ایستادہ نہ ہونے کی وجہ سے تحریک مسترد ہو گئی۔

مسٹر شریف (سابق وزیر قانون) نے مسٹر ظفر حسین (انسپکٹر آف اسکولس برار ڈویزن) کی سزا میں ان کی درخواست رحم پر دو برس کی تخفیف کر دی تھی۔ ہندوؤں اور کانگریسیوں کی عید ہو گئی۔ اس لئے نہیں کہ ایک قابل رحم قیدی پر رحم کیا گیا، بلکہ اس لئے کہ مسٹر شریف کو (اگرچہ وہ کانگریسی تھے مگر مسلمان) بدنام کرنے کے لئے ایک اچھا شگوفہ ہاتھ آیا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے، کہ ایک مسٹر ظفر حسین کی درخواست رحم ہی پر ہمدردانہ غور نہیں کیا گیا تھا، بلکہ اسی دوران میں اور اکہتر قیدیوں کی سزاؤں میں بھی تخفیف کی گئی تھی، جن میں ڈاکہ اور قتل کے ملزمین بھی تھے اور جن میں اکثریت ہندوؤں ہی کی تھی۔ بہر حال دوسرے قیدیوں کے مقدمات کو نظر انداز کر کے صرف مسٹر ظفر حسین کی رہائی کو ایک اہم معاملہ قرار دے کر مسٹر چٹنویس (ہندو مہا سبھا) ایم۔ ایل۔ اے نے ۲۵ مارچ ۱۹۳۸ء کے التوائے اجلاس کی تحریک پیش کی۔ اگرچہ اسپیکر صاحب (مسٹر گھنشیام داس گپتا) نے تحریک کو اس بنا پر کہ وہ بعد از وقت پیش کی گئی، مسترد کر دیا۔ لیکن اپنا فیصلہ دیتے ہوئے آپ نے جو الفاظ ارشاد فرمائے، ان کے ذریعہ آپ نے مسٹر ظفر حسین کی رہائی کے معاملہ کی اہمیت پر اپنی مہر تصدیق ثبت کر دی۔

"مجھے یہ کہنا لازمی ہے کہ ظفر حسین کی رہائی نے مفاد عامہ کے ایک بڑے معاملہ کی شکل اختیار کر لی ہے، اور اس کے متعلق کسی شک تک کی گنجائش نہیں۔ مسئلہ مذکورہ کو نہ صرف صوبائی اہمیت حاصل ہے بلکہ بعض وجوہ سے وہ "آل انڈیا" مسئلہ ہو گیا ہے۔"

تحریک کو پیش کرنے کی اجازت نہ دیتے ہوئے بھی، نفس مسئلہ کے متعلق جناب صدر کی زور دار تائید قابل ملاحظہ ہے۔ اگر ہندو مہا سبھا کے لیڈروں اور ان کے اخباروں نے ظفر حسین کی رہائی کے مسئلہ کو "رائی کا پربت" بنا دیا تو جناب اسپیکر صاحب کو کیا ہو گیا تھا کہ آپ نے بھی اسی کی اہمیت کا فتویٰ صادر کر دیا۔ بات صرف

یہ ہے کہ ہمارے ہندو بھائی، کانگریسی ہوں یا مہا سبھائی، اُن کا نام ساورکر ہو یا گھنشیام داس گپتا ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔

چونکہ ظفر حسین صاحب کی رہائی کے "اہم مسئلہ" پر تحریک التوا کو پیش کرنے کی اجازت نہ دی گئی تھی، اس لئے اب اُسے ایک دوسرے انداز پر پیش کیا گیا اور فرقہ پرست ہندوؤں کی منشا کے مطابق اُسے پیش کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ اس مرتبہ ۲۷ قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ اُٹھایا گیا اور مسٹر کھاپرڈے (انڈیپنڈنٹ) ایم۔ایل۔اے۔ نے ان ستائیس قیدیوں کے قبل میعاد رہا ہونے پر تحریک التوائے اجلاس پیش کی۔ جناب صدر نے تحریک کو باضابطہ قرار دیتے ہوئے، اُس کے پیش کرنے کی اجازت دے دی، لیکن زنا بالجبر کے چاروں معاملات کا حوالہ دینے سے روک دیا (ظفر حسین صاحب کا معاملہ بھی انھیں چاروں معاملات کے اندر تھا)

جناب صدر کا حکم اگرچہ ظاہر میں عین انصاف پر مبنی معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر ذرا بھی غور و فکر سے کام لیا جائے تو انصاف کا پردہ چاک ہو کر رہ جاتا ہے۔ کیا تماشہ ہے کہ اصل تحریک میں تو ظفر حسین صاحب کی رہائی کا مسئلہ موجود ہے لیکن پھر بھی وہ بحث سے خارج ہے۔ مسٹر مہتا (وزیر قانون و انصاف) نے اِن الفاظ میں جناب صدر کی توجہ اس طرف مبذول بھی کی کہ:-

> "میرا خیال ہے کہ آنجناب لائق محرک کو زنا بالجبر کے اُن چاروں مقدمات کو پیش کرنے کی اجازت نہیں دے رہے، اس لئے میرا خیال تھا کہ تحریک میں اس کے متعلق ترمیم کر دی جائے گی۔ (یعنی اصل تحریک سے زنا بالجبر کے مقدمات کا حوالہ نکال دیا جائے گا)"

اس کے جواب میں جناب صدر نے ارشاد فرمایا کہ میں نہ بالجبر کے چاروں مقدمات پر بحث کرنے کی اجازت نہیں دے رہا ہوں۔ کیا خوب اصل تحریک میں تو مقدمات مذکورہ بالا کا حوالہ دے دیا جائے اور محرک کو صرف زبانی طور پر اُن پر بحث کرنے سے روک دیا جائے۔

سوال یہ ہے کہ جب مجموعی حیثیت سے ۷۲ مقدمات پر بحث کی گئی، تو کیا ظفر حسین صاحب کا معاملہ جو ان ۷۲ مقدمات میں شامل ہے، اچھوتا رہ گیا ہے "با ہمہ اور بے ہمہ" کا مقولہ بہت دنوں سے سُنتے آ رہے تھے، لیکن اُس کی صداقت کا علم مسٹر گھنشیام داس گپتا کے اس فیصلہ سے ہوا۔

---

۱۲ اگست ۱۹۳۸ء کو چاندور لبوا ضلع بلڈانہ (برار) میں آنریبل برج لال بیانی ممبر کونسل آف اسٹیٹس صدر برار پراونشیل کانگریس کمیٹی، ڈاکٹر پارسینس صدر ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی بلڈانہ اور مسٹر جگدیو صدر ملکاپور تحصیل کانگریس کمیٹی کا جلوس باجے گاجے کے ساتھ عین جمعہ کی نماز کے وقت نگینہ مسجد کے سامنے سے گزرا۔

مسٹر محب الحق، ایم۔ ایل۔ اے نے اس پر ۹ ستمبر ۱۹۳۸ء کے اسمبلی کے اجلاس میں التوائے اجلاس کی تحریک پیش کی۔ نماز وہ بھی نماز جمعہ کے وقت، عام اور بازاری آدمیوں کا نہیں بلکہ آنریبل مسٹر برج لال بیانی ایسے کانگریسی لیڈروں کا باجے گاجے کے جلوس کے ساتھ نگینہ مسجد چاندور لبوا کے سامنے سے گزرنا بھی کیا ایک معمولی اور غیر اہم حادثہ ہوسکتا ہے؟ لیکن اسپیکر صاحب نے صرف اس عذر کہ تحریک کو پیش کرنے میں دیر ہوگئی ہے اس کو مسترد کر دیا، اور فرمایا کہ اس تحریک کو اسی روز پیش ہونا چاہیے تھا جس روز اسمبلی کا موجودہ سیشن شروع ہوا تھا۔ آپ کی رولنگ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:-

"یا تو اس معاملہ (نگینہ مسجد کے سامنے سے آنریبل مسٹر بیانی وغیرہ کا باجے گاجے

کے ساتھ گزرنا) نے پبلک کے دماغ میں ایجی ٹیشن نہیں پیدا کیا، اور اگر اس نے پیدا کیا تو قابل محرک کو اپنی تحریک اسی روز پیش کرنا چاہئے تھا، جس روز اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا تھا۔"

گویا اسپیکر صاحب کے خیال میں کسی جلوس کا عین نماز کے وقت باجے گاجے کے ساتھ مسجد کے سامنے گزرنا، اسی صورت میں ایجی ٹیشن پیدا کرنے کا سبب ہو سکتا ہے جبکہ اس کے متعلق التوائے اجلاس کی تحریک فوراً ہی پیش کر دی جائے یعنی کسی واقعہ کی اہمیت کا تعلق نفس واقع کے بجائے اسمبلی میں اس کے جلد یا بدیر پیش ہونے سے ہے۔ حالانکہ انھیں اسپیکر صاحب نے ظفر حسین صاحب کے قبل میعاد رہا ہونے کے مسئلہ کو اگرچہ وہ ان کی رہائی کے پورے چالیس دن کے بعد اسمبلی میں پیش ہوا، مفاد عامہ سے متعلق ایک اہم مسئلہ قرار دیا۔ صرف اس لئے کہ ہندوؤں نے اس کے بارے میں خوب پروپیگنڈا کیا تھا، اور یہ کرنا ان کے لئے آسان تھا، کیونکہ ان کے صوبہ متوسط اور ہندوستان میں ان گنت اخبارات ہیں۔ اس کے خلاف اگرچہ آنریبل مسٹر بیانی وغیرہ کا عین نماز کے وقت باجہ گاجہ کے ساتھ گزرنا مسلمانوں کے لئے کتنا ہی دل آزار کیوں نہ ہو، لیکن صرف اس بنا پر اس کی اہمیت سے چشم پوشی کی جا سکتی ہے کہ صوبہ کے غریب مسلمانوں کے پاس اپنے ایجی ٹیشن کو موثر بنانے کا کوئی کامیاب ذریعہ نہ تھا۔

اپریل ۱۹۳۸ء میں کھام گاؤں (برار) میں ایک آریہ سماج کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس کی صدارت مسٹر گھنشیام سنگھ گپتا نے فرمائی جو اس وقت صوبہ کے اسمبلی کے بھی صدر رہتے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے ایک پرانے معاہدہ کی رو سے کھام گاؤں کی بعض مسجدوں کے سامنے سے باجہ کا جلوس نہیں گزر سکتا، لیکن مسٹر گھنشیام سنگھ گپتا

کے جلوس پر بھلا اس معاہدہ کا اطلاق کیونکر ہو سکتا تھا۔ سرکاری ملازموں کی شامت آئی تھی کہ وہ مسٹر گپتا کے جلوس پر کوئی پابندی عائد کرتے، چنانچہ آپ کا جلوس بڑی شان و شوکت اور باجے گاجے کے ساتھ ممنوعہ مسجد کے سامنے سے گزرا۔

خاں صاحب عبدالرحمٰن خاں صاحب نے ۱۹ ستمبر ۱۹۳۸ء کو اس کے متعلق التوائے کے اجلاس کی تحریک پیش کی جو اسی "بعد از وقت" کے پرانے کلہاڑے سے قطع کر دی گئی۔

ودیا مندر ٹریننگ اسکول وردھا میں کچھ مسلمان اساتذہ بھی تربیت حاصل کرنے گئے تھے، لیکن ان کی تعلیم کا انتظام اردو ذریعۂ تعلیم سے نہیں کیا گیا تھا، اس پر خانصاحب عبدالرحمٰن خاں صاحب نے التوائے اجلاس کی تحریک پیش کی۔ اسپیکر صاحب نے اس اہم تحریک کو بھی اسمبلی کے چند قوانین کی آڑ میں مسترد کر دیا۔

---

۴ ستمبر ۱۹۳۸ء کو حکومت نے ایک بیان نکالا تھا، جس میں مادری زبان کی تشریح یہ کی گئی تھی کہ مادری زبان سے مراد وہ زبان ہے جو کسی علاقہ کی اکثریت کی زبان ہو۔

ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ صوبہ کے آٹھ لاکھ مسلمانوں کی نظر میں جن کی صوبہ کے کسی علاقہ میں اکثریت نہیں ہے بےحد اہم تھا کیونکہ اس تعریف کی رو سے بالکل خلاف واقعہ اردو کو ان کی مادری زبان تسلیم کرنے سے انکار کیا گیا تھا۔ چنانچہ ہدایت علی صاحب ایم۔ ایل۔ اے نے بجا طور پر ۱۹ ستمبر ۱۹۳۸ء کو اس کے متعلق التوائے اجلاس کی تحریک پیش کی جو حسب دستور سابق اسپیکر صاحب کی بارگاہ سے نامنظور ہو گئی۔

مجلس قانون ساز کے صدر کا انتخاب

۳۱ر جولائی ۱۹۳۷ء کو ایوان اسمبلی ناگپور میں مجلس کے صدر کا انتخاب عمل میں آیا۔ کثرت رائے سے مسٹر گھنشیام داس گپتا صدر انٹرنیشنل آرین لیگ صدر منتخب ہوئے۔ جوں ہی نتیجۂ انتخاب کا اعلان کیا گیا۔ ایوان کے کانگریسی ممبروں نے "مہاتما گاندھی کی جے" اور "بندے ماترم" کے نعرے بلند کئے۔ مبارک بادی کی تقریروں کے بعد مسٹر کھرے (وزیر اعظم) نے صدر سے التجا کی کہ کارروائی شروع ہونے سے پہلے مسز انسویا بائی کالے ایم۔ ایل۔ اے کو "بندے ماترم" کا گیت گانے کی اجازت دی جائے۔ صدر کی اجازت کے بعد مسز کالے نے یہ گیت گایا۔

"مہاتما گاندھی کی جے کا نعرہ مستانہ" اور "بندے ماترم" کا گیت اکثریت کی فتح کا ترانہ ہی نہیں بلکہ اس امر کا اعلان بھی تھا کہ اب صوبہ متوسط و برار میں "رام راج" قائم ہوگیا ہے، اور اب حکومت کے بل پر گاندھی ازم کو پھیلایا جائے گا۔

ضلع ناگپور میں ایک ہندو سپرنٹنڈنٹ پولیس کے زمانہ میں صرف ایک تحصیل میں تین مسلم ملازمین پولیس کی سزایابی

مسٹر افتخار علی ایم۔ ایل۔ اے جبل پور کے ایک سوال نمبر ۵۵ مورخہ ۱۴ر ستمبر ۱۹۳۷ء کا جواب دیتے ہوئے مسٹر کھرے (وزیر اعظم) نے کہا کہ ۲۵ر مارچ ۱۹۳۷ء سے ۱۵ر اگست ۱۹۳۷ء تک رائے صاحب بی۔ این ہکو ضلع ناگپور کے قائم مقام سپرنٹنڈنٹ پولیس رہے اور انھیں کے زمانہ میں تحصیل ساونیر ضلع ناگپور کے تین مسلم ملازمین پولیس سزایاب ہوئے۔

یوں تو اصولاً بھی نزلہ عضو ضعیف پر گرتا ہے، لیکن کانگریس راج میں اس

اصول پر انتہائی سختی کے ساتھ عمل کیا گیا۔ جس کے ثبوت میں تحصیل ساونیر ضلع ناگپور کے تین مسلم ملازمین کی سزایابی کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ ملحوظ رہے کہ اس تحصیل میں ان تین بدقسمت مسلم ملازمین پولیس کے علاوہ کسی ایک غیر مسلم ملازم پولیس کا بال بیکا نہیں ہوا۔ کانگریسی راج اور پھر ہندو سپرنٹنڈنٹ پولیس، بھلا غریب مسلمان کب تک محفوظ رہ سکتے تھے۔

قرضہ پنچایتی بورڈ مرواڑہ ضلع جبل پور

اور

مسلمانوں کی عدم نمائندگی

مسٹر افتخار علی ایم۔ ایل۔ اے جبلپور کے ایک سوال (نمبر ۱۰۔ مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۷ء) کا جواب دیتے ہوئے مسٹر گولے (وزیر مالگزاری) نے کہا کہ قرضہ پنچایتی بورڈ مرواڑہ ضلع جبل پور کے اراکین کی تعداد نو ہے اور ان میں کوئی مسلمان نہیں۔

اس سلسلہ میں یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اس سے پہلے ڈپٹی کمشنر جبل پور نے قرضہ پنچایتی بورڈ مرواڑہ کے لئے سفارشی ناموں کی فہرست حکومت کو بھیجی، مرواڑہ کے مسلمانوں نے ایک یادداشت کے ذریعہ متوجہ کیا تھا کہ وہ اس سلسلہ میں مسلمانوں کی نمائندگی کی بھی سفارش کریں۔ جب مسٹر افتخار علی نے اس سوال کے ضمن میں یہ معلوم کرنا چاہا کہ آیا ڈپٹی کمشنر جبلپور کی طرف سے کسی مسلمان کے نام کی بھی سفارش کی گئی تھی تو وزیر مالگزاری نے اس بہانے سے کہ انھیں اس سوال کا نوٹس پہلے ملنا چاہئے تھا، جواب دینے سے انکار کر دیا۔ بہرحال اس سوال

جواب سے یہ تو معلوم ہو ہی گیا کہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، مختلف کمیٹیوں کی نامزدگی کے سلسلہ میں کانگریس حکومت کی پالیسی کیا تھی۔

محکمہ زراعت

اور مسلمان

خانصاحب عبدالرحمٰن خاں ایم۔ ایل۔ اے۔ کھام گاؤں برار کے ایک سوال (نمبر ۲۵۔ مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۷ء) کے جواب میں مسٹر شکلا (وزیر تعلیم و زراعت وغیرہ) نے فرمایا کہ محکمہ زراعت کے پراونشیل گریڈ میں ایک بھی مسلمان نہیں اور سب آرڈینیٹ سروس میں کل ملازمین کو ملا کر مسلمان ملازمین کا تناسب ۹٫۵ ہے۔ محکمہ مذکورہ میں ۳۹ عارضی آسامیوں میں سے صرف ایک مسلمان کو دی گئی۔

کیا قیامت ہے کہ اس پر بھی کانگریس یہی دعویٰ کرتی رہی کہ اس کی وزارتوں نے مسلمانوں کے ساتھ صرف انصاف ہی نہیں کیا بلکہ رعائتیں بھی کی ہیں۔

سوالات کے جوابات دینے میں

حکومت کی بے توجہی

مسٹر افتخار علی ایم۔ ایل۔ اے جبلپور نے منڈلہ میونسپلٹی کے متعلق ایک سوال (نمبر ۳۵۔ مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۷ء) پوچھتے ہوئے یہ معلوم کرنا چاہا کہ پچھلے دس سال میں کتنے مسلمان منڈلہ میونسپلٹی میں منتخب ہوئے، کتنے سلکشن میں لئے گئے اور کتنے حکومت کی طرف سے نامزد کئے گئے۔ مسٹر دیشمکھ (وزیر) نے یہ جواب دیا کہ ان ممبروں کے

نام جو پچھلے دس سال کے اندر منڈلہ میونسپلٹی میں منتخب ہوئے، سلکشن میں لئے گئے اور نامزد کئے گئے، صوبہ متوسط و برار کے سرکاری گزٹ میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں۔ سائل کو چاہیئے کہ ان کی طرف رجوع کرے۔

جواب کی ستم ظریفی قابل داد ہے۔ مسٹر افتخار علی نے صرف مسلمانوں کی تعداد معلوم کرنی چاہی تھی، لیکن مسٹر دیشمکھ فرماتے ہیں کہ پچھلے دس سال کے سرکاری گزٹ کا مطالعہ کیا جائے جن میں ممبروں کے نام بھی درج ہیں۔ نہ معلوم مسٹر دیشمکھ اپنے جواب میں یہ کہنا بھول گئے کہ ممبروں کے ناموں کے ساتھ سرکاری گزٹ میں ان کے باپوں کے نام، پیشے اور عمریں بھی معلوم ہو جائیں گی۔ آخر حکومت کا نشہ بھی تو کوئی چیز ہے۔ اکثریت رکھتے ہوئے اگر حکومت مل جائے تو اقلیت کے کسی فرد سے معاملہ کرتے ہوئے طنز اور استہزا کا کوئی پہلو کیوں چھوڑا جائے۔

غلط بیانی کا شاہکار یا جھوٹ کا ہمالہ

عبدالرزاق خانصاحب ایم۔ ایل۔ اے (ہوشنگ آباد) نے سوال کیا (نمبر ۳۱۔ مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۳۸ء) کہ:-

"کیا یہ واقعہ ہے کہ بیتول کی میونسپل کمیٹی نے اپنے یہاں کے واحد اردو گرلس اسکول کو توڑ دیا ہے اور لڑکوں کے اردو پرائمری اسکول کو امداد دینا بند کر دیا ہے"

مسٹر شکلا (وزیر تعلیم) نے جو جواب دیا وہ غلط بیانی کا ایک ایسا شاہکار ہے جسے بلا مبالغہ جھوٹ کا ہمالہ کہہ سکتے ہیں ملاحظہ ہو "No SUCH SCHOOL EXISTED." اس قسم کے مدرسے ہیں ہی نہیں۔

حالانکہ ٹسکلاجی یہ جواب دیتے ہوئے اچھی طرح جانتے تھے کہ بیتول میں لڑکوں کے ایک اردو مدرسہ کو بیتول کی میونسپل کمیٹی نے بند کر دیا ہے اور دوسرے اردو گرلس اسکول کی امداد روک لی ہے۔ کیونکہ ٹسکلاجی کو بیتول کے اردو مدرسہ کی طرف ایک سے زائد بار توجہ دلائی جا چکی تھی، یہی نہیں بلکہ کانگریس ہائی کمانڈ کے علم میں بھی یہ بات لائی گئی تھی اور بیتول کے اردو اسکول کے اس قضیہ نے سارے ہندوستان کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ یہاں اس سلسلہ میں مزید تفصیل سے اس لئے گریز کیا جاتا ہے کہ اس کا تفصیلی بیان لوکل سیلف گورنمنٹ کے تحت میں ضلع بیتول کے بیان میں آئے گا۔

اندھا ریوڑیاں بانٹے اور پھر پھر اپنوں کو دے

جناب سیّد عبدالرؤف شاہ صاحب ایم۔ ایل۔ اے نے ایک سوال (نمبر ۴۶ - مورخہ ۱۳ دسمبر ۱۹۳۷ء) کیا کہ:-

"حکومت نے قانون امداد برائے صنعتہائے ملکی کے روسے کن کن انجمنوں یا اداروں کو امداد دی ہے" مسٹر مہتا (وزیر مالیات) نے اپنے جواب میں بتایا کہ اب تک حکومت نے صرف وردھا کے میسرز بچھراج جمنالال کو چاندہ میں ماچس فیکٹری قائم کرنے کے لئے سالانہ ڈھائی سو سیل کے درخت تین سال کے لئے رعایتی نرخ پر دیئے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ میسرز بچھراج جمنالال سیٹھ جمنالال بجاج ممبر ورکنگ کمیٹی آل انڈیا کانگریس کا تجارتی نام ہے۔ بھلا جمنالال جی اپنے نیاز مندوں کے زمانۂ حکومت میں نہ فائدہ اٹھاتے تو کب؟

بیتول کا مدرسہ

اس مدرسہ کا ذکر پچھلے صفحات میں کئی بار آچکا ہے، یہاں پھر اس کا حوالہ پیش کرنے

سے صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ کس طرح کانگریسی حکومت نے برابر ۲۷ مہینے تک اس مسئلہ کو لیت ولعل میں ڈال رکھا، اور آخر ایک دن خود رخصت ہو گئے۔

۲۱ مارچ ۱۹۳۸ء کو مسٹر ہدایت علی ایم۔ ایل۔ اے امراوتی نے بجٹ پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ حکومت نے اُردو مدرسوں کے ساتھ سوتیلی ماں کا سا سلوک کیا ہے، اپنے اسی دعوے کے ثبوت میں انھوں نے بیتول کے اردو مدرسہ کی مثال پیش کی جو پہلے ہندی مدرسہ میں ضم کر دیا گیا تھا اور بعد میں بالکل بند کر دیا گیا۔ ہدایت علی صاحب کی تقریر میں مصرا جی (وزیر لوکل سیلف گورنمنٹ) نے ان الفاظ میں مداخلت کی:-

بیتول کے جس اُردو مدرسہ کے متعلق مقرر (ہدایت علی صاحب) نے کہا ہے کہ اُسے بیتول کی میونسپلٹی نے بند کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، تو یہ معاملہ ابھی حکومت کے زیر غور ہے اور ابھی کوئی انقطاعی فیصلہ نہیں کیا گیا ہے۔

شاید اسی کا نام وضعداری ہے کہ بیتول کے اُردو مدرسہ کے متعلق ۱۹۳۷ء میں حکومت نے جو کچھ کہا تھا ۱۹۳۸ء میں اسی کی صدائے بازگشت گونجتی رہی، اور ۱۹۳۹ء میں بھی اسی کا اعادہ کیا گیا یہاں تک کہ ۱۹۳۹ء کے آخر میں کانگریسی حکومت مستعفی ہو گئی اور بیتول کی میونسپلٹی نے اس اُردو مدرسہ کو پھر نہ کھولا۔

ودیا مندر اسکیم کے وقت نہ کسی مسلمان ممبر اسمبلی سے مشورہ کیا گیا اور نہ اُسے رائے عامہ کے لئے مشتہر کیا گیا خانصاحب عبدالرحمٰن خاں صاحب ایم۔ ایل۔ اے۔ کے ایک سوال (نمبر ۱۲ مورخہ ۵ مارچ ۱۹۳۸ء) کا جواب دیتے ہوئے مسٹر شکلا (وزیر تعلیم) نے کہا کہ انھوں نے ایک بار ودیا مندر اسکیم کے سلسلہ میں مسلم ممبران اسمبلی سے مشورہ کیا تھا، ٹھاکر چھیدی لال کے ایک ضمنی سوال کے جواب میں آپ نے یہ بھی کہا کہ بعض مسلم اراکین اسمبلی نے ودیا مندر نام بھی قبول کر لیا تھا۔ اس پر خانصاحب عبدالرحمٰن خاں صاحب

نے ان مسلمان ممبروں کے نام پوچھے۔ شکلاجی نے اس سوال پر اس بہانے کہ انہیں جواب دینے کے لئے وقت ملنا چاہیے۔ کوئی روشنی ڈالنے سے انکار کیا۔ چوری اور پھر دیدہ دلیری! اوّل تو مسلمانوں کو نظر انداز کرنا اور جب اس تنگ نظری کی طرف توجہ دلائی جائے تو ڈھٹائی سے یہ کہنا کہ بعض مسلمان ممبروں نے ودیا مندر نام قبول کر لیا تھا اس پر جب نام پوچھا جائے تو جواب دینے سے پہلوتہی کرنا۔ اگرچہ شکلاجی نے اصل واقعہ پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے، لیکن ہم ایسا کرنے سے مجبور ہیں۔ ذیل میں تفصیل ملاحظہ فرمائیے:-

۱۹۳۸ء کے بجٹ سیشن سے پہلے برار کے چند مسلم اراکین اسمبلی کسی کام کے سلسلہ میں مسٹر شکلا کے یہاں گئے۔ باتوں باتوں میں ودیا مندر اسکیم کا ذکر بھی نکل آیا۔ شکلاجی نے فرمایا کہ اسکیم پر جو اعتراضات ہوں لکھ کر دیدیئے جائیں تاکہ وہ اُن پر غور کر سکیں۔ ان مسلمان ممبروں نے اپنے اعتراضات تحریر میں شکلاجی کو دیدیئے۔ کاغذ کا سرنامہ "ودیا مندر" تھا، اور اس کے ذیل میں پہلی دفعہ کے الفاظ یہ تھے :-

"THE NAME SHOUL'D BE EXCCEDTABLE TO MUSLIMS."

اس جملہ کا مفہوم شکلاجی نے یہ لیا کہ جو مسلمان ممبران کے بنگلہ پر گئے تھے، انھوں نے ودیا مندر نام قبول کر لیا تھا، حالانکہ جملہ کا مفہوم صاف طور پر یہی ہے کہ نام ایسا ہونا چاہیئے جو مسلمانوں کو قابل قبول ہو۔ اگر برار کے چند مسلم ممبران اسمبلی نے یہ نام قبول کر لیا ہوتا تو بجائے SHOULD BE کے وہ صرف IS پر اکتفا کرتے، یعنی نام قابل قبول ہونا چاہیئے، کے بجائے، نام قابل قبول ہے لکھتے۔

یہ ہے کانگریسی وزارت وزارت کے ایک ذمہ دار رکن کی دیانت داری کا نمونہ کہ اُسے اسمبلی کے بھرے ہال میں بھی ایک معمولی اور واضح جملہ کا غلط مفہوم پیش کرنے میں شرم نہ آئی۔

ایک مسلمان قیدی کی درخواست رحم قبول ہونے پر کانگریسی ممبروں کا اضطراب

باسم (برار) کی میونسپل کمیٹی کے ایک سابق اور ہر دلعزیز صدر قطب الدین کو ۱۹۳۶ء میں باسم کی عدالت سے ایک سال قید کی سزا ہوئی۔ اس نے تعزیرات ہند کی دفعہ ۴۰۱ کی رو سے مسٹر شریف (وزیر قانون) کو رحم کی درخواست دی۔ شریف صاحب نے حالات پر غور کرنے کے بعد قطب الدین کی سزا میں تخفیف کر دی۔ اس پر سیونی کے کانگریسی ممبر مسٹر جٹار کا توازن دماغی یہاں تک خراب ہوا کہ انھوں نے نہ صرف اس ایک سوال اور اس کے شاخشانوں بلکہ متعدد ضمنی سوالات سے شریف صاحب کا ناک میں دم کر دیا، ملاحظہ ہو سوال نمبر ۱۷ مورخہ ۵ مارچ ۱۹۳۸ء۔ یہی جٹار صاحب جنھیں ایک مسلمان کی سزا میں تخفیف ہونے سے صدمۂ عظیم پہنچا ایک دو نہیں بلکہ متعدد ہندوؤں کی سزاؤں میں تخفیف ہونے پر کچھ نہ بولے۔ بات صرف یہ تھی کہ قطب الدین اور شریف دونوں مسلمان تھے، اور جب مسٹر مہتا (وزیر عدل و انصاف) نے ہوشنگ آباد کے پان والے ہوسنگہ کو اسی ۴۰۱ کی رو سے چھوڑ دیا تو نہ مسٹر جٹار کے کانوں پر جوں رینگی اور نہ کسی دوسرے کانگریسی مہاشہ کے جذبہ انصاف پسندی کو ٹھیس لگی۔ کیوں صرف اس لئے کہ ہوسنگہ مذکور ہندو تھا اور اس نے ایک معصوم مسلمان لڑکی کو قتل کیا تھا۔ پھر اس کو معاف کرنے والے بھی مسٹر مہتا ایک ہندو وزیر تھے۔

فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام کے لئے کانگریسی وزارت کا یونٹی بورڈ کے قیام سے صاف انکار

مسٹر عبد الرزاق خاں ایم۔ ایل۔ اے نے سوال نمبر ۵۔ مورخہ ۸ دسمبر ۱۹۳۷ء کے ضمن

میں حکومت سے پوچھا کہ "آیا حکومت اس صوبہ میں انھیں لائن پر یونٹی بورڈ قائم کرنے کے لئے تیار ہے جیسا کہ پنجاب میں قائم کئے گئے ہیں"؟

مسٹر کھرے (وزیر اعظم) نہیں۔

اس پر مسٹر جبار ایم۔ ایل۔ اے نے دریافت کیا کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ مستقل طور پر یونٹی بورڈ قائم کئے جائیں، جو فرقہ وارانہ فسادات کا تصفیہ کریں۔ ڈاکٹر کھرے نے جواب دیا کہ "اس کی کوئی ضرورت نہیں"۔

اُس وقت تو نہیں لیکن بعد میں اِن اتحادی کمیٹیوں کے قائم نہ کرنے کی مصلحت معلوم ہوگئی۔ جب صوبہ کے مختلف مقامات میں فرقہ وارانہ فسادات ہوئے اور پولیس اور حکومت نے مسلمانوں کے خلاف من مانی کارروائیاں کیں (محکمہ عدل و انصاف کے تحت میں جو واقعات درج کئے گئے ہیں، اُن کا مطالعہ فرمایا جائے)۔

کھام گاؤں، دریاپور اور آردی کے قرضہ پنچائتی بورڈوں میں مسلمانوں کی عدم نمائندگی

مسٹر ہدایت علی ایم۔ ایل۔ اے کے ایک سوال (نمبر ۵۹۔ مورخہ ۸ر دسمبر ۱۹۳۸ء) کے جواب میں مسٹر گولے (وزیر مالگزاری) نے کہا کہ کھام گاؤں، دریاپور اور آردی کے قرضہ پنچائتی بورڈوں کے اراکین میں ایک رکن بھی مسلمان نہیں، لیکن کھام گاؤں اور دریاپور کے بورڈ میں ایک ایک مسلمان کا تقرر میرے پیش نظر ہے۔ میرا ارادہ آردی کے بورڈ میں کسی مسلمان کو نامزد کرنے کا نہیں۔

اس پر ایک کانگریسی ممبر مسٹر کولٹے نے پوچھا کہ "کیا ان بورڈوں کی تشکیل فرقہ وارانہ اصول پر کی جاتی ہے"۔

اوّل تو مسلمانوں کو کمیٹیوں کی تشکیل کے وقت نظر انداز کیا جاتا ہے اور جب کوئی مسلمان

اسی یک طرفہ پالیسی کی طرف حکومت کو توجہ دلاتا ہے تو کانگریسی ممبر اُسے فرقہ پرستی سے تعبیر کرتے ہیں۔ کیا خوب ؟

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے

سی۔ پی کے سرکاری ملازم سرکاری خرچ پر گاندھی جی کے چرنوں میں

مسٹر جی، ایس پاگے ایم۔ ایل۔ اے نے ایک سوال کے ذریعہ (نمبر ۹۳ مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۳۷ء) حکومت سے پوچھا کہ :-

"کیا یہ حقیقت ہے کہ صوبہ کے بعض سرکاری ملازمین کسی اسکیم کے سلسلہ میں گاندھی جی کی خدمت میں جاتے رہے اور کیا یہ بھی واقعہ ہے کہ ان سرکاری ملازمین کو حکومت کے خزانے سے سفر خرچ دیا گیا۔ یہ سرکاری ملازم کس کے حکم سے گئے اور ان کو سفر خرچ کس کی منظوری سے دیا گیا"۔

مسٹر شکلا (وزیر تعلیم) کے جواب کے بموجب چھ سرکاری ملازمین نے جن میں خود مسٹر شکلا بھی شامل تھے مختلف اوقات میں شیگاؤں کی زیارت کی۔ یہ ملازمین مسٹر شکلا کی ہدایت پر گئے اور ان کو سفر خرچ بھی انھیں کی منظوری سے ملا۔

یہاں یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ایک انگریز مسٹر اوون ڈائرکٹر تعلیمات کو چھوڑ کر سب نے مع مسٹر شکلا اپنا سفر خرچ حکومت کے خزانہ سے وصول کیا۔ آخر کچھ بھی سہی لیکن انگریزوں اور بنیوں کی نفسیات کا فرق کہیں مٹ سکتا ہے ؟ سی۔ پی گورنمنٹ کے خزانہ کی اس لوٹ پر بے ساختہ وہ مشہور مثل یاد آئی کہ :-

"حلوائی کی دوکان دادا جی کا فاتحہ"

حکومت کے انتظامی معاملات میں کانگریس کمیٹیوں کا اثر

مسٹر ایس۔ کے چوہان ایم۔ ایل۔ اے۔ جبل پور (سوال نمبر ۹۶۔ مورخہ ۸ دسمبر ۱۹۳۷ء)

"کیا حکومت کو جبل پور کے فسادات دسہرہ کے سلسلہ میں تحقیقاتی کمیٹی مقرر کرنے کے بارے میں شہر کانگریس کمیٹی جبل پور کی طرف سے کوئی تجویز ملی ہے اور کیا حکومت اُس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تیار ہے"

مسٹر کھرے (وزیر اعظم) نے اپنے جواب میں تجویز کے وصول پانے کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "اسی سیشن میں جبلپور میں تحقیقاتی کمیٹی مقرر کئے جانے کے بارے میں ایک غیر سرکاری تجویز پر بحث کی جائے گی"

حکومت کے معاملات میں کانگریس کمیٹیوں کی دخل اندازی سے عدل و انصاف کا خون جس بے دردی سے بہا ہے، اُس کا اندازہ جبل پور کے اُن فسادات سے کیا جائے جو وہاں ۱۹۳۷ء کے دسہرہ کے فساد کے بعد مختلف اوقات میں ہوتے رہے اور جن میں مسلمانوں کو جانی و مالی نقصان پہنچانے میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا گیا۔

قرضہ پنچایتی بورڈوں کے قیام کے سلسلہ میں حکومت کی "مسلم نوازی"

۹ دسمبر ۱۹۳۷ء کو سید عبدالرؤف شاہ صاحب کے ایک سوال نمبر ۶ کا جواب دیتے ہوئے مسٹر گوسلے (وزیر مال گزاری) نے کہا کہ جب سے کانگریس نے وزارت کی گدی پر آسن جمایا ہے، صوبہ متوسط و برار میں نو قرضہ پنچایتی بورڈ قائم کئے گئے ہیں اور ان میں سے صرف ایک بورڈ میں ایک مسلمان نامزد کیا گیا ہے۔

اس حقیقت کے باوجود کانگریس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ سب کو ایک آنکھ سے دیکھتی ہے۔

تجاہل عارفانہ

خان صاحب عبدالرحمٰن خاں صاحب ایم۔ایل۔اے نے (سوال نمبر ۱۔مورخہ ۹ دسمبر ۱۹۳۷ء) جلگاؤں ضلع بلڈانہ برار کی میونسپلٹی کے بارے میں حکومت سے یہ دریافت کیا کہ اُس کا قیام کب عمل میں آیا ہے اور جب سے وہ قائم ہوئی ہے کتنے مسلمان اُس میں حکومت کی طرف سے نامزد کئے گئے ہیں۔

مسٹر مصرا (وزیر لوکل سیلف گورنمنٹ) نے یہ تو بتا دیا کہ جلگاؤں کی میونسپلٹی ۱۹۲۴ء میں قائم ہوئی ہے لیکن سوال کے دوسرے حصہ کے بارے میں خاں صاحب کو ہدایت کی کہ وہ سرکاری گزٹ کا مطالعہ کریں۔ اس پر خاں صاحب نے کہا کہ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، میں کہہ سکتا ہوں کہ ایک مسلمان بھی نامزد نہیں کیا گیا۔ یہ سنتے ہی مصرا جی نے فوراً کہا کہ ۱۹۳۱ء میں ایک مسلمان نامزد کیا گیا تھا، جیسا کہ سرکاری گزٹ کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔

سوال یہ ہے کہ جب مسٹر مصرا کو یہ معلوم تھا کہ ۱۹۳۱ء میں ایک مسلمان جلگاؤں میونسپلٹی کا ممبر نامزد کیا گیا تھا، تو انھوں نے کن وجوہ کی بنا پر خاں صاحب کو سرکاری گزٹ کا راستہ بتایا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس تجاہل عارفانہ کے پردے میں صرف یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ صاحب اختیار ہم ہیں، جی چاہے گا تو سوالات کے جوابات دیں گے، ورنہ باتوں باتوں میں ٹال دیں گے۔

مسٹر ساورکر صدر آل انڈیا ہندو مہا سبھا کی فرقہ وارانہ تقریریں اور حکومت کی مجرمانہ خاموشی

دسمبر ۱۹۳۷ء میں آل انڈیا ہندو مہا سبھا کے صدر مسٹر ساورکر نے ناگپور اور صوبہ کے دوسرے

مقامات پر انتہائی فرقہ دارانہ اور زہریلی تقریریں کیں۔ مسٹر ہدایت علی ایم۔ ایل۔ اے کے ایک سوال (نمبر ۴ مورخہ ۷ رمارچ ۱۹۳۸ء) کے جواب میں مسٹر کھرے (وزیر اعظم) نے یہ تسلیم کیا کہ مسٹر ساورکر کی تقریریں مجموعی حیثیت سے فرقہ دارانہ تھیں لیکن حکومت نے اُن کے خلاف کوئی کارروائی مناسب نہیں سمجھی۔ حالانکہ انھیں ڈاکٹر کھرے صاحب نے اس سے چار روز پہلے بجٹ پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ جہاں تک فرقہ پرستی کا تعلق ہے حکومت کی نظر میں ہندو مسلمان کا کوئی امتیاز نہیں، لیکن اس کے باوجود یہ ناگپور کے مشہور مسلم لیگی کارکن مسٹر محمد اصغر وکیل پر تو فرقہ وارانہ تقریروں کے کرنے پر مقدمہ چلایا جائے، لیکن مسٹر ساورکر سے باز پرس تک نہ کی جائے۔

کانگریس راج یا برہمن راج

خانصاحب عبدالرحمٰن خاں صاحب ایم۔ ایل۔ اے کے سوال (نمبر ۳۱ مورخہ ۱۹ رمارچ ۱۹۳۸ء کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر کھرے (وزیر اعظم) نے کہا کہ اپریل ۱۹۳۷ء کے بعد سول سکریٹریٹ میں جن ملازمین کا تقرر کیا گیا، اُن کے نام مع تعلیمی قابلیت کے ضمیمہ (ب) میں درج ہیں۔ یہ ضمیمہ اسی روز کی کارروائی میں صفحہ ۸۰۵ پر درج ہے۔ اِس کے رو سے تاریخ مذکور کے بعد سول سکریٹریٹ میں کل ۲۵ ملازمین لئے گئے، جن میں ۱۰ برہمن ہیں، ۴ مسلمان، ایک اینگلو انڈین، ایک دیسی عیسائی ایک مہار (اچھوت) اور بقیہ غیر برہمن ہندو ہیں۔

ملحوظ خاطر رہے کہ صوبہ متوسط و برار میں برہمنوں کی تعداد غیر برہمن ہندوؤں کے مقابلہ میں بہت کم ہے اور وہ غیر معمولی اقلیت میں ہیں۔ اگر کسی محکمہ میں مسلمانوں کی تعداد ان کے تناسب سے زیادہ تھی، تو کانگریسی وزیروں نے اس امر کو بار بار پیش کیا ہے تاکہ دُنیا کو معلوم ہو جائے کہ وہ مسلمان پر کسقدر مہربان ہیں، لیکن بھول کر بھی کبھی اِن

وزیروں نے برہمنوں کی اجارہ داری کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ کانگریسی راج اور برہمن راج دو الگ الگ چیزیں تھیں۔

اشرفیوں کی لوٹ اور کوئلوں پر مُہر

کانگریسی وزارت کا انوکھا فیصلہ

مسٹر تیواری ایک کانگریسی رکن اسمبلی نے ایک سوال (نمبر۱ مورخہ ۱۹ مارچ ۱۹۳۸ء) کے ذریعہ پوچھا کہ:-

"کیا یہ واقعہ ہے کہ مسٹر رضوی نے ۱۰ جنوری ۱۹۳۷ء کو اپنے دس بارہ رفقا کے ساتھ گن۔ڈی کے ڈاک بنگلہ میں قیام کیا اور کیا ان کا اس ڈاک بنگلہ میں قیام کسی سرکاری کام کے سلسلہ میں تھا؟"

ڈاکٹر کھرے (وزیر اعظم) کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مسٹر رضوی نے ۱۰ جنوری کو چھ ساتھیوں کے ساتھ گن ڈی کے ڈاک بنگلہ میں قیام کیا۔ چونکہ گن ڈی کا ڈاک بنگلہ رائے پور اور ناگپور کے راستہ میں نہیں، اس لئے رضوی صاحب نے جب اس ڈاک بنگلہ کو لیا تو وہ اپنی ڈیوٹی پر نہ رہے ہوں گے۔ ڈسٹرکٹ کونسل رائے پور کو ہدایت کر دی گئی ہے کہ وہ رضوی صاحب سے بنگلہ کا کرایہ وصول کر لے۔

مسٹر رضوی نئی اصلاحات کے آنے سے پہلے صوبہ متوسط و برار کی مجلس قانون ساز کے صدر تھے۔ جب ۱۹۳۷ء کے اوائل میں مسٹر رگھوونش راؤ حال منشیر سکریٹری آف اسٹیٹس فار انڈیا لندن نے صوبہ میں عارضی وزارت مرتب کی تو مسٹر رضوی کو بھی اپنی کیبنٹ میں شامل کیا۔ مسٹر رضوی رائے پور کے رہنے والے ہیں اور وہ اسی حلقہ سے اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تھے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے کانگریسی راج میں مسٹر رضوی یوں بھی بخشے نہ جاتے، اس کے ساتھ انھوں نے غضب یہ کیا کہ عارضی وزارت کے

بنانے میں بھی حصہ لیا۔ وہی مثل ہوئی "کریلا کڑوا اور پھر نیم چڑھا"۔ پورے پندرہ مہینے کے بعد گڑے مردے اکھاڑے گئے۔ ڈسٹرکٹ کونسل رائے پور کو ہدایت کی گئی کہ ۱۷ر جنوری ۱۹۳۸ء کی شب کو گندی کے ڈاک بنگلہ میں قیام کرنے کا کرایہ جو بہ مشکل چار پانچ روپیہ ہوگا، رضوی صاحب سے وصول کیا جائے۔ اس کے مقابلہ میں حکومت کے وزرا اور سرکاری ملازمین بار بار سیگاؤں گاندھی جی کی خدمت میں جاتے ہیں، وردھا میں سیٹھ جمنا لال بجاج کی مہمان نوازیوں کا لطف اٹھاتے ہیں اور ان کا سفر خرچ حکومت کے خزانہ سے دیا جاتا ہے اور وہ بھی سیکڑوں اور ہزاروں روپیہ۔ یہاں ایک اور واقعہ یاد آگیا جس سے ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ کانگریسی وزارت کے زمانہ مبارک میں حکومت کا خزانہ کس بے دردی سے تباہ کیا گیا ہے۔

یادش بخیر جب مسٹر شریف وزیر قانون تھے تو انھوں نے کانگریس ہائی کمانڈ کے بعض اراکین سے ہدایت حاصل کرنے کے لئے مختلف اوقات میں ٹرنک ٹیلیفون کے ذریعہ کلکتہ سے گفتگو کی تھی۔ کچھ دنوں کے بعد انھیں وزارت سے ہاتھ دھونا پڑا، اور ادھر ٹیلیفون والوں کا بل آپہنچا۔ شریف صاحب نے بل پر یہ لکھ کر کہ انھوں نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی مجلس عاملہ کے بعض ممبروں سے سرکاری کام کے سلسلہ میں گفتگو کی تھی، اس لئے بل کی رقم حکومت کے خزانہ سے ادا کی جائے۔ چنانچہ بارگاہ وزارت سے شریف صاحب کے حق میں فیصلہ ہوا، اور بل حکومت کے خزانہ سے ادا کر دیا گیا۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کانگریسی وزارت کے دوران میں یہ کانگریسی وزرا ٹرنک ٹیلیفون کے ذریعہ کانگریس ہائی کمانڈ کے نورتنوں سے خوب خوب باتیں کیا کرتے تھے اور ٹیلیفون کا سارا بل حکومت کے خزانہ سے ادا کیا جاتا تھا۔ حکومت سے ٹرنک ٹیلیفون کے بل کی ادائیگی کے مطالبہ کے سلسلہ میں اگر شریف صاحب کی مثال پہلی ہوتی، تو ہرگز بل کے ادا کرنے کا فیصلہ حکومت کی طرف سے نہ کیا جاتا۔ سول سکریٹریٹ کے کاغذات ہمارے اس دعوی

کو ثابت کرنے کے لئے بیتاب ہیں، لیکن افسوس کہ انہیں سکریٹریٹ کی آہنی الماریوں سے نکالنا اور پھر یہاں پیش کرنا ہمارے بس میں نہیں۔

عجیب منطق

خان صاحب سید یٰسین صاحب ایم۔ ایل۔ اے نے ایک سوال (نمبر ۷۔ مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۳۸ء) کے ذریعہ حکومت کو توجہ دلائی کہ برہان پور (سی۔ پی) میں بہت دنوں سے صرف غیر مسلم سرکاری ملازم ہی تعینات کئے جا رہے ہیں۔ اس سوال پر کانگریسی حلقوں میں بہت لے دے ہوئی۔ مسز انسویا بائی کالے ڈپٹی اسپیکر نے اس سلسلہ میں جو ضمنی سوال کیا درج ذیل ہے:-

"کیا یہ صحیح ہے کہ جب کبھی برہان پور میں مسلمان افسر تعینات کئے گئے وہاں فرقہ وارانہ جھگڑے ہوئے"

اگرچہ ڈاکٹر کھرے نے اس وقت، وقت کی تنگی کا عذر پیش کر کے اس سوال کا جواب ٹال دیا، لیکن بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ کانگریسی وزرا عموماً مسلمان ملازمین کے خلاف کینہ رکھتے تھے اور ہمیشہ ان کے درپے آزار رہتے تھے جیسا کہ ڈاکٹر کھرے کے اس بیان سے واضح ہے جو انھوں نے مسٹر شکلا کے اس بیان کے جواب میں جو انھوں نے ۱۸ دسمبر ۱۹۳۹ء کو جبل پور سے شائع کیا تھا، ناگپور میں ۲۱ دسمبر ۱۹۳۹ء کو دیا۔ ڈاکٹر کھرے کے اس بیان کو آپ "جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے" کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

اگر اس سوال کو مسٹر چٹنویس، جو ہندو مہاسبھا کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے ہیں، کرتے تو ہمیں چنداں شکایت نہ ہوتی لیکن حیرت تو یہی ہے کہ یہ سوال کسی معمولی کانگریسی ممبر کی طرف سے بھی نہیں بلکہ مسز انسویا بائی کالے کی جانب سے پوچھا گیا جو صوبہ کی مجلس قانون ساز میں کانگریس کی طرف سے ڈپٹی اسپیکر منتخب کی گئی تھیں۔

پولیس کے ملازمین کو "بندے ماترم" کے گانے کے وقت کھڑے ہونے کی ہدایت

مسٹر آر جی تیواری ایک کانگریسی ممبر اسمبلی کے ایک سوال (نمبر ا۔ مورخہ ۳۰ر مارچ ۱۹۳۸ء) کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر کھرے (وزیر اعظم) نے بتایا کہ پولیس کے ملازمین کو ہدایت کر دی گئی ہے کہ جب ان کی موجودگی میں کسی جلسہ میں "بندے ماترم" کا گیت گایا جائے اور لوگ کھڑے ہوں تو ان کو بھی اخلاقاً کھڑا ہونا چاہیے۔"

ظاہر ہے کہ پولیس کے ملازمین میں ہندوؤں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی ہیں، جن کے دلوں میں "بندے ماترم" کی کوئی وقعت نہیں۔ حکومت کی کرسی سے یہ اخلاقی وعظ ہے یا سرکاری ملازمین کی شخصی اور مذہبی آزادی کا پروانۂ موت۔ یہ اخلاقی وعظ قریب قریب اسی قسم کا ہے، جس کا حوالہ اکبر الہ آبادی مرحوم نے اپنے ایک شعر میں دیا ہے، جو انھوں نے پچھلی عالمگیر جنگ کے موقع پر کہا تھا ؎

شاہِ جرمن نے کہا اک دن جناب پوپ سے وعظ ہم بھی کہتے ہیں لیکن دہانِ توپ سے

معاملہ اب تک زیر غور ہے

خانصاحب عبدالرحمٰن خاں صاحب ایم۔ ایل۔ اے کے ایک سوال (نمبر ۹۔ مورخہ ۱۹ر ستمبر ۱۹۳۸ء) کے جواب میں مسٹر گوکھلے (وزیر تعلیم) نے کہا کہ انھوں نے ۲۶ر ستمبر ۱۹۳۷ء کو بیتول کا دورہ کیا اور وہاں کی انجمن اسلامیہ نے ان کی خدمت میں اردو مدرسہ کے بند کیے جانے کے متعلق ایک یادداشت بھی پیش کی جس پر انھوں نے غور کرنے کا بھی، وعدہ کیا تھا۔

۲۶ر ستمبر ۱۹۳۷ء کو جناب وزیر تعلیم صاحب بیتول تشریف لے گئے، اور آپ نے انجمن اسلامیہ کے ایڈریس کے جواب میں فرمایا کہ اردو مدرسہ کے متعلق غور کیا جائے گا۔

پورے ایک سال کے بعد یعنی ۱۹ر ستمبر ۱۹۳۸ء کو پھر آپ نے یہی جواب دیا کہ "بیتول کے اُردو مدرسہ کا معاملہ ابھی حکومت کے زیر غور ہے۔ اس موقع پر اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ

کون جیتا ہے ترے زلف کے سر ہونے تک

اضلاع امراؤتی، اکولہ اور ایوت محل کے لوکل بورڈوں کے انتخابات میں مسلمانوں کی ناکامی اور عدم نمائندگی

مسٹر ہدایت علی ایم۔ ایل۔ اے کے ایک سوال (نمبر ۷۔ مورخہ ۲۹ر ستمبر ۱۹۳۸ء) کے جواب میں حکومت نے بتایا کہ ضلع امراؤتی کے لوکل بورڈ کے پچھلے انتخابات میں ایک مسلمان بھی منتخب نہیں ہو سکا۔ ضلع اکولہ میں صرف ایک مسلمان اور ضلع ایوت محل میں چار مسلمان لوکل بورڈوں کے انتخابات میں کامیاب ہوئے۔

صوبہ متوسط و برار میں لوکل سیلف گورنمنٹ کے ماتحت اداروں میں مشترکہ انتخاب جاری ہے۔ یہاں یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ امراؤتی، اکولہ اور ایوت محل برار میں واقع ہیں، جہاں مسلمانوں کی آبادی دیہات میں نسبتاً زیادہ ہے، جب ان اضلاع میں مسلمانوں کا منتخب ہونا غیر ممکن اور دشوار ہے تو سی۔ پی کے دوسرے مقامات کے بارے میں کچھ کہنا ہی بے کار ہے۔ مشترکہ انتخاب کا نتیجہ اور وہ بھی کانگریس راج میں اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

صوبہ کے متعدد قرضہ پنچایتی بورڈوں میں مسلمانوں کی عدم نمائندگی

خانصاحب عبدالرحمٰن خاں صاحب ایم۔ ایل۔ اے کے ایک سوال (نمبر ۴۴ مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۳۸ء) کے جواب میں کہا کہ حسب ذیل مقامات کے قرضہ پنچایتی بورڈوں میں حکومت کی طرف سے کوئی مسلمان نہیں نامزد کیا گیا۔

(۱) آردی (۲) ملتائی (۳) بھین سیڑھی (۴) کاٹول (۵) سادنیر (۶) گوندیا۔
(۷) بلاسپلوز (۸) بیمترا (۹) جبل پور (۱۰) مرواره (۱۱) باسیم (۱۲) ایلچپور (۱۳) موسی
کانگریسی وزارت کی مسلم نوازی میں اس کے بعد بھی کوئی شک کرے تو اس کی بدنصیبی؟

"ہندوستانی" کی تعریف اُردو داخل نہیں

خانصاحب عبدالرحمٰن خاں صاحب ایم۔ایل۔اے کے ایک سوال (نمبر ۵۵ مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۳۸ء) کے جواب میں حکومت نے کہا کہ ودیا مندر ٹرننگ اسکول وردھا میں سارے مضامین کی تعلیم مرہٹی اور ہندوستانی کے ذریعہ دی جاتی ہے؟ اس پر خاں صاحب نے ایک ضمنی سوال کے ذریعہ پوچھا کہ کیا ہندوستانی سے حکومت اُردو کو بھی مراد لیتی ہے۔
مسٹر گوکھلے (وزیر تعلیم) نے فرمایا کہ "میں ایسا نہیں سمجھتا"
کراچی کانگریس کے ہندوستانی رزولیوشن کی اس سے اچھی تشریح اور کیا ہو سکتی ہے۔

اُردو نوازی کی ایک مثال

خانصاحب عبدالرحمٰن خاں صاحب ایم۔ایل۔اے کے ایک سوال (نمبر ۶۳۔ مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۳۸ء) کے جواب میں حکومت کی طرف سے بتایا گیا کہ ودیا مندر ٹرننگ اسکول وردھا کے طلباء کے لئے "ہندی کے چار، مرہٹی کے پانچ اور اُردو کا صرف ایک ہفتہ وار اخبار "تاج" نامی فراہم کیا جاتا ہے" ملحوظ خاطر رہے کہ ہندی اور مرہٹی کے اخبارو میں اکثریت روزانہ اور سہ روزہ اخباروں کی تھی۔ جبکہ اُردو کا صرف ایک گمنام ہفتہ وار اخبار جاری کیا گیا۔
ہندوستانی کے پردہ میں "اُردو نوازی" کی یہ مثال کس قدر دلچسپ ہے۔

ودیا مندر ٹریننگ اسکول میں گوشت کا قحط

خانصاحب عبدالرحمٰن خاں صاحب ایم۔ ایل۔ اے کے ایک سوال (نمبر ۶۵۔ مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۳۷ء) کا جواب دیتے ہوئے حکومت نے کہا کہ ودیا مندر ٹریننگ اسکول وردھا کے طلبار کو صرف دال، بھات، چپاتی اور ترکاریاں دی جاتی ہیں۔ مسلمان طالب علموں کو بھی گوشت (بکری کا) نہیں دیا جاتا۔

جو لوگ مسلمانوں کی نفسیات سے واقف ہیں، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان بیچاروں کو ترک حیوانات پر مجبور کرنا، اُن کے اوپر کتنا بڑا ظلم ہے۔

یہ ہے مستقبل کے ہندوستان کا وہ نمونہ، جو کانگریسی راج میں تیار ہوا۔ انگریز کو ہندوستان میں حکومت کرتے ہوئے ڈیڑھ سو برس سے زائد ہوئے، لیکن کیا اس نے بھی کبھی کھانے پینے کے معاملہ میں اس قسم کا جبر روا رکھا ہے۔

ایک معصوم مسلمان لڑکی کے قاتل کو معاف نہ کیا جاتا تو

تو انصاف کا خون ہوتا

مسٹر ایس۔ ڈبلو۔ اے رضوی۔ ایم۔ ایل۔ اے کے ایک سوال نمبر ۲۶۔ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۳۹ء) کے جواب میں مسٹر مہتا (وزیر قانون) نے کہا کہ ہوشنگ آباد کے ایک پان والے بھو سنگھ نے پریم کمار ایک گیارہ سالہ مسلمان لڑکی کو پان میں زہر دے کر اس کی ہلاکت کا باعث ہوا۔ بھو سنگھ مذکور کو سیشن کورٹ سے موت کی سزا ہوئی، جو ہائی کورٹ سے بھی بحال رہی۔ مسٹر مہتا نے فرمایا کہ مقدمہ کے کاغذات کو دیکھنے کے بعد اگر وہ قاتل کو معاف نہ کرتے تو انصاف کا خون ہو جانے کا احتمال تھا۔ اس سلسلہ میں مزید تفصیل محکمہ قیام امن و قانون کے تحت میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

محکمہ تعلیم میں مسلمانوں کی عدم نمائندگی

خانصاحب عبدالرحمن خاں صاحب ایم۔ایل۔اے کے ایک سوال (نمبر ۲۴۲ مورخہ ۲۰ مارچ سنہ ۱۹۳۹ء) کے جواب میں مسٹر گوکھلے (وزیر تعلیم) نے کہا کہ نئے انتظام کے تحت میں ۱۰ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولس مقرر کئے گئے ہیں۔سوال کے متعلق اس تاریخ کی اسمبلی کی کارروائی کے ضمیمہ "د" میں ان انسپکٹروں کے نام بھی دیئے گئے ہیں جو سب کے سب غیر مسلم ہیں۔

کیوں نہ ہو کانگریس راج میں کہیں مسلمانوں کو بھی بار مل سکتا ہے۔جہاں قید بند، گرفتاری اور سزا کا معاملہ ہوتا ہے، حکومت کو ایک دو نہیں سینکڑوں مسلمان مل جاتے ہیں، لیکن نہیں ملتے تو ملازمتوں کے لئے۔

سادہ لوحی یا ڈھٹائی

مذکورہ بالا سوال کے سلسلہ میں سردار اے۔ایس سیگل ایم۔ایل۔اے نے حکومت سے پوچھا کہ آیا ڈسٹرکٹ انسپکٹرس آف اسکولس کو مقرر کرتے وقت حکومت کے پیش نظر جوائنٹ پبلک سروس کمیشن کا وہ سرکلر تھا جو صوبہ متوسط و برار کے محکمہ تعلیمات کے متعلق ۲۶ستمبر سنہ ۱۹۳۸ء کو شائع ہوا۔وزیر تعلیم نے کہا کہ "یہ سرکلر ان کے علم میں نہیں" اس پر ٹھاکر چھیدی لال صاحب ایم۔ایل۔اے نے پوچھا کہ کیا جوائنٹ پبلک سروس کمیشن کے سرکلر حکومت کی اطلاعات میں شامل نہیں۔اس کے جواب میں بھی وزیر تعلیم نے یہی فرمایا کہ "یہ سرکلر ان کے علم میں نہیں"۔ ع

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا

اندھیر نگری چوپٹ راج

اس سوال کے ضمن میں سردار اے۔ ایس سیگل ایم۔ ایل۔ اے نے حکومت سے پوچھا کہ جب حکومت نے محکمہ تعلیمات کے درجہ اوّل کی ملازمت کو توڑ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا تو پھر کن وجوہ کی بنا پر راؤ صاحب موہنی کو درجہ اول عطا کیا گیا۔ اگرچہ وزیر تعلیم نے اس کی کوئی وجہ نہیں بتائی لیکن ہمارا تو خیال یہ ہی کہ راؤ صاحب نے ودیا مندر اسکیم کے سلسلہ میں ضرور کچھ نہ کچھ کارنمایاں کیا ہوگا۔ ورنہ ایک طے شدہ پالیسی کے بعد ان کا درجہ اوّل حاصل کر لینا آسان نہ تھا۔

بلاسپور تحقیقاتی کمیٹی

مسٹر رگھوویندر راؤ سی۔ پی کے سابق گورنر اور حال مشیر سکریٹری آف اسٹیٹس فار انڈیا پچھلے الکشن میں بلاسپور سے امیدوار تھے اور اسی حلقہ سے کانگریس نے بھی اپنا امیدوار کھڑا کیا تھا جو کئی ہزار ووٹوں سے ہار گیا۔ یہ ایک ایسا چرکا تھا کہ نہ صرف صوبہ کی کانگریس کمیٹی بلکہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی بھی تلملا کر رہ گئی۔ بعد میں عارضی وزارت قائم کر کے مسٹر راؤ نے جلے پر اور تیل چھڑکا۔ چنانچہ جب کانگریس نے وزارت کی گدی سنبھالی تو اس نے پہلا کام یہ کیا کہ بلاسپور کے الکشن کے بارے میں ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی مقصود یہ تھا کہ حکومت کے بل پر یہ ثابت کیا جاسکے کہ مسٹر راؤ نے الکشن میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ناجائز ذرائع استعمال کئے تھے۔ اس کے لئے حکومت نے ابتدا میں ۲۸۱۲۹ روپیہ منظور کئے تھے، بعد میں اس سے زیادہ خرچ کیا گیا۔ کئی مہینے تک جب ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی الزامات ثابت ہوتے نظر نہ آئے تو تحقیقاتی کمیٹی توڑ دی گئی۔ محض ایک خیالی بنیاد پر حکومت کا ہزاروں روپیہ تحقیقات پر صرف کر دینا، اور جب خود اپنے

آ اوپر نو ڈپٹی نظر آنے لگے تو تحقیقات کا سوانگ ختم کر دیا، صرف کانگریس ہی کو زیب دے سکتا ہے۔ سیاسی مخالفین سے انتقام لینے کا یہ کمینہ حربہ ہر منصف مزاج کی نفرت و ملامت کا مستحق ہے۔ (سوال نمبر ۹ - مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۳۱ء)

تین مسلمانوں کے عارضی نائب تحصیلدار مقرر کئے جانے پر

کانگریسیوں کا غیض و غضب

جبل پور کمشنری کے ایک انگریز کمشنر نے کہیں تین مسلمانوں کو جو پہلے "قانون گو" تھے عارضی نائب تحصیلدار مقرر کر دیا۔ بس اتنی سی بات پر کانگریسیوں کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ پہلے اس پر راجندر سنہا ایم۔ ایل۔ اے نے ۱۶ مارچ ۱۹۳۹ء کو سوالات کی بوچھار کر دی۔ اس کے بعد پھر ۲۱ مارچ ۱۹۳۹ء کو یہی سوال اٹھایا گیا اور متعدد کانگریسیوں نے انتہائی فرقہ وارانہ ذہنیت کا مظاہرہ کیا۔ اسی ضمن میں سردار لے۔ ایس سیگل ایم۔ ایل۔ اے کا ایک سوال ملاحظہ ہو:-

"کیا حکومت اس سے واقف ہے کہ ڈپٹی کمشنر اور کمشنر (جبل پور جن کے زمانہ میں تین مسلمان قانون گو عارضی نائب تحصیلدار مقرر ہوئے) کا رجحان خاص طور سے ایک خاص قوم کو فائدہ پہنچانے کی طرف ہے"؟ اس قسم کے متعدد سوالات ٹھاکر چھیدی لال۔ ایم۔ ایل۔ اے صدر مہا کوشل کانگریس کمیٹی مسٹر النسو یا بائی کالے ڈپٹی اسپیکر اسمبلی اور دوسرے کانگریسیوں نے کئے۔ مسٹر گوکلے ایم۔ ایل۔ اے نے تو کمشنر جبل پور (مسٹر گرین فیلڈ) سے کیفیت طلب کئے جانے کا مشورہ دیا۔ یہ سارا ہنگامہ محض اس لئے برپا کیا گیا کہ "وسوسے اتفاق" سے تین مسلمان ملازموں کو عارضی ترقی مل گئی تھی۔
(سوال نمبر ۳۵ - مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۳۹ء اور سوال نمبر ۲۹ مورخہ ۲۱ مارچ ۱۹۳۹ء)

ایک غریب اور قابل رحم ہندو لڑکی کو پناہ دینے پر کانگریسی اخباروں اور

ممبران اسمبلی کی چیخ و پکار

نو برس کی ایک ہندو لڑکی ساگر (سی۔ پی) کی سڑکوں پر بھیک مانگا کرتی تھی۔ ایک دن وہاں کے مسلمان کوتوال شہر کے یہاں بھی گئی۔ کوتوال صاحب کی رحم دل بیوی نے کھانا بھی دیا اور کپڑا بھی نیک دل خاتون کے اس حسن سلوک کو دیکھ کر لڑکی بار بار آتی رہی اور ہمیشہ اس کی امداد کی گئی۔ لڑکی نے کوتوال صاحب اور ان کی بیوی کو اپنا نام حمیدہ بتایا۔ یہ لڑکی کچھ دنوں تک کوتوال صاحب کے یہاں بھی اور ان کے گھر والوں کے ساتھ مختلف مقامات پر بھی گئی۔ اگرچہ لڑکی نے اپنا نام مسلمانوں کا سا بتایا تھا، پھر بھی کوتوال صاحب نے غالباً ازراہ احتیاط اس کو دوبار ساگر کے ہندو یتیم خانہ میں داخل کیا، جہاں سے وہ بھاگ بھاگ کر پھر کوتوال صاحب کے یہاں چلی آئی۔ کوتوال صاحب نے اس لڑکی کو نہ اسلام میں داخل کیا اور نہ اس کی مرضی کے خلاف اس کو اپنے گھر میں رکھا۔ لڑکی کے بارے میں یہ واقعات مسٹر جلب سنگھ موتی ایم۔ ایل۔ اے کانگریسی کے سوال نمبر ۱ مورخہ ۲۳ مارچ سنہ ۱۹۳۸ء کے جواب میں خود مسٹر شکلا (وزیر اعظم) نے بتائے۔ لیکن اس سے بہت پہلے صوبہ کے دو کانگریسی اخباروں نو بھارت (۱۴ مئی سنہ ۱۹۳۸ء) اور نوجیون (۲۸ مئی سنہ ۱۹۳۸ء) نے اس کے بارے میں خوب خوب رنگ آمیزیاں کی تھیں اور ساگر کے کوتوال شہر کے استبداد پر جی کھول کر خامہ فرسائی کی تھی۔ جب اس پر بھی تسکین نہ ہوئی تو از سر نو پھر ۲۳ مارچ سنہ ۱۹۳۹ء کو اسمبلی میں لڑکی کے بارے میں کانگریسی ممبروں کی طرف سے انتہائی گندے، زہریلے اور فرقہ وارانہ سوالات کیے گئے اور وہ ہنگامہ برپا کیا گیا کہ خدا کی پناہ۔

یہ ہے کانگریس کے بگلا بھگتوں کی قوم پرستی اور "غیر فرقہ وارانہ ذہنیت" کا مرقع کہ ایک مسلمان ایک غریب ہندو لڑکی پر رحم کھا کر اس کی امداد کرتا ہے اسے کھانا کپڑا دیتا ہے، اسے نہ اپنے گھر میں روکتا ہے اور نہ مسلمان بناتا ہے، بلکہ ہندو یتیم خانہ میں بھیج دیتا ہے، لیکن "عدم تشدد

اوندھا اہنسا، کے پجاریوں کی نظریں دگردن زدنی ٹھیرا ہی۔ لعنت ہی ایسی "قوم پرستی" پر جس کے پردہ میں "فرقہ پرستی" کے ایسے زہریلے جراثیم کی پرورش ہوتی ہو۔

خوبصورت دھوکا

پاٹن ساونگی ضلع ناگپور کے ہندو مسلمانوں میں ایک پولیس افسر کے سامنے ایک سمجھوتہ ہوا، جس میں فریقین کی رضامندی سے یہ قرار پایا کہ مسجد کے سامنے باجا نہ بجایا جائے گا۔ ابھی سمجھوتہ کی سیاہی بھی خشک نہ ہوئی تھی کہ پاٹن ساونگی کے ہندوؤں نے یہ کہہ کر کہ سمجھوتہ پر پولیس افسر نے ان کے دستخط جبراً کرائے ہیں اس کو کالعدم قرار دیا۔ کانگریسی حکومت نے پاٹن ساونگی کے ہندوؤں کا بیان سولہ آنے سچ سمجھا، یہی نہیں بلکہ تلافیِ مافات کا بھی انتظام کر دیا گیا، یعنی ناگپور کے ڈپٹی کمشنر نے ایک حکم کے ذریعہ پاٹن ساونگی کے ہندوؤں کو ۲۴ گھنٹے مسجد کے سامنے باجہ بجانے کا حق دے دیا اور مسلمانوں کو ہدایت کی کہ انہیں اس فیصلہ سے اختلاف ہو تو وہ عدالت دیوانی کی طرف رجوع کریں۔ جب اس مسئلہ کے متعلق مسٹر محب الحق ایم۔ ایل۔ اے نے ایک سوال کے ذریعہ (نمبر۴۔ مورخہ ۲۳ مارچ ۱۹۳۹ء) حکومت کی توجہ مبذول کرائی تو حکومت اور کانگریسی ممبروں نے عجیب عجیب موشگافیاں کیں۔ یہاں نمونہ کے طور پر صرف ایک ضمنی سوال جو مسز انسویا بائی کالے ڈپٹی اسپیکر نے کیا، اور مسٹر مہتا (وزیر انصاف کی طرف سے اس کا جواب درج کیا جاتا ہی۔

سوال۔ ناگپور کا ڈپٹی کمشنر کون ہی، کیا وہ ہندو ہی؟

جواب۔ ناگپور کا موجودہ ڈپٹی کمشنر ایک آئرش ہیں (آئرلینڈ کا رہنے والا) ہی۔

اس سوال وجواب کے پڑھنے کے بعد خواہ مخواہ یہی معلوم ہوتا ہی کہ جس ڈپٹی کمشنر نے پاٹن ساونگی میں ۲۴ گھنٹے مسجد کے سامنے باجہ بجانے کی اجازت دی وہ یقیناً یہی آئرش ڈپٹی کمشنر رہا ہوگا، کیونکہ ضمنی سوال کا تعلق تو بہرحال پاٹن ساونگی ہی کے قضیہ سے تھا، نہ کہ ضلع ناگپور کے کسی دوسرے مقام کے جھگڑے سے۔ یہ جواب دینے سے مسٹر مہتا کا مطلب اس کے سوا!

اور کچھ نہ تھا کہ دنیا کو یہ بتا دیا جائے کہ پاٹن ساونگی میں ۲۴ گھنٹہ مسجد کے سامنے باجہ بجانے کی اجازت ایک یورپین ڈپٹی کمشنر نے دی اور اسی طرح اس نے جو اجازت نامہ دیا اس میں فرقہ پرستانہ ذہنیت کا شائبہ نہ تھا۔ لیکن حقیقت اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے کہ جس ڈپٹی کمشنر نے پاٹن ساونگی میں ۲۴ گھنٹہ باجہ بجانے کا پروانہ جاری کیا تھا وہ یورپین ڈپٹی کمشنر نہ تھا بلکہ ایک ہندو ڈپٹی کمشنر یعنی مسٹر مہتا تھا۔ اب مسٹر مہتا (وزیر انصاف) کی چالاکی ملاحظہ ہو۔ کہ آپ نے اپنے جواب میں صرف یہ فرمایا کہ ناگپور کا موجودہ ڈپٹی کمشنر ایک آئرش مین ہے، حالانکہ سوال کا منشاء یہ معلوم کرنا نہ تھا بلکہ یہ معلوم کرنا تھا کہ جس ڈپٹی کمشنر نے ۲۴ گھنٹہ باجہ بجانے کی اجازت دی وہ کون تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دوران میں ناگپور کے ڈپٹی کمشنر ایک آئرش مین مسٹر میکلنھن تھے، اور جب ۲۲ مارچ ۱۹۳۹ء کو مسٹر مہتا نے اسمبلی میں ضمنی سوال کا جواب دیا، اس وقت بھی وہی تھے، لیکن پاٹن ساونگی میں مسجد کے سامنے باجہ بجانے کا حکم جس ڈپٹی کمشنر نے دیا وہ ایک ہندو مسٹر مہتا تھے جو مسٹر میکلنھن کے چھٹی چلے جانے پر ناگپور کے ڈپٹی کمشنر مقرر کئے گئے تھے۔ مسٹر مہتا (ڈپٹی کمشنر) نے یہ حکم نامہ ۶ ستمبر ۱۹۳۸ء کو جاری کیا۔

مسٹر مہتا (وزیر انصاف) نے اپنے جواب سے اسمبلی کے ممبروں کی آنکھوں میں خاک تو ڈال دی ہی تھی، لیکن بمصداق "ہر فرعونے را موسیٰ" ہم لوگوں کی تفتیش و تحقیق کے بعد ان کے "خوبصورت دھوکے" کا سارا تار و پود بکھر گیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ پاٹن ساونگی میں باجہ بجانے کا حکم نامہ مسٹر مہتا نے جاری کیا تھا جو اس وقت مسٹر میکلنھن کی جگہ ناگپور کے ڈپٹی کمشنر تھے نہ کہ مسٹر میکلنھن نے جو آئرش مین تھے۔ جہاں مسلم آزاری کا تعلق ہے یہ "مہتا" نام ہی خوب ہے۔ ایک مہتا (وزیر انصاف) نے ہوشنگ آباد کے معصوم مسلمان لڑکی کے ہندو قاتل کو معاف کر کے مسلمانوں کے دلوں میں نا سور ڈال دیئے تو دوسرے مہتا صاحب (ناگپور کے ڈپٹی کمشنر) نے پاٹن ساونگی میں ۲۴ گھنٹہ مسجد کے سامنے باجہ بجانے کی اجازت دے کر مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کیا۔ اور تیسرے مہتا صاحب یعنی سب ڈویژنل مجسٹریٹ ضلع ناگپور نے اپنے سامنے مسٹر مہتا نمبر ۲ کی تعمیل کرائی اور مسجد کے سامنے باجہ بجوایا۔ شاید اسی موقع کے لئے کسی نے کہا تھا "باپ پر پوت پتا پر گھوڑا، بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا"

لوکل سیلف گورنمنٹ

بُت کدہ میں مطمئن رہنا مرا دُشوار تھا
بُت تو اچھے تھے برہمن درپئے آزار تھا

(اکبر الہ آبادی مرحوم)

لوکل سیلف گورنمنٹ

وزارت پر کانگریسیوں کا قبضہ تو وسط ۱۹۳۷ء میں ہوا۔ لیکن لوکل سلف گورنمنٹ یعنی میونسپلٹی۔ ڈسٹرکٹ بورڈوں۔ اور نوٹیفائڈ ایریا کمیٹیوں میں اکثر و بیشتر جگہ کانگریسی اکثریت کا عمل و دخل کم و بیش دس سال سے جاری ہے۔ کیونکہ یہ ادارات اصلاحات مانٹیفورڈ اسکیم کے تحت بڑی حد تک مفہوم کے لحاظ سے تو ہرگز نہیں لیکن ارکان کے لحاظ سے "جمہوری" بنا دیئے گئے تھے۔ انتخابات کے ذریعہ کانگریسیوں نے اس پر قبضہ کیا۔ اپنی اکثریت قائم کرنے میں مختلف جگہ انھیں مختلف مدت صرف کرنی پڑی ہے۔ جس جگہ بھی ان مداقت اور قوم پرستی کے جھوٹے دعویداروں کا تسلط ہو گیا۔ وہاں مسلمانوں کے حقوق اور اثرات کے گلے پر کند چھری پھر گئی۔ کانگریس کے قبضۂ اختیار میں اُن ادارات کی باگ آتے ہی یہ تمام ادارے ہندو اکثریت و ذہنیت کا مرکز بن گئے۔ سارے سی۔ پی و برار میں ایک جگہ بھی کوئی ایسی مثال نہیں بتائی جا سکتی جہاں "اہنسا اور سچ" کے پیرو کاروں نے مسلمانوں کے ساتھ اپنے ماقبل کے دور سے بہتر سلوک کیا ہو۔ لیکن ایسے سینکڑوں کیا بلکہ ہزاروں واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں کہ قوم پرستی کے ان دعویداروں نے اپنی اکثریت کے بل بوتے پر مسلمانوں کے جائز حقوق کو بھی پامال کر کے رکھ دیا ہے۔ اور نیابت اور ملازمت میں مسلمانوں کا حال ان جمہوری اجسام میں ڈوبتی ہوئی نبض کے مانند ہو گیا ہے۔ جو روز بروز گھٹتی چلی جا رہی ہے۔

صفحات مابعد میں ناقابلِ تردید واقعات اور مستند اعداد و شمار ایسے پیش کئے جا رہے ہیں۔ جن سے ثابت ہو جائے گا کہ ہر جگہ جہاں کہیں کانگریس کا

تسلط ان اداروں پر ہے۔ مسلمانوں کو اُن کی آبادی کے مطابق بھی حقوق حاصل نہیں بلکہ مذہبی آزادی اور شہری حقوق پر بھی جابرانہ قیود اور پابندیاں عاید کردی گئی ہیں۔

یہ چیز ہر جگہ نظر آئے گی کہ بذریعہ انتخاب مسلم نیابت بمنزلہ صفر ہے۔ نامزدگی کے ذریعہ سے نیابت پُر کرنے کے بعد بھی نیابت کا تناسب آبادی سے کم ہے۔ اور ملازمتوں میں یہ تناسب بہ لحاظ تعداد ملازمین اور بھی کم ہے۔ ان سب پر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ تنخواہ کی رقم کا تناسب تعداد کے تناسب سے بہت زیادہ کم ہے۔ اور اس صورت حال کا نام ہے "مساوات اور قوم پرستی"

افسوس ہے کہ باوجود کوشش کے صوبہ متوسط و برار کے تمام ادارات بلکل سیلف گورنمنٹ کے اعداد و شمار مہیا نہ ہوسکے اور متعدد جگہیں باقی رہ گئیں۔ ہر ادارے کا تفصیلی حال الگ الگ درج کیا گیا ہے۔ تاکہ مکمل تصویر سامنے آجائے۔ نیابت مدارس اور ملازمین کی تعداد جو درج کی گئی ہیں وہ مستند ذرائع سے حاصل کی گئی ہے۔ اور اعداد و شمار جولائی ۱۹۳۸ء تا دسمبر ۱۹۳۸ء میں سے کسی ایک ماہ کے لئے گئے ہیں۔

تعلیم اور فنڈ کے سلسلہ میں کانگریسی اکثریت نے جو سلوک مسلمانوں کے ساتھ روا رکھا ہے۔ اُس سے صاف ظاہر ہے کہ اُن کی نیت ہی ہے کہ مسلمانوں کو رفتہ رفتہ اچھوتوں کی حالت تک پہونچا دیا جائے۔ اور اگر کانگریسی حکومت کو زیادہ دنوں تک برسر اقتدار رہنے کا موقع ملے اور مسلمان جان پر کھیل کر اس کا مقابلہ نہ کریں تو یقیناً کانگریسی ہندو اپنے مقصد کی تکمیل میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

یہ اعداد و شمار اور واقعات کانگریسی ذہنیت کا مرقع پیش کرنے کے ساتھ ساتھ

زبانِ حال سے اس حقیقت کی مزید تائید کر رہے ہیں۔ کہ دستورِ حکومت ہند میں اقلیتوں کے حقوق کے استحفاظ کے لئے جو اختیارات خصوصی گورنر کو دیئے گئے ہیں۔ اُن کی حیثیت ردی کاغذ کے ٹکڑے سے زیادہ نہیں ہے۔

ہوشنگ آباد:۔ (میونسپل کمیٹی)

آبادی:۔ کل ۱۲۳۳۲ ——— مسلمان ۲۰۳۱ ——— مسلم تناسب ۱/۶ تقریباً

نیابت:۔ کل ممبران ۱۰ ——— مسلمان ۲ ——— مسلم تناسب ۱/۵

ملازمین۔ کل ۱۹۴ ۔ بھنگی ۱۲۵ ۔ ماسٹر ۲۷ ۔ بقیہ اسٹاف ۴۲

۲۷ ماسٹروں میں ۵ مسلمان ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اردو اسکول میں مسلمان ماسٹر رکھنے کی مجبوری ہوتی ہے۔ ۴۲ ممبرانِ اسٹاف میں صرف ایک مسلمان ہے۔ اس طرح بھنگیوں کو چھوڑ کر ۶۹ ملازمین میں سے چھ مسلمان ہیں۔ یعنی ملازمت میں مسلم تناسب ۱/۱۱ سے بھی کم ہے۔

تنخواہ۔ اوسط ماہانہ تنخواہ ۳۵۰۰ روپیہ تقسیم ہوتی ہے۔ اس میں سے بھنگیوں کی تنخواہ وضع کرنے کے بعد بقیہ ملازمین کو ڈھائی ہزار ماہانہ ملتا ہے۔ جس میں سے مسلمان کو دو سو ماہانہ یعنی مسلم تناسب ۱/۱۲ سے بھی کم ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ آبادی کے تناسب سے نیابت کا تناسب کم ہے۔ اور ملازمت کا اس سے بھی کم ہے۔ پھر ملازمت کے تعدادی تناسب کے برابر تنخواہ کا رقمی تناسب نہیں ہے۔ بلکہ اس سے کم ہے۔

تعلیم:۔ پرائمری اسکول ۵ = ہندی ۴ ۔ اردو ۱

ماسٹر ۲۷ = ۲۳ ،، = ،، ۴ (ان میں صرف دو ٹرینڈ ہیں)

——— ہندی اسکول میں فی اسکول ماسٹروں کا اوسط ۵ ۳/۴ ہے اردو میں ۴۔

مین بورڈ اسکول کے ایک ماسٹر ہیرا سنگھ کو پچیس ۲۵ روپیہ ماہانہ ملتا ہے۔ حالانکہ ٹرینڈ نہیں ہے اور ماسٹروں کو صرف بائیس ملتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ نوازش کانگریس اکثریت نے بلا کسی معقول وجہ کے اُس کے ساتھ کی ہے۔

لائبریری :- ٹاؤن ہال لائبریری پبلک لائبریری ہے۔ اس کو میونسپل کمیٹی گرانٹ دیتی ہے مگر اس میں نہ اُردو کتابیں ہیں نہ اُردو اخبارات آتے ہیں۔

فراہمی گوشت اور متعلقات :- فیس مذبح چھوٹے جانوروں پر فی راس ۰۲/ اور سینگ دار جانوروں پر فیس راس ۴/ ہے۔

اگرچہ کمیٹی یہ فیس وصول کرتی ہے مگر مذبح کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے۔ قصابوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے بارہا اس کی طرف توجہ دلائی گئی مگر مذبح اب تک نہیں بنا۔

ہوشنگ آباد۔ ڈسٹرکٹ کونسل

نیابت :- کل ممبران ۲۵ ــــــــ مسلمان ۲ (کانگریسی اور نامزد شدہ)

ملازمین :- ماسٹروں کو چھوڑ کر کل ۵۳ ملازم ہیں جن میں مسلمان ۱

تنخواہ :- اسٹاف کی تنخواہ ماہانہ تیرہ سو روپیہ ہے۔ جس میں سے مسلمان کو ۸۵ روپیہ ملتا ہے۔

تعلیم :- کل ۱۵۵ اسکول ہیں ۱۴۱ پرائمری - ۱۴ مڈل۔ سب ہندی کے۔

اُردو کا ایک بھی مدرسہ نہیں ہے۔ سالانہ خرچ ہندی اسکولوں پر اسّی ہزار روپیہ سے زائد ہے۔

ماسٹر :- کل ۳۷۸ ماسٹر ہیں جن میں سے مسلمان ۱۶ ہیں۔

ہندوؤں کی تعلیم کا انتظام

(۱) لڑکوں کے لئے :- پرائمری ہندی میونسپل اسکول چار (ماسٹر ۲۳-)
گورنمنٹ ہائی اسکول (دیسی زبان ہندی) ایک -

(۲) لڑکیوں کے لئے :- گورنمنٹ پرائمری گرلز اسکول دو - ایک ہندی -
ایک مرہٹی -

مُسلمانوں کی تعلیم

(۱) لڑکوں کے لئے :- اُردو اسکول ایک (چار ماسٹر) ہائی اسکول میں
ایک ماسٹر اُردو - پرشین ماسٹر کی منظوری ہوئی ،
لیکن مقرر نہیں کیا گیا -

(۲) لڑکیوں کے لئے :- کچھ نہیں -

اٹارسی :- میونسپل کمیٹی

آبادی :- کل ۱۱۷۸۷ مُسلمان ۲۱۲۶ - مُسلم تناسب ۱/۵ سے زیادہ

نیابت :- کل ۱۸ مُسلمان ۲ - مُسلم تناسب ۱/۹

ملازمتیں :- کل ۱۴۸ - بھنگی ۸۴ - ماسٹر ۲۸ - بقیہ اسٹاف ۳۶
بھنگیوں کو چھوڑ کر کل ملازم ۶۴ - مُسلمان ۱۰ مُسلم تناسب ۱/۹ سے کم

تنخواہ :- کل تنخواہ ۲۲۲۵ روپیہ ماہانہ - بھنگیوں کی تنخواہ وضع
کرنے کے بعد تقریباً پندرہ سو روپیہ ممبران اسٹاف
کو ملتا ہے - جس میں سے مُسلمان کو ۱۵۶ روپیہ مسلم تناسب ۱/۱۰

آبادی سے نیابت کا تناسب کم - آبادی سے ملازمت کا تناسب کم -
اور تنخواہ کا رقمی تناسب تو بہت ہی کم ہے -

تعلیم :- ہندی کے تین پرائمری اسکول (دو لڑکوں کا - ایک لڑکیوں کا) اور ایک ہائی اسکول۔

اردو کا میونسپلٹی کی طرف سے کوئی اسکول نہیں ہے - انجمن نور الاسلام کا اردو مڈل اسکول ہے جس میں دو انگریزی کلاس ہیں - پرائمری کلاسوں میں اوسط تعداد طلبار کی ۲۴۴ (۲۰۵ لڑکے - ۳۹ لڑکیاں) اور مڈل میں ۴۳ (۴۱ لڑکے ۲ لڑکیاں) ہے ماسٹروں کی تعداد گیارہ (۷ پرائمری ۴ مڈل) ہے - میونسپلٹی اس اسکول کے لئے صرف آٹھ سو روپیہ سالانہ گرانٹ دیتی ہے حالانکہ اس کا سالانہ خرچ اٹھارہ سو روپیہ مہینہ کا ہے - میونسپلٹی تین پرائمری ہندی اور ایک ہائی اسکول (جس میں اردو فارسی کے لئے صرف ایک ماسٹر ہے) کا بھی خرچ برداشت کر رہی ہے مگر اردو پرائمری اسکول کے لئے پورا خرچ دینے کو تیار نہیں - نہ اسکول لے لینے کو تیار ہے - میونسپل کمیٹی کی ذہنیت اس امر سے بخوبی معلوم ہوگی کہ اسی انجمن کے تحت ایک شبینہ مدرسہ تعلیم بالغان کے لئے ہے جس میں دو ماسٹر ہیں اور پڑھنے والوں کی تعداد ۴۰ کے قریب ہے مگر میونسپلٹی اس کے لئے ایک پیسہ گرانٹ نہیں دیتی برخلاف اس کے مرہٹی اسکول کو جہاں پڑھنے والوں کی تعداد چالیس ہے دو سو روپیہ سال گرانٹ ملتا ہے اور سنسکرت پاٹ شالہ کو جو صرف برہمنوں کے لئے مخصوص ہے اور پڑھنے والوں کی تعداد پندرہ سے زیادہ نہیں سو روپیہ سال گرانٹ ملتا ہے - اس کے مقابلہ میں ہریجن پرائمری اسکول کو بھی صرف سو روپیہ سال گرانٹ دیا جاتا ہے شبینہ اردو مدرسہ کتنا مقبول اور غیر فرقہ وارانہ ہے اس کا اندازہ مسٹر بہاری لال جین ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولز ہوشنگ آباد کی مندرجہ ذیل تحریر سے جو انھوں نے اس مدرسہ کو دیکھ کر معائنہ رجسٹر میں لکھی ہے کیا جا سکتا ہے :-

"مجھے جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ اُردو پڑھنے کی جدوجہد میں ہندو اور مسلمانوں کا متحدہ اجتماع ہے۔"

دستخط بہاری لال جین۔ بی۔ بی۔ ایل، ایل۔ بی، بی ٹی، ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولز ہوشنگ آباد

۲۹-۱۰-۴۸

سنسکرت پاٹ شالہ جیسے کٹر فرقہ دارانہ ادارے کو جو صرف پندرہ خاص قوم اور ذات کے لڑکوں کی تعلیم کا انتظام کرتا ہو ننّو روپیہ سال گرانٹ دیا جائے لیکن اُردو کے مدرسہ کو جو اتحاد کے مظاہرے کے ساتھ ہر قوم کے اَن پڑھوں کو تعلیم کی دولت سے مالا مال کرتا ہو ایک پیسہ گرانٹ نہ دیا جائے فرقہ پرستی اور اُردو دشمنی کی کھلی ہوئی مثال ہے۔

فرقہ پرستی کی اور مثال

میونسپل کمیٹی کی فرقہ پرستی اور مسلم دشمنی کا ایک اور واقعہ سُن لیجئے:۔

انجمن نورالاسلام کا اسکول انجمن کی بلڈنگ میں ہے لیکن جگہ ناکافی ہے۔ اسی عمارت سے ملحق افتادہ زمین میونسپل کمیٹی کی ہے۔ میونسپل کمیٹی ۱۰۹ × ۱۰۵ زمین سنسکرت پاٹ شالہ کو دے چکی ہے۔ انجمن نے عمارت کی توسیع اور ہوسٹل وغیرہ کی تعمیر کے لئے میونسپل کمیٹی سے ملحقہ افتادہ زمین دیئے جانے کی درخواست کی۔ ڈپٹی کمشنر نے بھی معائنہ کے بعد کمیٹی سے سفارش کی کہ یہ زمین انجمن کو دے دی جائے۔ لیکن انجمن کی درخواست یہ وجہ بتا کر نامنظور کر دی گئی کہ "نزدیک ہی ہندی مڈل گرل اسکول واقع ہے"۔ یہ عذر تعلیمی ادارے کے سلسلہ میں کتنا باوزن اور معقول ہے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں، یہ بتا دینا مناسب ہوگا کہ مڈل گرل اسکول کے کمپاؤنڈ کی دیوار آٹھ فیٹ اونچی بنی ہوئی ہے۔ اور یہ ڈے اسکول ہے اس میں اقامت گاہ وغیرہ نہیں ہے۔

لائبریری:۔ انجمن کی سرپرستی میں ایک لائبریری ہے جس میں ایک ہزار کتابیں ہیں اور

انگریزی اردو ہندی اخبارات آتے ہیں۔ میونسپل کمیٹی اسے بھی ایک پیسہ گرانٹ نہیں دیتی۔

فراہمی گوشت :۔ میونسپلٹی کے حدود میں گائے ذبح نہیں ہوسکتی اور اس کے گوشت کا فروخت کرنا ضابطہ کی خلاف ورزی ہے۔

قبرستان :۔ مسلمانوں کا قبرستان بالکل بھر گیا ہے۔ آس پاس کی جتنی زمین ہے ہندو مالگذاروں کی ہے اور میونسپل حدود کے اندر ہونے کی وجہ سے اس کی اجازت بھی ضروری ہے میونسپل کمیٹی سے متعدد بار درخواست کی گئی مگر کمیٹی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ حکام بالا نے کئی بار میونسپلٹی کو لکھا کہ یہ مسئلہ حد سے ضروری ہو گیا ہے میونسپلٹی کو اس کا انتظام کرنا چاہئے مگر میونسپلٹی نے کوئی کارروائی نہیں کی۔

ہندوؤں کی تعلیم کا انتظام

(۱) لڑکوں کے لئے :۔ میونسپل پرائمری ہندی اسکول دو۔ میونسپل ہائی اسکول (دیسی زبان ہندی) ایک۔ مرہٹی اسکول ایک (گرانٹ میونسپلٹی دوسو روپیہ سالانہ)

(۲) لڑکیوں کے لئے :۔ میونسپل پرائمری ہندی اسکول ایک۔ گورنمنٹ مڈل اسکول ایک

مسلمانوں کی تعلیم کا انتظام

(۱) لڑکوں کے لئے :۔ نور الاسلام کے مڈل اسکول کو گرانٹ (میونسپلٹی ۸۰۰ روپیہ سالانہ (گورنمنٹ ۴۰۰۔ مصارف سالانہ ۱۸۰۰ روپیہ)

(۲) لڑکیوں کے لئے :۔ کچھ نہیں۔

سوہاگ پور (میونسپل کمیٹی)

آبادی:- کُل ۸۱۴۱ مُسلمان ۲۰۷۲ مُسلم تناسب ۱/۴

نیابت:- کُل ممبران ۱۹ مُسلمان ۳ مُسلم تناسب ۱/۶ سے کم

مُلازمتیں:- کُل ملازم ۶۹ - بھنگی ۳۵ - ماسٹر ۱۸ بقیہ اسٹاف ۱۶

بھنگیوں کو چھوڑ کر کُل ملازمین کی تعداد ۳۴ - مُسلمان ۶ مُسلم تناسب ۱/۵ سے کم

تنخواہ:- اوسط ماہانہ تنخواہ ۱۳۰۰ روپیہ ماہوار۔ بھنگیوں کی تنخواہ وضع کرنے کے بعد کُل ملازمین کی تنخواہ ۹۳۵ روپیہ ماہانہ جس میں سے مُسلمان ملازمین کی تنخواہ ۱۰۹ روپیہ ماہانہ۔ مُسلم تناسب ۱/۹

تعلیم:- پرائمری اسکول ہندی کے چار اور اُردو کا ایک ہے۔ ایک انڈین انگلش مڈل اسکول ہے مڈل اسکول میں صرف ایک ماسٹر اُردو کے لئے ہے۔ اُردو اسکول میں چار کلاس ہیں ماسٹر صرف دو ہیں۔ عدم توجہی کے سبب اسکول میں حاضری بہت ہی کم ہے۔ ۱۸ ماسٹروں میں تین ماسٹر مُسلمان ہیں جن میں دو اُردو پرائمری اسکول میں اور ایک مڈل اسکول میں ہیں۔

لائبریری:- میونسپل کمیٹی کے زیر انتظام ایک لائبریری ہے جس پر سو روپیہ سالانہ خرچ ہوتا ہے۔ اُردو کتابوں اور اُردو اخبارات کی خریداری مفقود ہے۔

فراہمی گوشت:- فیس مذبح چھوٹے جانوروں پر فی راس ۲/ اور سینگ دار پر فی راس ۸/ ہے۔ مذبح اور گوشت مارکٹ کی مرمت اور قلعی کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔

دیگر شکایات :- میونسپلٹی کے حدود کے اندر ایک محلہ فراس پورہ ہے۔ یہاں ہریجنوں کی آبادی زیادہ ہے۔ اس وارڈ میں نہ تو روشنی کا انتظام ہے۔ نہ سڑک کا نہ حفظان صحت کا اور نہ پینے کے پانی کی فراہمی کا۔ حالانکہ ہر قسم کا ٹیکس جو اور وارڈ سے لیا جاتا ہے ان سے بھی پورا پورا وصول کیا جاتا ہے۔ بارش اور گرمی میں اس وارڈ کے لوگوں کی حالت حد درجہ قابلِ رحم ہو جاتی ہے۔ بار بار میونسپلٹی کی توجہ اس طرف مبذول کرائی گئی مگر غریب اور اچھوت آبادی کی فریاد پر کانگریسی اکثریت نے کبھی توجہ نہ کی۔

ہندوؤں کی تعلیم کا انتظام :-

(۱) لڑکوں کے لئے :- میونسپل پرائمری ہندی اسکول چار۔ انڈین انگلش مڈل اسکول (دیسی زبان ہندی) ایک۔

(۲) لڑکیوں کے لئے :- گورنمنٹ مڈل اسکول ایک۔

مسلمانوں کی تعلیم کا انتظام :-

(۱) لڑکوں کے لئے :- میونسپل اردو پرائمری اسکول ایک۔ (دو ماسٹر) مڈل اسکول میں ایک ماسٹر۔

(۲) لڑکیوں کے لئے :- کچھ نہیں۔

پیپریا :۔ (نوٹیفائڈ ایریا کمیٹی)
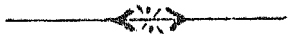
آبادی :۔ کل ۳۹۶۸ ——— مسلمان ——— ۴۹۵ ——— مسلم تناسب ⅛

نیابت :۔ کل ممبر ۹ ——— مسلمان (کانگریسی) ——— ۱ ——— مسلم تناسب ⅑

ملازمتیں :۔ کل ملازمتیں ۶۰ بھنگی ۲۰ ماسٹر ۲۴ بقیہ اسٹاف ۱۶

مسلمان ایک بھی نہیں ——————— مسلم تناسب :۔ صفر

تنخواہ :۔ ایک ہزار روپیہ ماہانہ تنخواہ تقسیم ہوتی ہے۔ مسلمان کو

ایک پیسہ نہیں ملتا ——————— مسلم تناسب :۔ صفر

(ایک مسلمان جمعدار تھا۔ کانگریسی اکثریت نے اسے بھی نکال دیا)

تعلیم :۔ لڑکوں کا پرائمری اسکول ہندی ۔۲۔ لڑکیوں کا ایک (ہندی) ایک مڈل اسکول ہندی مع انگلش کلاس، ایک ہائی اسکول ذریعہ تعلیم ہندی۔ اردو کا ایک بھی اسکول نہیں اور نہ اردو کے لئے کسی اسکول میں کوئی انتظام ہے۔

لائبریری :۔ ایک پبلک لائبریری کو کمیٹی دس روپیہ گرانٹ دیتی ہے اس میں اردو اخبارات نہیں آتے۔

وارڈس :۔ سات سنگل سیٹیڈ وارڈس ہیں۔ ان کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے۔ کہ کسی مسلمان کا مسلمانوں کے ووٹ سے منتخب ہونا ناممکن ہے۔
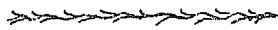
گڈروارہ :- (میونسپل کمیٹی)

آبادی :- کل ۹۰۷۷ ——— مسلمان ۱۰۷۵ ——— مسلم تناسب $\frac{1}{9}$

نیابت :- کل ممبران ۱۴ ——— مسلمان ۱ ——— مسلم تناسب $\frac{1}{14}$

ملازمین :- کل ملازمین ۱۰۴ بھنگی ۶۰ - ماسٹر ۳۲ - بقیہ اسٹاف ۱۲

بھنگی کو چھوڑ کر کل ملازمین ۴۴ - اس میں مسلمان معہ ماسٹروں کے ۴ مسلم تناسب $\frac{1}{11}$ سے کم

تنخواہ :- کل تنخواہ تقریباً دو ہزار روپیہ ماہانہ تقسیم ہوتی ہے

اس میں سے بھنگیوں کی تنخواہ وضع کرنے کے بعد بقیہ

اسٹاف کو ۱۵۰۰ روپیہ مسلمان کو ۱۰۵ ——— مسلم تناسب $\frac{1}{15}$

تعلیم :- پرائمری اسکول ہندی کے ۴ - اردو ۱ - ایک ہائی اسکول (اردو برائے نام)

کل ماسٹروں کی تعداد ۳۲ - مسلمان ۳ - اردو اسکول میں صرف دو ماسٹر ہیں۔

بے انصافی کا ایک واقعہ

میونسپل کمیٹی نے اپنے ریزولیوشن مورخہ ۲۷ فروری ۱۹۳۸ء کے ذریعہ ہائی اسکول کے ایک مسلمان ماسٹر مسٹر زیدی کو (جو انگریزی، اردو اور فارسی میں مہارت رکھتے تھے) برخاست کر دیا - کہ اب یہ جگہ کم کر دی گئی ہے - ان کی ملازمت پانچ سال سے زاید کی ہو چکی تھی اور مستقل ہو چکے تھے - صوبہ کے بورڈ برائے ثانوی تعلیم کی یہ خاص ہدایت ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو ان ٹرینڈ ماسٹروں کو ہٹا کر ٹرینڈ ماسٹر رکھیں جائیں (یادداشت ۶۶ مورخہ ۲۴ $\frac{9}{32}$) لیکن اس کمیٹی نے ایک ٹرینڈ ماسٹر کو ہٹا کر ایک ان ٹرینڈ ماسٹر مسٹر شرما کا دوبارہ تقرر کیا - یہ امر بھی قابل غور ہے کہ مسٹر زیدی کے بعد کے مقرر کئے ہوئے ماسٹروں مثل پریل اور شرما کو نہیں ہٹایا گیا بلکہ نزلہ انہی پر گرا - شاید یہ کہا جائے کہ تخفیف اخراجات کے نظر ایسا کیا گیا تو کمیٹی نے مسٹر گپتا اور مسٹر ورما کو "خاص ترقی اضافہ تنخواہ"

(SPECIAL INCREMENT) سے نوازا ہے۔ ماسوا اس کے متعدد ماسٹر تھے جو ہسٹری۔ حساب۔ سنسکرت اور ہندی پڑھا سکتے تھے لیکن اردو فارسی پڑھانے والا ایک ہی تھا اور مسلمان تھا اس لئے نکال دیا گیا۔

(گوٹے گاؤں) چھوٹا چھندواڑہ :- (میونسپل کمیٹی)

آبادی :- کل ۳۶۷۱ ــــــــــ مسلمان ۳۲۵ ــــــ مسلم تناسب $\frac{1}{11}$ کچھ کم

نیابت :- کل ممبران ۱۳ ـــــــــ مسلمان ۱ (نامزد شدہ) مسلم تناسب $\frac{1}{13}$

ملازمتیں :- کل ملازمین ۴۹ - بھنگی ۲۵ - ماسٹر ۱۳ - بقیہ اسٹاف ۱۱

مسلمان ایک بھی نہیں ــــــــــــــــ مسلم تناسب ۰ (صفر)

تنخواہ :- کل تنخواہ ماہانہ اوسط ۶۲۰ روپیہ بھنگی ۱۸۴ ماسٹر ۲۹۴ - بقیہ اسٹاف ۱۴۲ - مسلمان چونکہ ایک بھی نہیں ہے اس لئے ایک پیسہ مسلمان کو نہیں ملتا ــــــــــ مسلم تناسب ۰ (صفر)

تعلیم :- ایک مشترک ہندی پرائمری اور مڈل اسکول ہے جس میں تین انگریزی کلاسیں بھی ہیں - اس میں تیرہ ماسٹر ہیں۔ اردو کا کوئی اسکول نہیں نہ اس اسکول میں کوئی انتظام ہے - میونسپل کمیٹی سے بار بار ایک اردو داں مسلمان ٹیچر کے تقرر کی درخواست کی گئی مگر کوئی انتظام نہیں ہوا اسکول میں تقریباً پچیس ۲۵ مسلمان لڑکے پڑھتے ہیں سنہ ۱۹۳۸ء میں انہیں ہندو ماسٹروں نے اونچ ذات کے ہندو لڑکوں کے ساتھ بیٹھنے سے روک دیا اور انہیں مجبور کیا کہ وہ ان بنچوں پر بیٹھیں جو چماروں اور بھنگیوں کے لئے مخصوص تھیں۔

اس کی شکایت میونسپلٹی سے کی گئی - وائس پریسیڈنٹ اور ایک مسلمان ممبر نے اس شکایت کی تحقیقات ۱۹ جولائی سنہ ۱۹۳۹ء کو کی اور شکایت صحیح

حد تک صحیح ثابت ہوئی خصوصاً پانچویں کلاس میں مسلمانوں کے بار بار احتجاج کرنے پر بہت کافی دنوں کے بعد یہ ہدایت کر دی گئی کہ مسلمان لڑکوں کے ساتھ ایسا سلوک نہ کیا جائے لیکن جو ماسٹر اس کے ذمہ دار تھے نہ اِن سے کوئی باز پرس کی گئی نہ معمولی سی بھی سزا دی گئی تا کہ وہ اپنے فرقہ پرستانہ رویہ میں تبدیلی کرتے۔ مسلمانوں کو اچھوتوں کی صف میں جگہ دینے کے علاوہ مسلمان لڑکوں کو رامائن اور پرارتھنا کے اجتماع میں شریک ہونے پر مجبور کیا گیا۔ اور اسے بھی کافی نہ سمجھتے ہوئے۔ مسلمان لڑکوں کو جمعہ کی نماز کی شرکت پر غیر حاضری کو بہانہ بنا کر سزائیں دی گئیں۔ لیکن مسلمانوں کی اس تذلیل اور اسکول میں اتنے خراب اور خطرناک قسم کی فرقہ پرستی کا مظاہرہ کرنے والوں سے کوئی جواب نہیں طلب کیا گیا۔

لائبریری:- یہاں اسکول میں ایک لائبریری ہے جسے ننو روپیہ سال میونسپلٹی اخراجات کے لئے دیتی ہے۔ چونکہ اسکول بھی میونسپلٹی کا ہے۔ اس لئے یہ لائبریری سراسر میونسپلٹی کے ماتحت ہے۔ نہ اس میں اُردو کتابیں ہیں نہ اخبار آتے ہیں۔

مسلمانوں کی شکایات اور مطالبات جس میں اسکول میں مندرجہ بالا قابل اعتراض حرکتوں کے بند کئے جانے لائبریری میں ایک اُردو اخبار منگوانے اور برسات میں نالہ کے اندر مچھلی کا شکار کرنے کی اجازت دیئے جانے کا مطالبہ بھی تھا) میونسپلٹی کے سامنے اُس وقت کے مسلمان ممبر کے ذریعہ ۲۲ر جولائی ۳۸ء کو پیش ہوئے۔ میونسپل کمیٹی نے اپنے خاص اجلاس مورخہ ۲۸ر جولائی ۳۸ء میں چار ممبروں کی ایک کمیٹی ان امور پر تحقیقات کرنے اور رپورٹ پیش کرنے کے لئے مقرر کی۔ اِس کمیٹی نے ۳۱ر اگست کو اپنی رپورٹ پیش کی جو جنرل کمیٹی میں ۱۰ر اکتوبر کو بغرض بحث پیش ہوئی

اِس جلسہ میں سب کمیٹی کی سفارشات کو منظور کر لیا گیا۔ اس کے مطابق مُسلمانوں کے تمام مطالبات سوائے نالہ میں مچھلی مارنے کی اجازت کے قبول کر لئے گئے یعنی ایک اُردو اخبار کا لائبریری میں منگوانا بھی منظور کیا گیا۔ جب ایک سال تک کوئی اخبار نہیں منگوایا گیا تو ۲ر اکتوبر ۱۹۳۹ء کو یاددہانی کی گئی۔ اس کا جواب سکریٹری نے یہ دیا کہ اُردو روزانہ اخبار خریدے جانے کے متعلق کوئی ریزولیشن نہیں ہے۔ اکتوبر ۱۹۳۹ء میں سکریٹری مقامی مُسلم لیگ نے سکریٹری میونسپل کمیٹی کو ۱۰ر اکتوبر ۱۹۳۸ء کے جلسہ کی منظور شدہ تجویز کی نقل بھیجی کہ طے یہ ہوا تھا کہ "چھ مہینہ کے لئے ایک اُردو روزنامہ خرید اجائے۔" دسمبر تک اس کا کوئی جواب نہیں ملا تھا اور نہ کوئی اخبار خرید اگیا۔

فراہمی گوشت:- یہاں میونسپل حدود کے اندر گائے ذبح کرنے یا اس کا گوشت بیچنے کی اجازت نہیں ہے۔

فرقہ پرستی کے دیگر واقعات:-

(۱) کمیٹی میں ایک کلرک کی جگہ خالی ہوئی۔ ۲۷ر جولائی ۱۹۳۹ء کو نرسنگھ پور کے ایک مُسلمان نے جو میٹریکولیشن پاس ہونے کے علاوہ ٹائپ رائٹنگ بھی جانتا تھا۔ اور تحصیل کے دفتر میں تقریباً دو سال کام کرنے کے باعث دفتری کاروبار کا کافی تجربہ رکھتا تھا درخواست دی لیکن ایک ہندو کو جو نہ دفتری تجربہ رکھتا تھا نہ ٹائپ رائٹنگ جانتا تھا۔ بلکہ صرف میٹریکولیٹ تھا۔ مُسلمان کے مقابلہ میں ترجیح دے کر مقرر کیا گیا۔

(۲) ایک ہندی ٹرینڈ مُسلمان نے ۱۹۳۵ء میں جگہ خالی ہونے پر درخواست دی مگر جگہ نہ ملی پھر اُس نے ۲۶ر جولائی ۱۹۳۸ء میں درخواست دی مگر جگہ نہ ملی۔ اِسی عرصہ میں ایک ہندو ماسٹر نے استعفا دیا اور جگہ خالی ہوئی تو اِسی مُسلمان

نے تیسری بار ۲۴ر اگست ۳۸ء کو درخواست دی۔ اس کے جواب میں اُسے ایک خط مورخہ ۴ر ستمبر ۳۸ء کو ملا کہ (۱) ایا اُس کے پاس ہندی ریفریشر کورس کا سرٹیفکٹ ہے ؟ (۲) پندرہ روپیہ ماہانہ تنخواہ قبول کرسکتا ہے ؟ اور (۳) اپنے خرچ سے انٹرویو کے لئے آنے کو تیار ہے ؟ یہ مسلمان ڈسٹرکٹ کونسل ہی کے اسکول میں بعہدہ ماسٹر اُس وقت ملازم تھا اور اس کے پاس نارمل اسکول کا سرٹیفکٹ تھا۔ اس نے تینوں شرطیں منظور کرلیں اور اپنے اسناد دکھائے۔ جب یہ بلا سر پر مسلط ہوگئی تو جس ماسٹر نے استعفا دیا تھا اُسے واپس لے لینے پر تیار کیا گیا اور جب اُسے واپس لے لیا تو یہ کہا گیا کہ جگہ خالی نہیں رہی اس لئے مجبوری ہے۔ اس کے تھوڑے دنوں بعد ہی ہندو ماسٹر مذکور نے پھر استعفا دے دیا اور اس کی جگہ پر ایک ہندو مقرر کر دیا گیا۔

(۳) باوجود اس کے کہ ایک اُردو داں مسلمان ماسٹر مقرر کئے جانے کا مطالبہ اکتوبر ۳۸ء میں مان لیا گیا تھا جب جولائی ۳۹ء میں تین جگہیں خالی ہوئیں تو کسی مسلمان کو مقرر نہ کیا گیا۔ جس مسلمان کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے اُسے بلوایا گیا اور بلوانے کے بعد یہ نئی شرط پیش کی گئی کہ پہلے وہ اپنی موجودہ ملازمت سے استعفا دے دے جب یہ استعفا منظور ہو جائے گا تب اس کا تقرر کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنا بڑا خطرہ کون مول لیتا کہ نہ اِدھر کے رہتے نہ اُدھر کے چنانچہ اس جگہ پر بھی ایک اَن ٹرینڈ ہندو کا تقرر کیا گیا۔

(۴) ۵ر اگست ۳۹ء میں اسکول میں پڑھنے والے لڑکوں کے والدین اور ولیوں کے نام یہ حکمنامہ صادر کیا گیا کہ وہ اپنے بچّوں کی وردی کے لئے جو شدھ کھادی کے نیکر، شرٹ اور گاندھی ٹوپی پر مشتمل ہوگی تین روپیہ مقررہ تاریخ تک جمع کر دیں ورنہ لڑکے کا نام اسکول سے خارج کر دیا جائے گا۔ لیگ نے جب اس پر صدائے احتجاج بلند کی اور کمیٹی کو لکھا کہ نہ یہ وردی مسلمانوں کو قبول ہے نہ یہ جبریہ طریق کار تو اس کے جواب میں

۸ اگست ۱۹۳۹ء کو ایک خط ملا جو یونیفارم اور کھدر کی خوبیوں پر ایک لمبے وعظ سے بھرا ہوا تھا۔

کرپلی (نوٹیفائڈ ایریا کمیٹی)

آبادی :- کل ۲۵۰۰ تقریباً ——— مسلمان ۲۰۰ ——— مسلم تناسب $\frac{1}{12}$

نیابت :- کل ممبران ۷ ——— مسلمان ۱ ——— مسلم تناسب $\frac{1}{7}$

ملازمتیں :- کل ملازمین ۳۴ - بھنگی ۱۱ - ماسٹر ۱۱ بقیہ اسٹاف ۱۲

بھنگیوں کو چھوڑ کر کل ملازمین ۲۳ - اس میں مسلمان صرف ۱ مسلم تناسب $\frac{1}{23}$

تنخواہ :- ماہانہ اوسط ۲۰۷ روپیہ - بھنگیوں کی تنخواہ ۱۱۳ روپیہ اسے وضع کرنے کے بعد بقیہ اسٹاف کی تنخواہ ۲۰۷ روپیہ - مسلمان کی تنخواہ ۳۲ ——— مسلم تناسب $\frac{1}{19}$

یہ مسلمان اسکول میں ماسٹر ہیں۔

تعلیم :- ایک ہندی پرائمری اسکول ہے اور ایک انگلش ہائی اسکول ہندی ذریعہ تعلیم اردو کا نہ ایک اسکول ہے اور نہ ہائی اسکول میں کوئی انتظام ہے۔ مسلمان بچوں کو باوجود غریب تر ہونے کے فری شپ نہیں دی جاتی۔ پرائمری اور ہائی اسکول ہندی تو کمیٹی کا ہے اور مڈل اسکول ڈسٹرکٹ کونسل کا ہے یہ بھی ہندی کا ہے مسلمانوں نے اردو پرائمری اسکول کھولنے کے لئے کئی بار درخواست دی مگر نامنظور ہوئی مکتب جو مسجد میں ہے۔ اس میں بیس کے قریب لڑکے اردو اور دینیات پڑھتے ہیں اس کو بھی کمیٹی کوئی گرانٹ نہیں دیتی۔

لائبریری :- کمیٹی کے زیر انتظام ایک لائبریری ہے اس کے لئے ہندی کی کتابیں قیمتی پانچسو روپیہ خریدی گئی ہیں۔ مگر اردو کی ایک بھی کتاب نہیں۔ سالانہ خرچ تقریباً

پانچسو روپیہ ہے۔ ہندی انگریزی کے اخبارات آتے ہیں۔ اردو کا ایک اخبار کبھی آتا ہے کبھی نہیں آتا ہے۔

فراہمی گوشت:۔ گائے ذبح کرنے یا اس کا گوشت فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

ویدک دواخانہ:۔ کمیٹی کا ایک ویدک دواخانہ ہے جس کا سالانہ خرچ سات سو روپیہ ہے اور وید کو ۴۶ روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔

قبرستان اور سمسان:۔ مسلمانوں کے قبرستان میں چوکیدار کے لئے ایک پختہ جھونپڑے کی سخت ضرورت ہے اور ایک کنوئیں کی بھی کیونکہ پانی قبرستان سے دو فرلانگ پر ہے۔ بہر دست مسلمانوں نے اپنے چندے سے پچر (PICHER) پمپ لگا رکھا ہے مگر قبرستان کے باغ کی آبپاشی کے لئے یہ بالکل ناکافی ہے۔ مسلمانوں نے کمیٹی میں درخواست دی مگر یہ نامنظور کی گئی۔ اس کے بعد ہی سمسان والوں نے درخواست دی کہ انھیں سمسان میں پختہ جھونپڑا بنانے کے لئے امداد دی جائے۔ کمیٹی نے بلا کسی تکلف کے ساڑھے تین سو روپیہ منظور کر کے سمسان والوں کے حوالہ کر دیا۔ سمسان ندی کے کنارے ہے یہ ندی بارہ مہینہ جاری رہتی ہے۔ سمسان تک جانے کا راستہ بھی اچھا ہے۔ مگر قبرستان جانے کے لئے تھوڑی افتادہ زمین اور ایک نالہ سے گزر کر جانا پڑتا ہے۔ برسات میں سخت تکلیف ہوتی ہے کمیٹی سے کئی بار کہا گیا کہ ایک پلیا بنوا دے اور راستہ برابر کر کے بڑی سڑک میں ملا دے۔ مگر کمیٹی نے اس پر کوئی توجہ نہ کی۔

دھرمادا:۔ کمیٹی کے تحت غلہ بازار بھی ہے۔ اس بازار کے "آڑھتئے" "دھرمادا" کے نام سے فی چھانٹن دو پیسہ گاڑی والوں سے وصول کرتے ہیں اور اس رقم کو خالص ہندوانہ کاموں پر صرف کرتے ہیں۔ اس ذریعہ سے تقریباً ڈھائی ہزار روپیہ سالانہ آمدنی وصول ہوتی ہے۔ اس بازار میں گاڑیاں لانے والے بیوپاری کم از کم بارہ فی صدی مسلمان ہوتے

ہیں۔ آڑھتیوں کی اکثریت کانگریسیوں کی ہے۔ اور دھرمادا کمیٹی کے منتظمین اور عہدیداروں کی اکثریت بھی کانگریسی ہے۔ یہ فنڈ سنسکرت پاٹ شالہ اور شمسان کی امداد۔ مندروں کے انتظام۔ شدھی کی تبلیغ اور ہندو مہاسبھا کے مبلغوں کی مہمان نوازی پر خرچ کیا جاتا ہے۔ دھرمادا کمیٹی کی طرف سے ایک "سدابرت" کا انتظام بھی ہے۔ اس سدابرت میں صرف ہندو فقیروں کو خیرات ملتی ہے۔ مسلمان فقیروں کو دھتکار دیا جاتا ہے۔ مسلمانوں نے اِس کمیٹی کے پاس درخواست بھیجی کہ دھرمادا کی رقم کا ایک اچھا خاصہ حصّہ مسلمانوں سے بھی وصول کیا جاتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے مدرسے اور قبرستان کی بھی امداد کی جانی چاہیے۔ لیکن اُنہیں کورا جواب ملا۔ کانگریسی اکثریت کے نوٹیفائڈ ایریا کمیٹی پر قابض ہونے سے پہلے انڈیپنڈنٹ پارٹی صاحب اختیار تھی۔ ڈیڑھ سال ہوئے اِس پارٹی نے کمیٹی میں یہ ریزولیوشن منظور کیا کہ غلّہ بازار میں دھرمادا کی وصولی نے ٹیکس کی حیثیت اختیار کر لی ہے اور یہ سراسر ناجائز ہے۔ چنانچہ اس خلاف قانون ٹیکس کی وصولی چند دنوں بند رہی۔ لیکن جب کانگریسی جماعت کمیٹی میں غالب ہوگئی تو دھرمادا کی وصولی پھر شروع ہوگئی۔ نہ تو کمیٹی کا ریزولیشن منسوخ کیا گیا اور نہ ضابطہ کی خلاف ورزی کرنے والے کانگریسی آڑھتیوں کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی گئی۔

دیگر شکایات:۔ (۱) حفظانِ صحت اور صفائی کا انتظام مسلمان محلّوں میں برائے نام ہے۔ نہ نالیاں بنائی گئی ہیں نہ سڑکیں درست ہیں اور نہ ہندو محلوں کے مقابلہ میں روشنی کا انتظام ہے۔

(۲) وارڈس اس طرح بنائے جا رہے ہیں کہ ایک جگہ کے مسلم ووٹر تقسیم ہو جائیں اور یکجائی باقی نہ رہے۔

(۳) غلّہ بازار کے قریب ایک کھلی ہوئی جگہ تھی جہاں گاڑی والے اپنی گاڑیاں

کھڑی کرتے تھے۔ کمیٹی نے اس جگہ کو خاردار تاروں سے گھیر دیا ہے اور اسے ہیرو سٹ ل
ہائی اسکول کے لئے کھیل کا میدان بنایا ہے۔ حالانکہ یہ جگہ شہر کے اندر ہے اور ہائی اسکو
اس جگہ سے دور ہے۔ گاڑی والوں کو مجبوراً سڑک پر گاڑی کھڑی کرنی ہوتی ہے اور
جرمانہ دیتے دیتے پریشان ہو گئے ہیں۔ تجویز جو ابھی کاغذ پر نہیں آئی ہے یہ ہے کہ
یہ جگہ "ہنومان ویام شالہ" کو دے دی جائے۔ ویام شالہ کے لئے یہی جگہ اس وجہ سے
ضروری سمجھی جا رہی ہے کہ مسجد، مکتب اور مسلمانوں کے چند گھروں کا محلہ اس جگہ سے قریب
ہے۔ مسجد کے نزدیک بینڈ باجہ۔ اور شور و غل کا ہنگامہ اور مسلمانوں کے محلہ کے
پاس ورزشی کرتبوں کا روزانہ مظاہرہ مسلمانوں پر رعب جمانے اور اپنے دلوں
میں ہمت پیدا کرانے کے لئے ایک مفید طریق کار ہے۔

ہندوؤں کی تعلیم کا انتظام :۔

(۱) لڑکوں کے لئے :۔ کمیٹی کا ہندی پرائمری اسکول ایک اور انگلش
ہائی اسکول دیسی زبان ہندی ایک۔

(۲) لڑکیوں کے لئے :۔ گورنمنٹ پرائمری اسکول ایک۔ ڈسٹرکٹ کونسل
ہندی مڈل اسکول ایک۔ گورنمنٹ مڈل اسکول
ہندی (واقع پرانی کریلی) ایک۔

مسلمانوں کی تعلیم کا انتظام :۔

(۱) لڑکوں کے لئے۔ کچھ نہیں۔

(۲) لڑکیوں کے لئے۔ کچھ نہیں۔

سیونی (مالوہ) میونسپل کمیٹی

آبادی :- کل ۶۴۱۰ ——— مسلمان ۱۰۴۹ ——— مسلم تناسب ۱/۶

نیابت :- کل ممبران ۱۶ ——— مسلمان ۳ ——— مسلم تناسب ۱/۵ سے کم

ملازمین :- کل ۶۵ - بھنگی ۲۰ - ماسٹر ۲۵ - بقیہ اسٹاف ۲۰

بھنگیوں کو چھوڑ کر کل ملازم ۴۵ - مسلمان صرف ایک ——— مسلم تناسب ۱/۴۵

تنخواہ :- اوسط ماہانہ تنخواہ ۱۳۲۶ روپیہ اس میں سے بھنگیوں کی تنخواہ وضع کرنے کے بعد بقیہ اسٹاف کو گیارہ سو روپیہ مہینہ تنخواہ ملتی ہے جس میں ایک مسلمان ماسٹر کو پندرہ روپیہ مہینہ ملتا ہے ——— مسلم تناسب ۱/۷۳

تعلیم :- ہندی پرائمری اسکول ۳ - ہندی مڈل اسکول ۱ - ہائی اسکول ۱ - اردو اسکول ایک بھی نہیں ہے - ہائی اسکول میں اردو کا کوئی انتظام نہیں ہے - ہندی نیو پرائمری اسکول کے ساتھ صرف ایک ابتدائی کلاس اردو کے لئے موجود ہے - اس کلاس کے لئے ایک مسلمان ماسٹر ہیں جنہیں باوجود ٹرینڈ ہونے کے پندرہ روپیہ مہینہ تنخواہ ملتی ہے - ہندی اسکولوں میں روز پرارتھنا ہوتی ہے - اسکول کے مسلمان لڑکوں اور اردو ابتدائی کلاس کے لڑکوں کو اس میں شریک ہونا پڑتا ہے -

لائبریری :- میونسپلٹی کی ایک لائبریری بھی ہے - ہندی اخبارات کے ساتھ ساتھ ایک اردو اخبار منگوائے جانے کی تجویز کمیٹی نے منظور کی - لیکن ہندی اخبارات کا چندہ بھیجدیا گیا - مگر اردو اخبار نہیں منگوایا گیا -

گاؤکشی :- گائے کا ذبح کرنا یا اس کے گوشت کا فروخت کرنا قطعاً ممنوع ہے -

ہندو نوازی :- روشنی کا ٹھیکہ دار بہت زمانہ سے ایک شخص شیخ نذیر چلا آرہا تھا - کانگریسیوں نے اس سے ٹھیکہ چھین کر ایک ہندو جگل کشور کو دیدیا حالانکہ مسلمان کا ٹنڈر ساٹھ روپیہ کم کا تھا -

اگرچہ یہ پُرانا کارکردہ آدمی تھا اور بنگل کشور اِس لائن میں بالکل نیا تھا، لیکن ہندو کے مقابلہ میں نہ پُرانی ساکھ کام آئی۔ نہ تجربہ اور نہ ٹھیکہ کی رقم کا کافی کم ہونا۔

ہندؤوں کی تعلیم کا انتظام (۱) لڑکوں کے لئے :۔ میونسپل پرائمری ہندی اسکول ۳ ہندی ٹدل میونسپل اسکول ایک۔ میونسپل ہائی اسکول ۱۔
(۲) لڑکیوں کے لئے :۔ گورنمنٹ گرل اسکول ۱۔

مُسلمانوں کی تعلیم کا انتظام (۱) لڑکوں کے لئے :۔ ایک ابتدائی کلاس جس میں ایک ماسٹر پندرہ روپیہ ماہوار پر مقرر ہے۔
(۲) لڑکیوں کے لئے :۔ کچھ نہیں۔

نرسنگھ پور :۔ (میونسپل کمیٹی)

آبادی :۔ کل ۱۱۰۷۷ ——— مُسلمان ۲۱۷۰ ——— مُسلم تناسب ۱/۵ تقریباً

نیابت :۔ کل ممبران ۱۹ ——— مُسلمان ۳ ——— مُسلم تناسب ۱/۶ سے بھی کم

ملازمین :۔ کل ملازمین ۱۰۹ بھنگی ۵۸ ۔ ماسٹر ۲۵ بقیہ اسٹاف ۲۶ ۔
بھنگیوں کو چھوڑ کر کل ملازمین ۵۱ ۔ مُسلمان ۷ ——— مُسلم تناسب ۱/۷ سے بھی کم

تنخواہ :۔ ماہانہ اوسط ۱۲۰۰ روپیہ ۔ بھنگیوں کی تنخواہ وضع کرنے کے بعد بقیہ اسٹاف کو ساڑھے گیارہ سو روپیہ تنخواہ ملتی ہے اس میں سے مُسلمانوں کو ۱۴۸ روپیہ ماہانہ ملتا ہے ——— مُسلم تناسب ۱/۸ تقریباً

تعلیم :۔ دو پرائمری اسکول ہندی ۔ ایک ٹدل اسکول ہندی ۔ ایک انڈین انگلش ٹدل اسکول ہندی ۔ اُردو کا کوئی اسکول نہیں ہے۔

انگلش مڈل اسکول میں اُردو کا برائے نام انتظام ہے۔ تین کلاسوں کے لئے صرف ایک ماسٹر ہے اور صرف دو گھنٹہ اُردو کے لئے الگ کر دیئے ہیں۔

اُردو کے دو پرائیویٹ اسکول ہیں جن کو مقامی انجمن چلاتی ہے ایک لڑکوں کا (بورن فلاح عام اسکول) ایک لڑکیوں کا (مُسلم اُردو گرل اسکول)۔ لڑکوں کے اسکول میں طلبار کی تعداد ۱۰۵ ہے اسے میونسپل کمیٹی ۳۵۰ روپیہ سالانہ گرانٹ دیتی ہے اور گورنمنٹ پانچسو روپیہ سالانہ دیتی ہے مگر اس کا خرچ ۱۸۰۰ روپیہ سالانہ کے قریب ہے۔ لڑکیوں کے اسکول میں تعداد طالبات ۷۰ ہے اس کا سالانہ خرچ ۹۰۰ روپیہ ہے۔ گورنمنٹ ۲۲۸ روپیہ اور کمیٹی صرف سو روپیہ دیتی ہے۔ یعنی اُردو کی تعلیم پر کمیٹی صرف ساڑھے چار سو روپیہ سال خرچ کرتی ہے۔ برخلاف اس کے ہندی کا ایک مڈل اسکول اور دو پرائمری اسکول اور ایک انگلش مڈل اسکول کا پورا خرچ برداشت کرتی ہے یعنی تقریباً سات ہزار روپیہ سالانہ اس کے علاوہ آدرس کنیا پاٹ شالہ کو ڈیڑھ روپیہ سالانہ گرانٹ دیتی ہے۔ اور مشن پرائمری اسکول کو جس میں بھی ذریعہ تعلیم صرف ہندی ہے ڈیڑھ سو روپیہ سالانہ گرانٹ دیتی ہے۔

وزیر تعلیم کو ۲۸ راپریل ۳۹ء کو درخواست دی گئی کہ یا تو ان مُسلم اسکولوں کے گرانٹ میں گورنمنٹ اضافہ کرے یا اسکولوں کو کم از کم لڑکیوں کے اسکول کو اپنے انتظام میں لے لے مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ واضح رہے کہ یہ درخواست شکلا۔ لیاقت علی معاہدہ کے ڈھائی ماہ بعد دی گئی تھی۔ اِس معاہدہ میں حکومت نے مُسلمانوں کے اسکولوں کی امداد کے سلسلہ میں مزید رعائت کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر کچھ نہ کیا۔

پرارتھنا:۔ ہندی مڈل اسکول کے ٹائم ٹیبل میں ایک وقت "ایشور پرارتھنا" کا

بھی ہے۔ لیکن اس گھنٹہ میں "ایشور پرارتھنا" کی بجائے کانگریسی جھنڈے کی سلامی کا گیت اور دوسرے کانگریسی گیت گائے جاتے ہیں اور مسلمان لڑکوں کو شریک ہونا پڑتا ہے۔
"ایشور پرارتھنا" کے نام پر کانگریس کی قصیدہ خوانی کس قدر صداقت آمیز فعل ہے۔
فراہمی گوشت :۔ چھوٹے جانوروں پر فیس مذبح فی راس ۲/ ہے۔ کرایہ بازار اریوبیہ لائسنس فیس ۵ؔ/ سالانہ ہے۔ سینگ دار جانور پر فیس مذبح فی راس ۵/ ہے۔ اور لائسنس فیس ۵ؔ/ ہے۔ سینگ دار جانور کے لئے کوئی مذبح نہیں بنایا گیا ہے۔ بلکہ شہر سے تین میل دور ایک جگہ مقرر کر دی گئی ہے۔ وہاں جانے کے لئے راستہ بھی ٹھیک نہیں ہے اور نہ صفائی کا انتظام ہے نہ حفظان صحت کا۔ برسات میں بے حد تکلیف ہوتی ہے۔ چھوٹے جانور کا مذبح بھی گندگی سے پڑا اور بہت بری حالت میں ہے۔ مذبح کی فیس سے کمیٹی کو دو سو روپیہ سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے۔ اس پر یہ حال ہے۔ بار بار درخواست دینے کے باوجود کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ مارکیٹ کی حالت بھی بہت بری ہے حالانکہ اس سے بھی تقریباً سو روپیہ سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے۔
فرقہ پرستی :۔ میونسپلٹی کے تحت کنڈیلی میں ہر اتوار کو بازار لگتا ہے۔ اس بازار کے ذریعہ میونسپلٹی کو کافی آمدنی ہوتی ہے۔ مویشی کا بازار لگانے کی صرف اس وجہ سے اجازت نہیں دی جاتی کہ ہندوؤں کو اس پر اعتراض ہے۔ ورنہ اس ذریعہ سے ہزار روپیہ سالانہ آمدنی ہو سکتی ہے۔

ڈسٹرکٹ کونسل نرسنگھ پور

نیابت :۔ کل ممبران ۱۸ ——— مسلمان ۔ ۱ ——— (نامزد شدہ)
ملازمین :۔ ماسٹروں کے علاوہ ۵۴۰ ۔ ملازم ہیں جن میں مسلمان ۴
تنخواہ :۔ تنخواہ ۱۷۰۰ ماہانہ تقسیم ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو ۱۰۴ روپیہ ملتا ہے۔

ماسٹر:- کل ماسٹر ۲۷۱ ہیں جن میں مسلمان ۱۳ ہیں - ماسٹروں کی کل تنخواہ چھ ہزار روپیہ ماہانہ ہے جس میں مسلمان کو ۲۵۰ روپیہ ماہانہ ملتا ہے۔

تعلیم:- کل ۱۱۰ اسکول ہیں - ۹۵ پرائمری لڑکوں کے - ۲ پرائمری لڑکیوں کے - ۱۳ مڈل اسکول - سب ہندی کے ہیں - اردو کا ایک بھی اسکول نہیں۔

لائبریری:- چھ لائبریریاں ہیں - دو مستقل اور چار گشتی - ان پر دو ہزار روپیہ سالانہ خرچ ہوتا ہے - کسی لائبریری میں ایک کتاب یا ایک اخبار اردو کا نہیں ہے - کریلی کی لائبریری میں ایک اردو کتاب (بڑا شہادت نامہ) ہے جو کسی مسلمان صاحب نے بطور تحفہ دے دی تھی - جس عمارت میں دفتر ہے اسی میں ایک لائبریری بھی ہے جو ہیوس میموریل لائبریری کے نام سے موسوم ہے - اس کا انتظام بھی ڈسٹرکٹ کونسل کے تحت ہے - اس لائبریری پر کونسل سو روپیہ سالانہ خرچ کرتی ہے - جس وقت یہ لائبریری قائم ہوئی تھی اس وقت کچھ اردو کتابیں آئی تھیں اس کے بعد سے اب تک اردو کتابیں نہیں خریدی گئیں - کانگریسی اکثریت سے پہلے اردو اخبار بھی آتے تھے لیکن وہ بھی بند کر دیے گئے ہیں۔

مسلمانوں کی تعلیم سے اغماض

۱۹۳۷ء اور ۱۹۳۸ء میں اضعات پچھلی کریلی اور رنکٹی کے مسلمانوں نے درخواست دی کہ یہاں پرائمری اسکول کا انتظام کیا جائے - چالیس لڑکوں کی فہرست بھی بھیجی اور یہ بھی یقین دلایا کہ اسکول کے اخراجات کا بار کچھ مسلمانان قصبہ بھی برداشت کرنے کو تیار ہیں - مگر ڈسٹرکٹ کونسل نے کوئی توجہ نہ کی۔

بندے ماترم ڈسٹرکٹ کونسل نے اپنے تمام اسکول میں بندے ماترم کا گانا لازمی قرار دے دیا۔

گرانٹ:- ڈسٹرکٹ کونسل انسانوں اور جانوروں کے اسپتال کی امداد کے علاوہ پیس میموریل لائبریری کو جس میں ایک بھی اردو اخبار نہیں آتا سو روپیہ سالانہ دیتی ہے اور پانچسو روپیہ سالانہ ہرجن سنگھ اور پانچسو روپیہ آدرس کنیا پاٹ شالہ کو دیتی ہے لیکن کسی مسلم ادارہ کو ایک پیسہ نہیں ملتا۔

دوا خانے:- ڈسٹرکٹ کونسل کے تحت ۳ ڈاکٹری دواخانے ہیں اور ۴ ویدیں کسی حکیم یا یونانی دواخانہ کی کوئی امداد نہیں کی جاتی۔

انسانیت سوز سلوک مسلمانوں کے ساتھ محض اس وجہ سے کہ وہ مسلمان ہیں کیا سلوک کیا جاتا ہے اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہو جائے گا۔ ڈسٹرکٹ کونسل کے ایک ہندی مڈل اسکول واقع پرانی کریلی میں ایک مسلمان ماسٹر کام کر رہے تھے۔ یہ بہت کافی سینیر ٹرینڈ اور ہر طرح اپنے کام میں ماہر و ممتاز تھے۔ ۳۹ء میں انھوں نے اپنی لڑکی کی شادی کے انتظامات کئے۔ تاریخ وغیرہ مقرر ہو گئی۔ اس زمانہ میں پنڈت رام چندر شرما آریہ پرچارک نرسنگھ پور آئے ہوئے تھے اور ان کی تحریک کے زیر اثر تمام کانگریسی لیڈر مسلمانوں کو ستانے کے نئے نئے ذریعے تلاش و اختیار کر رہے تھے۔ نظر التفات ان مسلمان ماسٹر صاحب پر بھی پڑی۔ ان سے خاص ضد اس وجہ سے بھی تھی کہ مسلمان ہونے کے علاوہ یہ پابند صوم وصلوٰۃ بھی تھے چنانچہ عین اس زمانے میں جبکہ شادی کی تاریخ مقرر ہو چکی تھی اور ان کے گھر میں زچگی کے دن قریب تھے۔ ان کا تبادلہ کر دیا گیا۔ اور

تبادلہ بھی ایک ایسی جگہ کیا گیا۔ جہاں (۱) ایک مسلمان کا گھر نہیں ہے (۲) جس جگہ تک موٹر لاری جاسکتی ہے وہ وہاں سے نو میل دور ہے (۳) برسات میں یہ نو میل بھی پیدل چلنا پڑتا ہے کیونکہ بیل گاڑی بھی اس موسم میں وہاں نہیں جاتی۔ (۴) چھوٹی جگہ ہونے کے باعث مکان ملنا اور وہ بھی ایک مسلمان کے لئے بے حد دشوار ہے۔ (۵) سامان اور مناسب ڈاکٹری امداد کی فراہمی بہت دشوار ہے انھوں نے درخواست دی کہ انہیں دو مہینہ اور کریلی میں رہنے دیا جائے تاکہ وہ لڑکی کی شادی اور گھر کی زچگی سے فراغت پا جائیں اور اگر یہ نہیں ہوسکتا تو انہیں چھٹی دی جائے جس کے وہ ہر طرح مستحق ہیں۔ چھٹی کے بعد وہ برہٹا (جہاں اُن کا تبادلہ کیا گیا تھا) چلے جائیں گے مگر ان کی ایک نہ سُنی گئی اور انھیں حکم ہوا کہ وہ فوراً جا کر چارج لیں ورنہ عدول حکمی کے مجرم سمجھے جائیں گے۔ ان کا تبادلہ خاص کر ایسے زمانہ میں کیا گیا تھا کہ بیل گاڑیاں بھی اس مقام تک نہیں جاسکتی تھیں۔ چنانچہ غریب کو اپنی لڑکی کی شادی کی تاریخ ملتوی کرنی پڑی۔ اور برسات کے موسم میں پردہ نشین جوان لڑکی اور حاملہ اور بیمار بیوی کو کیچڑ سے آلودہ نو میل کا راستہ پیدل چل کر آنا پڑا۔ ڈسٹرکٹ کونسل کے عہدے داروں نے اس طرح ایک پابند مذہب مسلمان کو پریشان کرکے اور شریف اور پردہ نشین خواتین کو کیچڑ میں نو میل پیدل چلا کر اپنے جذبہ مسلم دشمنی کو تسکین دی۔ یہاں پہنچکر غریب کی بیوی سخت بیمار ہوگئی اور مرتے مرتے بچی۔

دیگر واقعات

کواپریٹو بینک یا مندر سنٹرل کواپریٹو بینک نرسنگھ پور کی عمارت میں لینڈ مارگیج بینک کا دفتر بھی ہے اس عمارت میں گنیش کا ایک بت رکھا گیا ہے اور اسی عمارت کے کمپاؤنڈ میں ہنومان اکھاڑہ قائم کیا گیا اور ہنومان ویام شالہ بھی ہے جہاں ہنومان

کی مورتی رکھی ہوئی ہے اور مندر بنانے کا آغاز ہو چکا ہے۔ ہر قرض لینے والے اور رقم جمع کرنے والے سے کٹوتی مندر کے نام سے لی جاتی ہے۔

بروسٹل انسٹی ٹیوٹ میں اردو ندارد | بروسٹل انسٹی ٹیوٹ میں ہندی کی تعلیم کا انتظام ہے مگر اردو کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں حالانکہ چالیس سے پچاس مسلمان لڑکوں کی تعداد ہر زمانہ میں رہتی ہے۔

ہندوؤں کی تعلیم کا انتظام :-

(۱) لڑکوں کے لیے :- دو ہندی میونسپل پرائمری اسکول۔ ایک ہندی میونسپل مڈل اسکول۔ ایک میونسپل انگلش مڈل اسکول (دیسی زبان ہندی) ایک گورنمنٹ ہائی اسکول (دیسی زبان ہندی)

(۲) لڑکیوں کے لئے :- مشن پرائمری اسکول (میونسپل گرانٹ ڈیڑھ سو سالانہ) آدرش کنیا پاٹ شالہ (میونسپل گرانٹ ۵۰ روپیہ ڈسٹرکٹ کونسل ۵۰ روپیہ سالانہ) گورنمنٹ ہندی انگلش مڈل اسکول۔

مسلمانوں کی تعلیم کا انتظام :-

(۱) لڑکوں کے لئے :- انجمن کا اسکول موسوم بہ "پورن فلاح عام پرائمری اسکول" (اخراجات سترہ سو روپیہ سالانہ۔ گرانٹ گورنمنٹ پانچسو روپیہ سالانہ۔ میونسپل کمیٹی تین سو روپیہ سالانہ) انگلش مڈل اسکول میں اردو کے لئے تین کلاس ہیں ایک ماسٹر اور دو گھنٹہ گورنمنٹ ہائی اسکول میں برائے نام۔

(۲) لڑکیوں کے لئے :- انجمن کا مسلم گرلز پرائمری اسکول۔ (اخراجات نو سو روپیہ سالانہ۔ گرانٹ گورنمنٹ ۲۲۸۔ میونسپل کمیٹی ۱۰۰ روپیہ سالانہ)

چھندواڑہ میونسپل کمیٹی:-

کل آبادی:- ۲۴۰۰۰:- مسلم- ۶۰۰۰- مسلم تناسب ¼ -
نیابت:- کل ممبران ۲۲- مسلمان- ۵- مسلم تناسب ¼ سے کم
ملازمین:- کل ملازمین ۲۶۶ (بھنگی ۱۵۱- ماسٹر ۳۴- بقیہ اسٹاف ۸۱- ان میں سے مسلمان ماسٹر ۶ بقیہ اسٹاف میں ۲۴ کل مسلم ملازمین ۲۸ ہیں یعنی ملازمین مسلم تناسب- ⅑ سے کم-

تنخواہ:- ماہانہ تنخواہ اوسطاً پانچ ہزار دو پچیس روپیہ ہے جس میں سے بھنگیوں کی تنخواہ چودہ سو اڑسٹھ ۱۴۶۸ روپیہ وضع کرنے کے بعد کل اسٹاف کی تنخواہ تین ہزار سات سو ستاون روپیہ- مسلمانوں کی تنخواہ ۵۰۸ روپیہ مسلم تناسب ½ سے کم-

تعلیم:- سات پرائمری اسکول ہیں جنہیں ایک لڑکیوں کا ہے اُردو پرائمری اسکول صرف ایک ہے- ایک ہندی مڈل اسکول ہے- اور ایک ہندی ذریعہ تعلیم کا ہائی اسکول ہے- مڈل اور ہائی اسکول میں اردو کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں- کل ۴۳ مدرس ہیں جس میں ۶ مسلمان ہیں- وہ بھی اسوجہ سے کہ اردو پرائمری اسکول میں پانچ ماسٹر مسلمان ہیں- ایک گورنمنٹ ہائی اسکول بھی ہے جمیں سنسکرت اور ہندی کے لئے خاص ماسٹر ہے- مگر اردو فارسی کے لئے نہیں حالانکہ بیس لڑکے مسلمان ہیں جو اُردو فارسی کی تعلیم سے محروم ہیں-

امداد:- میونسپل کمیٹی حسب ذیل اداروں کو امداد دیتی ہے:-

جگناتھ اسکول ۳۰۰ روپیہ سالانہ ——— بی- این- آر- اسکول ۱۵۰ روپیہ سالانہ
مشن اسکول ۲۵۰ روپیہ سالانہ ——— مہاراشٹر منڈل ۳۰ روپیہ سالانہ
ہندی ساہتیہ ۳۰ روپیہ سالانہ ——— اُردو گرل اسکول ۱۵۰ روپیہ سالانہ

اعداد شمار مندرجہ بالا سے ظاہر ہوگا کہ میونسپل کمیٹی ساڑھے تیرہ ہزار سالانہ تعلیم پر خود

خرچ کرتی ہے جس میں سے صرف ڈیڑھ ہزار روپیہ سالانہ اردو کی تعلیم پر خرچ ہے اور تعلیمی ادارات کو ایک ہزار روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے جس میں سے صرف ۵۰۰ روپیہ مسلم ادارے یعنی اُردو گرل اسکول کو ملتا ہے۔

لائبریری:۔ میونسپل کمیٹی لائبریری کو دو سو روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے جس میں اردو کتب اور اردو اخبارات ناپید ہیں۔

فراہمی گوشت:۔ سینگ دار جانوروں پر محصول فی راس ۶؍ ہے۔ سالانہ لائسنس چھ روپیہ ہے اور دوکان کا کرایہ ۴؍ اور ۲؍ روپیہ لیا جاتا ہے۔ مذبح اور گوشت کی دوکانوں کی قلعی اور مرمت کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔

چھندواڑہ ڈسٹرکٹ کونسل:۔

نیابت:۔ کل ممبران ۱۸ (منتخب شدہ ۱۲ باہمی انتخاب سے ۳ نامزد کردہ ۳) مسلم ممبر ۲ (منتخب شدہ ندارد باہمی انتخاب سے ۱ نامزد کردہ ۱)۔

تعلیم:۔ کل ۱۱۶ اسکول ہیں۔ ۱۰۹ پرائمری اور سات مڈل (ہندی) پرائمری اسکولوں میں ۱۰۳ لڑکوں کے ہیں اور ۶ لڑکیوں کے۔ ان ۱۰۶ اسکولوں میں صرف ایک پرائمری اسکول اردو کا ہے اُس میں بھی چار کلاسوں کے لیئے صرف ایک ماسٹر ہے۔

کل ماسٹروں کی تعداد ۲۴۰ ہے جس میں ۴۲ ماسٹر مسلمان ہیں۔

ماسٹروں کی کل تنخواہ ۴۰۵۰ روپیہ ماہانہ ہے جس میں ۴۷۵ روپیہ ماہانہ مسلم ماسٹروں کو ملتا ہے۔

ملازمین:۔ کل ۴۶ ملازمین ہیں (ماسٹروں کے علاوہ) اس میں مسلمان چھ ہیں۔

تنخواہ:۔ اسٹاف کو ماہانہ تنخواہ ۱۰۵۰ ملتی ہے جس میں سے ۱۶۶ ماہانہ مسلم ملازمین کو ملتا ہے۔

دیسی دواخانہ:۔ تین ویدک دواخانے ہیں۔ ۲ ایلوپیتھک۔ یونانی ایک بھی نہیں۔

گشتی کتب خانہ:۔ ۵ گشتی کتب خانے ہیں چار خالص ہندی کے اور ایک میں ہندی کے ساتھ چند کتابیں اُردو کی ہیں۔

چھندواڑہ مائننگ بورڈ۔

نیابت:۔ مائنگ بورڈ نیم سرکاری ادارہ ہے۔ کل ممبران ۱۳ ہیں (منتخب شدہ ۴۔ نامزد کردہ ۹) ان تیرہ ممبروں میں ایک بھی مسلمان نہیں۔

تعلیم:۔ مائننگ بورڈ کی طرف سے ۱۵ اسکول ہیں۔ ۱۳ پرائمری (لڑکوں کے ۱۱۔ لڑکیوں کے ۲) ایک انگریزی ہندی مڈل اسکول۔ ایک ہندی مڈل اسکول۔ اردو کا ایک بھی اسکول نہیں نہ کسی اسکول میں اردو کا انتظام ہے۔

ملازمین:۔ ملازمین کی کل تعداد ۶۷ ہے جس میں مسلمان ۴ ہیں۔

تنخواہ:۔ ماہانہ اوسط تنخواہ ملازمین کی ۲۶۷۷ روپیہ ہے جس میں مسلم ملازمین کو ۱۴ روپیہ ماہانہ ملتا ہے۔

امرواڑہ (ضلع چھندواڑہ)

پنچایت بورڈ:۔

آبادی:۔ کل ۲۰۰۰۔ مسلم ۲۰۰۔

یہ ایک چھوٹی بستی ہے جہاں ویلیج پنچایت بورڈ ہے۔

نیابت:۔ کل ممبران ۱۱۔ مسلم ایک۔

تعلیم:۔ ہندی اسکول ڈسٹرکٹ کونسل کی طرف سے ہے۔ مسلمانوں نے کوشش کرکے اکتوبر ۱۹۳۹ء میں ایک اُردو مدرسہ قائم کیا۔ فنڈ کی قلت کے سبب صرف ایک ماسٹر رکھا گیا۔ اگرچہ لڑکوں کی تعداد ۶۰ کے قریب ہے۔ یہ ماسٹر بھی ہندو ہیں۔ ڈسٹرکٹ کونسل کو درخواستیں دی گئیں

اس اسکول کی امداد دینے یا اپنے انتظام میں لے لینے کے متعلق دی گئیں مگر کوئی جواب نہیں ملا۔

ملازمین:۔ پنچایت بورڈ میں سات ملازم ہیں جس میں ۵۱ روپیہ ماہانہ تنخواہ ملتی ہے سب غیر مسلم ہیں۔

فراہمی گوشت:۔ یہاں گائے ذبح نہیں ہوتی اور صرف بازار کے دن جو ہر بدھ کو ہوتا ہے چھوٹے جانور کا گوشت ملتا ہے۔

سونسر (ضلع چھندواڑہ) میونسپل کمیٹی:۔

آبادی:۔ کل ۵۹۱۹ ــــ مسلم ــــ ۴۴۵ ــــ مسلم تناسب $\frac{1}{13}$ سے زائد۔

نیابت:۔ کل ممبران ۱۲ (منتخب ۸ ۔ باہمی انتخاب ۲ ۔ نامزد ۲) مسلم ندارد مسلم تناسب $\frac{0}{12}$ [ایک مسلمان آخر ۱۹۳۹ء کے انتخابات میں کانگریس ٹکٹ پر کھڑا ہوا تھا۔ مگر اس پر بھی ووٹ نہ ملے اور ہار گیا۔]

تعلیم:۔ میونسپل کمیٹی کے تحت دو اسکول ہیں ایک پرائمری جس میں ۳۲۵ لڑکے اور ۱۲ لڑکیاں زیر تعلیم ہیں۔ دوسرا مڈل جس میں ۱۰۰ لڑکے اور تیرہ لڑکیاں پڑھتی ہیں دونوں اسکول ہندی کے ہیں۔ اردو کا کوئی انتظام نہیں۔ میونسپل کمیٹی تعلیم پر ساڑھے چار ہزار روپیہ سالانہ خرچ کرتی ہے۔ اردو پر ایک پیسہ نہیں۔

ملازمین:۔ کل ملازمین ۳۶ ۔ مسلمان ۲ ــــ مسلم تناسب $\frac{1}{18}$ ۔

تنخواہ:۔ کل ماہانہ اوسط تنخواہ ۶۰۰ روپیہ ماہانہ ۔

مسلم ملازمین کی تنخواہ ۳۲ روپیہ ماہانہ مسلم تناسب $\frac{1}{19}$ کے قریب۔

فراہمی گوشت:۔ گائے ذبح کرنا ممنوع ہے۔ چھوٹے جانور میدان میں ذبح ہوتے ہیں اور میدان ہی میں فروخت ہوتے ہیں۔ نہ مذبح ہے نہ دوکان حالانکہ میونسپل کمیٹی فیس اور لائسنس لیتی ہے۔

پانڈھرنا (ضلع چھندواڑہ) میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۱۱۵۷۰ ـــــ مسلم ـــ ۱۱۲۹ ـــــ مسلم تناسب ⅒ -
نیابت :- کل ممبران ۱۷ (منتخب ۱۲ - باہمی انتخاب ۲ - نامزد ۲ - عہدیدار ۱)
مسلم ممبر منتخب شدہ ۲ ـــــــــ مسلم تناسب ⅙ سے کم -
تعلیم :- مرہٹی پرائمری اسکول ۳ - اردو اسکول ایک - مڈل مرہٹی اسکول ایک -
اردو اسکول :- یہاں کے اردو میونسپل پرائمری اسکول کی تاریخ دردناک ہے ۳۱-۱۹۳۰ء میں اس اسکول میں ۱۲۵ طلباء تھے اور پانچ ماسٹر جنمیں ۳ ٹرینڈ اور دو ان ٹرینڈ تھے اور انہیں اٹھارہ روپیہ سے چھبیس روپیہ ماہانہ تنخواہ دی جاتی تھی - لیکن جیسے جیسے کانگریسی حضرات کا غلبہ زیادہ ہوتا گیا حالات بدلتے گئے ۳۴-۱۹۳۳ء میں صرف ۲ ماسٹر رہنے دیئے گئے - اور ۱۹۳۹ء میں بھی صرف دو ان ٹرینڈ ماسٹر اس اسکول کے لئے رکھ چھوڑے گئے ہیں - دونوں کو ملاکر صرف ستائیس روپیہ ماہانہ تنخواہ دی جاتی ہے - اور اگرچہ نام اُردو اسکول ہے مگر اردو مضمون کے سوا تمام مضامین مرہٹی میں پڑھائے جاتے ہیں -
سرسوتی کی پوجا :- یہاں کے میونسپل اسکولوں میں تعلیم شروع ہونے سے پہلے سرسوتی کی پوجا ہوتی ہے - ۱۹۳۸ء میں مسلمان بچوں کو بھی اس پوجا میں شریک ہونے پر مجبور کیا جاتا تھا اور مسلمان بچوں کو حکم تھا کہ "اسلام علیکم" نہ کہا کریں بلکہ "نمسکار" یا "رام جی کی جے" بولا کریں - اس سلسلہ میں جناب مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند نے اکتوبر ۱۹۳۸ء میں گاندھی جی کو ایک خط لکھا تھا - گاندھی جی نے تو جواب نہیں دیا - مگر کئی ماہ بعد مولانا ابوالکلام آزاد نے مسلم شکایات کا جواب دیتے ہوئے یہ لکھا کہ "انہیں اطلاع ملی ہے کہ اس نام کا (یعنے پانڈھرنا) کوئی قصبہ ہی نہیں ہے - جب مولانا کو قصبہ کے وجود کا ثبوت دیا گیا تو مولانا خاموش ہوگئے - لیکن اسکے بھی کئی ماہ بعد مسٹر شکلا وزیراعظم سی - پی

وہاں نے پیرپور رپورٹ کا جواب دیتے ہوئے ایک سرکاری اعلان میں یہ کہا کہ "سرسوتی کی پوجا میں شرکت کے لیے مسلم بچوں کو مجبور نہیں کیا جاتا۔ نمسکار اور رام جی کی جے کے متعلق ابھی تحقیقات ہو رہی ہے" اس تحقیقات کے نتیجے سے پھر کبھی مطلع نہیں کیا گیا۔ مسلم شکایات کے ساتھ کانگریسی حلقہ اثر میں کس طرح کا سلوک ہوتا ہے اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ پہلے تو ایک ایسے قصبہ کے وجود ہی سے انکار کر دیا گیا جس کی آبادی گیارہ ہزار سے اوپر ہے اور میونسپل کمیٹی کے علاوہ ریلوے اسٹیشن بھی ہے۔ کانگریسی حضرات اور مولانا آزاد نے دہلی سے وردھا کا سفر کرتے ہوئے اسے ضرور خود دیکھا ہوگا۔ مہینوں تو اس طرح ٹالا گیا۔ جب قصبہ کے وجود کا یقین دلایا گیا تو مولانا آزاد نے مزید جواب کی ضرورت نہ سمجھی۔ البتہ کانگریسی وزیر اعظم نے "تحقیقات ہو رہی ہے" کی آڑ میں پناہ لی اور سال بھر تک یہ زیادتی جاری رہی۔ وزیر اعظم نے پھر یہ نہ بتایا کہ نتیجہ کیا نکلا اور جن لوگوں نے یہ زیادتی کی اُنکے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ بتاتے کیوں یہ چیز تو اُنکی مرضی کے مطابق تھی۔ بہرحال کانگریسی دور ختم ہونے کے ساتھ ساتھ یہ زیادتی بھی ختم ہو گئی۔

ملازمین:۔ کل ملازمین کی تعداد ۵۴ ہے (بھنگی ۲۳ - ماسٹر ۱۹ - اسٹاف ۱۲)
اس میں مسلمان ۶ ہیں (ماسٹر ۴ - اسٹاف ۲) مسلم تناسب —— $\frac{1}{9}$ -

تنخواہ:۔ کل اوسط تنخواہ ماہانہ ۸۵۴ روپیہ ہے جس میں سے مسلم ملازمین کو ۱۰۸ روپیہ ماہانہ ملتا ہے —— مسلم تناسب — $\frac{1}{8}$ -

کل ماسٹروں کو ۵۱۴ روپیہ ماہانہ تنخواہ دی جاتی ہے جس میں صرف ۲۷ روپیہ ماہانہ اُردو اسکول کے ماسٹروں کی تنخواہ ہے۔

فراہمی گوشت:۔ مذبح کی فیس چھوٹے جانور پر ۴ ہر فی راس اور سینگ دار جانور پر ۸ ہر فی راس ہے۔ مگر مذبح کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ لائسنس فیس پانچ روپیہ سالانہ ہے مگر گوشت بیچنے کے لئے کوئی انتظام نہیں ہے۔

سیونی (ضلع چھندواڑہ) میونسپل کمیٹی

آبادی :- کل آبادی ۱۶ ہزار — مسلم ۴۰۰۰ ہزار — مسلم تناسب — ۱/۴

نیابت :- کل ممبر ۱۹ (منتخب ۱۲ - باہمی انتخاب سے ۳ - نامزد ۳ عہدیدار - ۱)
مسلمان ۳ ———— مسلم تناسب ۱/۴ سے کم -

تعلیم :- پرائمری اسکول ۵ ہیں - جس میں اردو کا ہے دو مڈل اسکول ایک لڑکوں کا ایک لڑکیوں کا - لڑکوں کے مڈل اسکول میں تقریباً ۸۰ اردو پڑھنے والے لڑکے ہیں مگر اُردو تعلیم کا انتظام برائے نام ہے - کل ماسٹر ۵۶ ہیں جس میں ۱۴ مسلمان ماسٹر ہیں - ان میں گیارہ اردو پرائمری اسکول میں -

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۷۴۲ ہے جس میں مسلمان ۳۴ ہیں مسلم تناسب ۱/۱۵ سے کم -

تنخواہ :- اوسط ماہانہ تنخواہ چار ہزار روپیہ تقسیم ہوتی ہے - جس میں سے مسلم ملازمین کو آٹھ سو ساٹھ ۸۶۰ روپیہ ملتا ہے - مسلم تناسب ۱/۵ -

امداد :- میونسپل کمیٹی مشن پرائمری اسکول کو ۶۰۰ روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے مگر اُردو گرل اسکول کو جسے انجمن خادم الاسلام چلا رہی صرف دوسو روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے - اسکے علاوہ ایورویدک مہاودیالہ کو بھی دوسو روپیہ سالانہ امداد کمیٹی دیتی ہے - اردو گرل اسکول کے سالانہ اخراجات ہزار روپیہ مہینہ کے قریب ہیں جس میں سے کمیٹی دوسو روپیہ سالانہ اور حکومت تین سو روپیہ سالانہ دیتی ہے -

سیونی ڈسٹرکٹ کونسل

نیابت :- کل ممبران ۱۹ ———— مسلم ———— ۲

تعلیم :- کل ۱۰۲ اسکول ہیں - پرائمری ہندی اسکول ۸۹ - ہندی گرل اسکول،

اُردو پرائمری اسکول ۲ - مڈل ہندی اسکول ۴ -

سیونی کا علاقہ صوبہ متوسط میں ایسا علاقہ ہے جہاں دیہاتوں میں مسلم آبادی اور علاقوں سے نسبتاً بہت زاید ہے۔ لیکن ایسے علاقہ میں بھی اردو کے صرف ۲ پرائمری اسکول ہیں۔ ڈسٹرکٹ کونسل تعلیم پر تقریباً پون لاکھ روپیہ سالانہ صرف کرتی ہے جس میں سے اُردو کا حصّہ صرف دو پرائمری اسکول ہیں۔ ڈسٹرکٹ کونسل کے کانگریسی صدر مسٹر جٹبار کا یہ قول ہے کہ اس علاقہ میں اردو   بیخ و بُن سے اکھاڑ کر رہیں گے۔ کانگریسی دور سے پہلے اردو اسکولوں کی تعداد خاصی تھی۔ اسکے علاوہ ڈسٹرکٹ کونسل ڈیڑھ ہزار روپیہ سالانہ لائبریریوں پر خرچ کرتی ہے جو سب کا سب ہندی کے لئے وقف ہے۔ دو گشتی اور دو مستقل لائبریریاں ہندی کی ہیں۔ اردو کی ایک بھی نہیں۔

ملازمین:۔ کل ملازمین ۲۷۲ (ماسٹر ۲۵۷ - اسٹاف ۱۵) مسلم ملازمین ۲۶ (ماسٹر ۲۴ - اسٹاف ۲) -

تنخواہ:۔ کل تنخواہ اوسط ماہانہ ۵۵۷۶ روپیہ (ماسٹر ۵۱۹۶ روپیہ - اسٹاف ۳۸۰) مسلم ملازمین ۸۲۶ روپیہ - (ماسٹر ۷۲۸ - اسٹاف ۹۸)

کھنڈوہ میونسپل کمیٹی

آبادی:۔ کل ۳۴۶۲۲ — مسلم ۹۵۷۲ - مسلم تناسب ——— ۱/۳ سے کم۔

نمایندگی:۔ کل ممبران ۲۷ - مسلم ممبران ۶ - مسلم تناسب ——— ۱/۴ سے کم۔

تعلیم:۔ کل اسکول ۱۶ - پرائمری لڑکوں کا ۱۳ - لڑکیوں کا ۲ - مڈل اسکول ایک - اُردو پرائمری اسکول لڑکوں کے چار - لڑکیوں کا ایک - کمیٹی سالانہ ساٹھ ہزار روپیہ تعلیم پر خرچ کرتی ہے جس میں سے ساڑھے بارہ سو روپیہ اُردو پر خرچ ہوتا ہے۔

ملازمین:۔ کُل ملازمین کی تعداد ۴۵۰ ہے جس میں مسلمانوں کی تعداد ۱۰۳ ہے۔ یہاں میونسپل کمیٹی میں مسلم ملازمین کی تعداد مناسب تھی مگر جب سے کانگریس کا غلبہ ہوا ہے مسلمان

ملازمین کو تنگ کرنے اور انکی تعداد کم کرنے کے جتن شروع ہوگئے۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل واقعات رُونما ہوئے ہیں:۔

(۱) جعفر خاں نامی ماسٹر کو دو سال کی توسیع سابق کمیٹی نے دی تھی مگر کانگریسی اکثریت کی نئی کمیٹی نے اسے منسوخ کر دیا اور انھیں ریٹائر ہونا پڑا۔

(۲) جمن خاں ملازم کمیٹی کو معمولی باتوں کا بہانہ بنا کر برطرف کیا گیا مگر ڈپٹی کمشنر نے اپیل پر دوبارہ بحال کر دیا۔

(۳) مرزا یٰسین بیگ نا کہ محرر کی ملازمت عمر کی بنا پر ختم کر دی گئی۔ اگرچہ اُنھوں نے ثبوت پیش کیا کہ انکی عمر ابھی پچپن ۵۵ سال کی نہیں ہوئی ہے۔

(۴) بھٹکے ہوئے جانوروں کو پکڑنے کے لئے چار ملازم مسلمان تھے۔ چاروں کو تخفیف کے نام پر برطرف کر دیا گیا اور یہ جگہ توڑ دی گئی۔ تین مہینہ کے بعد پھر اس جگہ پر تقرر کیا گیا۔ لیکن تین ہندوؤں کا اور صرف ایک مسلمان کا۔

(۵) ایک مسلمان چپراسی کی ملازمت ختم کر دی گئی۔

(۶) روئی بازار میں فصل کے موقع پر عارضی تقرر پہلے نصف ہندو نصف مسلمان کا ہوا کرتے تھے تقریباً چھ آدمی مقرر کئے جاتے تھے۔ اس مرتبہ نئی کمیٹی نے چار ہندو اور ایک مسلمان کا تقرر کیا۔ ان مسلم امیدواروں پر جو دو سال کا تجربہ رکھتے تھے اور زیادہ قابلیت کے مالک تھے نئے ہندوؤں کو جو کم قابلیت رکھتے تھے اور پہلے کا تجربہ نہ تھا ترجیح دی گئی۔

(۷) سکندر خاں نامی ایک شخص کو لیبر سپروائزر مقرر کیا گیا۔ بعد میں انہیں سابق امیدوار ہونے کے سبب گرنیزر کی جگہ خالی ہونے پر مستقل کر دیا گیا اور لیبر سپروائزر کی جگہ ایک ہندو مقرر کیا گیا۔ اگرچہ تقرری اس طرح نامزد ہوئی مگر کام بدستور سابق دونوں کرتے رہے یعنی لیبر سپروائزر کا کام مسلمان کرتا رہا اور گرنیزر کا کام ہندو کمیٹی نے یہ سمجھتے ہوئے کہ لیبر سپروائزر مسلمان ہے یہ جگہ تخفیف کے نام پر اڑا دی۔ مگر جب معلوم ہوا کہ اگرچہ کام مسلمان

کر رہا ہے جگہ ہندو کی ہے تو اس تجویز پر عمل نہیں کیا گیا کیونکہ ہندو کو برطرف ہونا پڑتا۔

فرقہ پرستی اور اوچھاپن :- کانگریسی اکثریت کے دور میں کھنڈوہ کے ایک ہندو کاروباری چھجو لال بھی کانگریس ٹکٹ پر میونسپل کمیٹی کے ممبر منتخب ہوگئے۔ یہ موٹر اور موٹر کے سامان کے تاجر ہیں۔ انکے حریف تجارت میں ایک مسلمان مسٹر عبادت علی ہیں۔ میونسپل کی ممبری کا ناجائز استعمال اپنے مسلمان مقابل کو نقصان پہونچانے کے لئے ہونے لگا۔ پہلے تو عبادت علی پر ٹرمنل ٹیکس نہ دینے کا الزام لگایا گیا۔ حالانکہ ڈرائیور نے رقم ادا کر دی تھی اور بقیہ رقم نوٹس ملنے پر ادا کی جاچکی تھی۔ پھر بمبئی سے جو موٹریں آئی ہوں ان پر ڈیوٹی دینے کے لئے فہمائش کی گئی۔ لطف یہ ہے کہ عبادت علی صاحب کے علاوہ دوسرے ہندو تاجروں نے اور خود مسٹر چھجو لال نے موٹریں بمبئی سے منگوائی تھیں مگر ان لوگوں کو ایسی فہمائش نہیں کی گئی۔

بدھوارہ بازار کے ایک مسلمان ہوٹل والے کو ہندو ہمسایوں کی شکایت پر بری طرح تنگ کیا گیا پہلے تو نزول کی جو جگہ اسکے پاس تھی اس کا پٹہ منسوخ کرنے کی کوشش کی گئی۔ مگر کمشنر صاحب نے آکر خود جگہ کو دیکھا اور منسوخی کے احکام مسترد کر دئے۔ شکایت کرنے والوں میں کانگریسی ممبر کمیٹی بھی تھے۔ جب یہ چال کامیاب نہ ہوئی تو ہوٹل کا لائسنس دینے سے انکار کیا گیا اور لائسنس دینے کے لئے ایسی شرطیں پیش کی گئیں جو ناقابل عمل ہیں۔ یہ شرطیں کسی دوسرے ہوٹل والے کے ساتھ نہیں لگائی گئیں۔ خود میونسپل مارکٹ میں ہوٹل کی دو دکانیں ان شرائط کی پابند نہیں۔

غریبوں کی خانہ بربادی :- محلہ کمہارواڑی میں تقریباً سو سال سے ۰۰ ۱ کے قریب کمہار رہتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ یہ برتنوں کا آوا نہیں لگایا کرتے ہیں۔ بعد تحقیقات کے سنہ ۱۹۰۹ء میں یہ بات طے پاگئی کہ آٹھ یا نو آوے لگانے کی اجازت ہے اس سے کوئی حرج نہیں مگر تعداد اس سے زیادہ نہ بڑھنی چاہیئے۔ کچھ دنوں سے مسٹر چھجو لال

نے اسی محلہ میں مکان بنوالیا اور رہنے لگے ہیں۔ انہوں نے اپنے آرام کی خاطر کمہاروں کی شکایت شروع کی کہ آوا یہاں نہ لگانے دیا جائے۔ سابق میونسپل کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ مسٹر چھجو لال کی شکایت بیجا ہے اور کمہاروں کو لائسنس حسب دستور دیدیا۔ نئی کمیٹی کانگریسی اکثریت کی آئی اور مسٹر چھجو لال بھی ایک ممبر ہوئے۔ پھر کیا تھا۔ سنہ ۱۹۳۹-۴۰ء کے لئے کمہاروں کو آوے لگانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا گیا۔ ایک ہندو کانگریسی رئیس کی آسائش پسندی کے لئے دو سو غریبوں کو انکی واحد اور سو سالہ قدیم ذریعہ آمدنی سے قطعاً محروم کر دیا گیا۔ یہ عوام کی نمائندگی اور غریبوں کی ترجمانی کے جھوٹے دعویداروں کی ذہنیت کی نمایاں مثال ہے۔

فراہمی گوشت:۔ اگرچہ مذبح اور گوشت مارکٹ سے میونسپل کمیٹی کو ڈیڑھ ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے مگر مذبح اور مارکٹ کی حالت بہت خراب ہے۔ صفائی اور حفظان صحت کا کوئی انتظام نہیں نہ مرمت و قلعی کا۔ ماسوا اسکے مذبح سے گوشت مارکٹ تک لانے کے لئے راستے مقرر ہیں۔ دوسرے راستوں سے گوشت لیجانا ممنوع ہے۔

لائبریری:۔ میونسپل کمیٹی پونے چھ سو روپیہ سالانہ پبلک لائبریری کو گرانٹ دیتی ہے۔ اس میں اردو کتب اور اخبارات برائے نام ہیں۔

برہان پور۔ میونسپل کمیٹی:۔

آبادی:۔ کل ۴۴۰۰۰ ــ مسلم ۱۸۰۰۰ ــ مسلم تناسب ــ ½ سے کم

نیابت:۔ کل ممبر ۲۶ ــ مسلم ممبر ۱۱۔

تعلیم:۔ کل پرائمری اسکول ۴۲ (لڑکوں کے مرہٹی ۷۔ گجراتی ۳۔ ہندی ۴۔ اردو ۹) (لڑکیوں کے مرہٹی ۱۔ گجراتی ۱۔ ہندی ۱۔ اردو ۱)۔

ایک ہائی اسکول ہے جس میں مڈل تک اردو پڑھائی جاتی ہے۔ ایک ماسٹر اردو فارسی

کے لیے ہے۔ کمیٹی تقریباً تراسی ہزار روپیہ سالانہ تعلیم پر خرچ کرتی ہے جس میں سے صرف دس ہزار یعنی آٹھویں حصہ سے بھی کم اردو کی تعلیم پر خرچ ہوتا ہے۔ حالانکہ مسلم آبادی ایک تہائی سے زاید ہے۔

ملازمین:۔ کل پانچسو دس ملازم ہیں (ماسٹر ۱۲۷۔ بھنگی ۲۲۰۔ اسٹاف ۱۶۳) اس میں سے مسلم ملازمین کی تعداد ۹۰ ہے (ماسٹر ۳۵۔ بقیہ ۶۳) مسلم تناسب ۱/۵ سے کم۔

تنخواہ:۔ ماہانہ اوسط تنخواہ گیارہ ہزار روپیہ تقسیم ہوتی ہے۔ مسلم ملازمین کو پندرہ سو ماہانہ ملتا ہے ———— مسلم تناسب ۱/۷۔

فراہمی گوشت:۔ مذبح اور گوشت کی دوکانوں اور لائسنس سے کمیٹی کو تقریباً سولہ سو روپیہ سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے لیکن چھوٹے گوشت کا مارکٹ بہت تنگ اور مرطوب ہے اور بڑے کا پُرانی عمارت میں ہے جسکے چبوترے بہت ہی مرمت طلب ہیں۔ کئی بار درخواست دی گئی مگر کوئی توجہ نہ ہوئی۔ قلعی سالانہ نہیں کی جاتی ہے۔

ہندو ذہنیت:۔ کانگریسی اکثریت نے اپنی ہندو ذہنیت اور اختیارات کے ناجائز استعمال کا جو مظاہرہ کیا ہے اُسکی چند مثالیں درج ذیل ہیں:۔

(۱) گنپت نامی ایک ریٹائرڈ کانسٹبل کمیٹی کے بھنگیوں کو بھاری سود پر رقم قرض دیا کرتا ہے۔ سکریٹری میونسپل کمیٹی اس کانسٹبل کے دلال کا کام کرتے ہیں۔ انکے حکم سے اس کانسٹبل کی واجب الادا رقم بھنگیوں کی تنخواہ میں سے تنخواہ کی ادائیگی کے پہلے کاٹ لی جاتی ہے اور کانسٹبل کو دیدی جاتی ہے۔ میونسپل کمیٹی کا اسٹاف کانسٹبل کے ساہوکاری کے سلسلہ میں وصولی کا کام مفت کرتا ہے۔

(۲) روئی کی فصل میں چار عارضی تقرر ہوا کرتے تھے۔ دو ہندو اور دو مسلمان لیکن ۱۹۳۹ء میں کانگریسی اکثریت نے تین تقرر کئے اور تینوں جگہیں ہندوؤں کو دی گئیں۔

(۳) میونسپل ملازم ماسٹر رام دت گیانی کو حیدرآباد ستیہ گرہ میں حصہ لینے کے لئے رخصت

دی گئی۔

(۴) لوہارمنڈی کی قدیم مسجد کی تعمیر کے لئے اجازت طلب کی گئی۔ سکریٹری نے رپورٹ دی کہ ایک پرانی مسجد ہے۔ معاہدہ کے مطابق پرانی مسجدوں کے سامنے باجا نہیں بجایا جاسکتا اس لئے میونسپل کمیٹی نے سکریٹری کی رپورٹ کے باوجود حکم صادر کیا کہ درخواست نامنظور لیکن اسی جگہ نئی مسجد بنانے کی اجازت دی جاتی ہے مصلحت یہ تھی کہ نئی مسجدوں کے سامنے باجہ بجایا جاسکتا ہے۔

(۵) مارچ ۱۹۲۹ء میں باہمی انتخاب کی چار نشستوں میں سے ایک کے لئے مسٹر محمد اصغر وکیل بریا پنور بھی امیدوار تھے۔ انہیں پہلے نمبر کے چار ووٹ ملے لیکن کانگریسی چیرمین نے ایک ووٹ مسترد کر دیا اس لئے کہ اُسپر پنسل کی دوہری لکیر ہندسے پر تھی۔ ووٹ دینے والا لکھنے پڑھنے سے نابلد تھا اور مشکل سے ہندی ہندسے لکھ سکتا تھا۔ لیکن ایک کانگریسی ممبر کا ووٹ کا پرچہ جس پر پان کے داغ دھبے دونوں طرف تھے مسترد نہیں کیا گیا۔

(۶) میونسپل کمیٹی نے گاؤکشی ممنوع قرار دئے جانے کے متعلق مسٹر چٹنویس ممبر اسمبلی کے مسودہ قانون کی تائید کی۔

(۷) اردو اسکول لال باغ اور مین اردو اسکول کو کافی چٹائیاں تک نہیں دی گئیں۔ حالانکہ ہیڈ ماسٹر نے کئی بار لکھا اور ایک ممبر نے بھی رپورٹ کی۔ جاڑوں میں لڑکوں کو زمین پر بیٹھنا پڑا۔ دو سال سے ان اسکولوں میں نقشے نہیں فراہم کئے گئے ہیں۔ جدید نصاب کا سامان اکتوبر ۱۹۳۹ء تک نہیں دیا گیا حالانکہ اپریل سے برابر مطالبہ جاری رہا۔

(۸) مسٹر بدیع الزماں لوہارمنڈی اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ ۱۹۳۶ء میں ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ انہوں نے ایک لڑکے کو بید مارا۔ لڑکے کے والدین نے درخواست دی کہ انہیں بدلہ نہیں چاہیئے نہ کوئی شکایت ہے۔ تحقیقات کرنے والے ہندو ممبر نے بھی رپورٹ دی کہ الزام غلط ہے۔ اسکے باوجود انہیں اسسٹنٹ ماسٹر بنا دیا گیا اور اسکے ایک

پروردہ کو جسکی مدت ملازمت صرف چھ سال کی تھی اور ٹرینڈ بھی نہیں تھا تیرہ دوسرے ماسٹروں کے حقوق کو قطع نظر کرتے ہوئے ہیڈ ماسٹر بنایا گیا۔ ان تیرہ ماسٹروں کی اپیل کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی بدیع الزماں نے ڈپٹی کمشنر کے پاس اپیل کی۔ ڈپٹی کمشنر کی یاد دہانیوں کے باوجود تمام متعلقہ کاغذات نہیں بھیجے گئے اور تاخیر کی جارہی ہے۔ اس عرصہ میں جذبہ انتقام اور بھڑک اٹھا۔ ۱۹۳۹ء میں اسنے دو گھنٹے کی رخصت طلب کی۔ ہیڈ ماسٹر نے کہا کہ دفتر جاکر بالاحکام سے رخصت لو۔ یہ دفتر چلا ادھر ہیڈ ماسٹر نے رپورٹ کر دی کہ بغیر میری اجازت کے اسکول چھوڑ دیا ہے رپورٹ بھی براہ راست وایس پریسیڈنٹ کو کی گئی۔ سپروائزر کو نہیں۔ اس خطاکے اوپر بدیع الزماں کو معطل کر دیا گیا۔ سپروائزر نے ایک اور کانگریسی ممبر کے ساتھ اس واقعہ کی تحقیقات کی اور بدیع الزماں کو بے قصور ٹھہرایا۔ ان کی رپورٹ بھی لیت ولعل میں پڑی ہوئی ہے اور بدیع الزماں کی معطلی کا آخیر ۱۹۳۹ء تک کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا۔

(۹) سندی پورہ اردو اسکول کے ہیڈ ماسٹر نے وسط نومبر ۱۹۳۹ء میں چھٹی لی انکی جگہ ۲۰ر دسمبر ۱۹۳۹ء تک کسی کو متعین نہیں کیا گیا۔

(۱۰) انگریزی۔ ہندی۔ مرہٹی۔ گجراتی اور اردو اسکول کمیٹی کے تحت میں ہیں۔ ان سب زبانوں کے ماسٹروں میں سے اردو اسکول کے ماسٹروں کو سب کے بعد تنخواہ دیجاتی ہے۔

(۱۱) ہندو محلوں میں نل اور روشنی سخاوت کے ساتھ دی جاتی ہے۔ برخلاف اسکے مسلم محلّوں میں ضرورت کے مطابق بھی نہیں ملتی۔ خصوصاً سندی پورہ میں جو مسلم محلہ ہے منظوری کے باوجود فنڈ کی کمی کی آڑ لیکر فراہمی کو ٹال دیا گیا۔

(۱۲) کمیٹی کے ضعیف العمر سینٹری انسپکٹر کی مدت ملازمت میں توسیع کی گئی اور انہیں اورسیر بنا دیا گیا۔ انکی تنخواہ بحیثیت انسپکٹر اسّی روپیہ ماہانہ تھی۔ انکی جگہ پر چالیس چالیس روپیہ ماہانہ کے دو انسپکٹر رکھے گئے۔ ایک ہندو ایک مسلمان۔ تخفیف کی آڑ لیکر تھوڑے دنوں بعد مسلمان انسپکٹر کو برطرف کر دیا گیا۔ یہ تجویز پیش کی گئی کہ ضعیف العمر اورسیر کو تو توسیع

دی گئی ہے انہیں ریٹائر کر دیا جائے اور ہندو انسپکٹر کو اوورسیر بنا کر انسپکٹر کی جگہ مسلمان کو رہنے دیا جائے۔ مگر یہ تجویز بھی کانگریسی اکثریت نے نامنظور کر دی۔

(۱۳) فائر بریگیڈ اور پانی کی موٹر کے لئے ایک ہندو ڈرائیور مقرر کیا گیا اور بعد میں اسے مارکٹ انسپکٹر بنا دیا گیا۔ مسلمان اسٹیم رولر ڈرائیور کو جسے موٹر ڈرائیوری بھی آتی تھی ان موٹروں کے چلانے کا کام سپرد کیا گیا۔ اس انتظام کے بعد سے ہندو نے کبھی موٹر نہیں چلائی مگر اُسے تنخواہ کے علاوہ بیس روپیہ سالانہ الاؤنس دیا گیا اور مسلمان کو جو دُہری ڈیوٹی کرتا رہا ایک پیسہ نہیں دیا گیا۔

(۱۴) جس میٹنگ میں ہندو ڈرائیور کا الاؤنس منظور ہوا۔ اسی میٹنگ میں ایک مسلمان چپراسی کی تنخواہ میں ایک روپیہ کی ترقی کی تجویز نامنظور کر دی گئی۔ یہ چپراسی سولہ سال کا ملازم ہے اور پندرہ روپیہ تنخواہ ملتی ہے۔ ایک مدت سے کوئی ترقی نہیں ملی ہے۔

(۱۵) اسٹیشن کے پاس لال باغ کے علاقہ میں نئی چالیں بنی ہیں جنمیں اکثر دوکانیں ہیں۔ پہلے یہاں ہندو ہوٹل کھلے جنکی تعداد تین تک پہونچ گئی۔ سامنے کی کھلی زمین میں ہوٹل والے بینچ کرسیاں برابر رکھتے رہے۔ ایک مسلمان نے بھی اس عمارت میں ہوٹل کھولا اور تمام ہندو دوکانداروں کی طرح دو چار کرسیاں دوکان کے سامنے ڈالدیں۔ کمیٹی کے سینیٹری انسپکٹر نے فوراً نوٹس دیدیا کہ کرسیاں ہٹالو ورنہ چالان کر دیا جائیگا۔ لیکن ہندو ہوٹل والوں کو کچھ نہ کہا گیا اور وہ نزول کی زمین کے پہلے کی طرح مالک بنے ہوئے ہیں۔

بیتول میونسپل کمیٹی

آبادی:۔ کل آبادی ۹۶۱۴ ——— مسلم ۱۶۱۰ — مسلم تناسب ۱/۶۔

نیابت:۔ کل ممبران ۲۰ (منتخب ۱۳ - باہمی انتخاب سے ۳ - نامزد ۳ - عہدیدار ۱)

مسلم ممبر منتخب ۲ ——— مسلم تناسب ۱/۱۰۔

تعلیم:۔ ہندی پرائمری اسکول ۴۔ تین لڑکوں کا ایک لڑکیوں کا۔ ایک مڈل اسکول۔ اردو کا ایک بھی اسکول نہیں۔ کل ۱۲ ماسٹر ہیں جنیں صرف دو مسلمان ہیں۔

ملازمین:۔ کل ملازمین کی تعداد ننانوے ہے۔ جس میں صرف پانچ مسلمان ہیں۔

مسلم تناسب ———— ۱/۲۰۔

تنخواہ:۔ ماہانہ اوسط تنخواہ ۱۸۰۰ روپیہ تقسیم ہوتی ہے۔ مسلم ملازمین ۹۰ روپیہ۔

مسلم تناسب ———— ۱/۲۰۔

لائبریری:۔ میونسپل کمیٹی کی طرف سے ایک لائبریری ہے۔ جسکے اخراجات ۴۵۰ روپیہ سالانہ ہے۔ اس میں ایک بھی اردو کی کتاب نہیں۔ صرف ایک اردو اخبار منگوایا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی انجمن نے ایک اردو لائبریری قائم کر رکھی ہے۔ اسکو کوئی گرانٹ نہیں دیا جاتا۔

فراہمی گوشت:۔ سنہ ۱۹۲۱ء کے بعد سے میونسپل حدود کے اندر گائے ذبح کرنا ممنوع ہے۔ باہر ذبح ہوتی ہے اور گوشت ذبح کیا ہوا شہر میں لانے کے لئے راستہ مقرر کیا گیا ہے۔ اس راستہ کے سوا دوسرے راستوں سے نہیں لا سکتے۔ میونسپل کمیٹی نے کوئی مارکٹ یا دوکان گائے کے گوشت کے لئے نہیں بنوائی ہے۔ لوگ گھروں پر بیچتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کا چالان کیا جاتا ہے اور برابر جرمانہ دینا پڑتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ شہر کے اندر گوشت ملنا بند ہو جائے۔

اردو اسکول کی دردناک کہانی:۔ یہاں اردو کے دو اسکول تھے ایک لڑکوں کا ایک لڑکیوں کا۔ اسکی بنیاد مسلم انجمن نے ڈالی تھی اور بعد میں میونسپل کمیٹی کے حوالہ کر دیا تھا۔ لڑکوں کا اسکول ساٹھ سال سے قائم تھا۔ کانگریسی اثرات کے حاوی ہونے ہی سا اس پر آفت آگئی۔ جولائی سنہ ۱۹۳۷ء میں اسے جبکہ لڑکوں کی تعداد اسّی تھی ہندی اسکول کے ساتھ ضم کر دیا گیا۔ اُسکے بعد ایک ایک کلاس کو توڑنا شروع کیا۔ یہانتک

کہ درجہ چہارم رہ گیا ۱۹۳۸ء میں ان سب لڑکوں کو پاس کرکے اسکول بالکل توڑ دیا گیا۔ مسلمان لڑکوں کی تعلیم کا کوئی انتظام نہ دیکھ کر مسلم انجمن نے پھر سے اردو پرائمری اسکول قائم کیا۔ اس میں ۶۴ لڑکے ہیں اور دو ماسٹر پڑھاتے ہیں تقریباً پندرہ سو روپیہ سالانہ کا خرچ ہے۔ کمیٹی ایک پیسہ بھی نہیں دیتی ۱۹۳۸ء میں حکومت نے وعدہ کیا کہ کمیٹی گرانٹ دیگی مگر پورے سال بھر تک یعنے اخیر ۱۹۳۹ء تک کوئی گرانٹ نہیں ملا۔ انجمن کی اپنی عمارت ہے۔ اس میں دفتر۔ لائبریری۔ لڑکیوں کا اسکول اور لڑکوں کا اسکول ہے۔ ان تمام کے لئے عمارت ناکافی ہے۔ انجمن نے کمیٹی سے درخواست کی کہ کمیٹی کی جس عمارت میں پہلے اردو اسکول تھا۔ اسی میں اسکول رکھنے کی اجازت دی جائے۔ مگر کمیٹی نے انجمن کی یہ درخواست نامنظور کردی۔ جگہ کی قلت کے سبب انجمن اردو اسکول کو ترقی دینے سے قاصر ہے۔ یہ تو ہوا لڑکوں کے اسکول کا قصہ لڑکیوں کا اردو اسکول مسلم انجمن نے ۱۹۳۲ء میں قائم کیا۔ ۱۹۳۵ء میں یہ اسکول میونسپل کمیٹی کے حوالہ کیا گیا۔ اسوقت اسکول میں ۷۲ لڑکیاں تھیں۔ کمیٹی نے اسکے ساتھ قصداً ناتوجہی برتنی شروع کردی یہاں تک کہ دو سال بعد صرف ۱۰ لڑکیاں رہ گئیں۔ میونسپل کمیٹی نے انجمن کو دھمکی دی کہ وہ اسکول کا انتظام واپس لیلے ورنہ اسکول بند کردیا جائیگا۔ اور اسکو عملی جامہ پہناتے ہوئے جولائی ۱۹۳۷ء میں کمیٹی نے اس اسکول کو توڑ دیا۔ یہ اسکول انجمن ہی کی عمارت میں تھا۔ کمیٹی کو کرایہ بھی نہیں دینا پڑتا تھا۔ لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام نہ دیکھ کر مسلم انجمن نے پھر سے اسکول قائم کیا۔ اسوقت اسکول میں ۱۰۹ لڑکیاں ہیں۔ اور تین اُستانیاں مستقل تنخواہ دار ہیں اور چند اعزازی۔ میونسپل کمیٹی گرل اسکول کو صرف ۲۳۶۴ روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے۔ میونسپل کمیٹی چار ہزار روپیہ سالانہ تعلیم پر خرچ کرتی ہے جس میں سے تین سو چوسٹھ روپیہ سالانہ اردو کی قسمت کا ہے۔

اس اسکول کے متعلق بھی کانگریسی حکومت کا رویہ پانڈھرنا کے واقعہ سے کم نہیں رہا۔

جب سوالات کیے گئے کہ کیا بیتول کا لڑکوں اور لڑکیوں کا اسکول بند کر دیا گیا ہے تو جواب ملا کہ ایسا کوئی اسکول بیتول میں تھا ہی نہیں۔ بڑی رد و قدح کے اور کئی ماہ کے بعد کانگریسی حکومت نے وعدہ کیا کہ میونسپل کمیٹی امداد جاری کر دے گی۔ مگر سال بھر تک یہ وعدہ پورا نہ کیا گیا۔ کانگریسی حکومت کے جانے کے بعد کچھ حالات رو بہ اصلاح ہوئے ہیں۔

مڈل اسکول کا ٹھیکہ:۔ میونسپل کمیٹی کا ایک انگریزی مڈل اسکول بھی ہے۔ ۱۹۳۷ء تک اسے میونسپل کمیٹی خود چلاتی رہی۔ اسوقت تک اس اسکول میں تین مسلمان ماسٹر تھے اور اردو میں بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ لعد میں اس اسکول کو کمیٹی نے مسٹر سیتارام مصرا ریٹائرڈ انسپکٹر مدارس کی پرورش کے لیئے انھیں ٹھیکہ پر دیدیا۔ تمام سامان اور عمارت انکے حوالہ کر دیا گیا۔ برائے نام پندرہ روپیہ مہینہ کرایہ مقرر کیا گیا مگر وہ کبھی وصول نہیں کیا گیا۔ تینوں مسلمان ماسٹروں کو علیحدہ کر دیا گیا۔ دو کی ملازمت ختم کر دی گئی اور ایک کو ہندی اسکول میں واپس کر دیا گیا۔ ان دو ماسٹروں کی جگہ نئے ٹھیکہ دار کے اعزہ ماسٹر مقرر ہوئے۔ اس ترکیب سے اُردو کو اور مسلم ماسٹروں کو مڈل اسکول سے خارج کر دیا گیا۔

مسلم ملازمین کا اخراج:۔ اردو اسکول کے ہیڈ ماسٹر کو جنکی مدت ملازمت سولہ سال کی تھی پنشن لینے پر مجبور کیا گیا۔ یکم ستمبر ۱۹۳۷ء سے یہ ریٹائر کر دیئے گئے۔ مگر اخیر ۱۹۳۹ء تک انہیں ایک پیسہ نہیں ملا۔ ایک دوسرے مسلمان ماسٹر کو جنکی مدت ملازمت تیرہ سال کی تھی اسی طرح برطرف کر دیا گیا۔ کانگریسی اکثریت پر مشتمل میونسپل کمیٹی نے تخفیف کی آڑ میں پانچ مزید مسلمانوں کو برطرف کر دیا۔ تین مسلمان جمعداروں کو۔ ایک ٹیکس کلکٹر کو اور ایک مستری سے جنکی بارہ سال کی مدت ملازمت تھی زبردستی استعفا دلوایا گیا۔ کسی ہندو کی ملازمت تخفیف کی زد میں نہ آسکی۔ تھوڑے دنوں بعد ان مسلمانوں کی جگہوں پر ہندوؤں کا تقرر کر دیا گیا۔

بیتول ڈسٹرکٹ کونسل۔

نیابت:۔ ڈسٹرکٹ کونسل میں کوئی بھی مسلمان ممبر نہیں ہے۔

تعلیم:۔ کل ۲۲۰ اسکول ہیں (قدیم ۳۷ جدید ۱۲۷ - قدیم اقوام کے ۵۶)۔ اردو کا صرف ایک اسکول ہے۔

ملازم:۔ کل نوسو چھیانوے ملازم ہیں (ماسٹر ۹۵۶ - اسٹاف ۴۰) مسلمان ۴ ہیں (ماسٹر ۳ - اسٹاف ۱)۔

تنخواہ:۔ کل تنخواہ ماہانہ اوسط ۹۸۸۰ روپیہ۔ (ماسٹر ۸۹۰۰ - اسٹاف ۹۸۰) مسلمانوں کی تنخواہ ۴۶ روپیہ (ماسٹر ۳۶ - اسٹاف ۱۰)۔

لائبریری:۔ دو ہندی کی لائبریری ہیں۔

آملا (ضلع بیتول) پنچایت بورڈ۔

آبادی:۔ کل ۳۰۰۰ ——— مسلم ——— ۲۵۰۔

یہ چھوٹی بستی ہے یہاں ویلج پنچایت بورڈ ہے۔

نیابت:۔ بورڈ میں تیرہ ممبر ہیں۔ جس میں دو نامزد شدہ مسلمان ہیں۔

تعلیم:۔ یہاں سرکاری اور ڈسٹرکٹ کونسل کے دو ہندی پرائمری اسکول ہیں۔ ایک لڑکوں کا ایک لڑکیوں کا۔

ملازم:۔ کل آٹھ ملازم ہیں۔ سب غیر مسلم۔

تنخواہ:۔ کل ماہانہ تنخواہ ایکسو تین روپیہ تقسیم ہوتی ہے۔

لائبریری:۔ بورڈ کی ایک لائبریری ہے۔ کتابیں کل ہندی ہیں۔ ایکسو چار روپیہ کی ہندی کتابیں خریدی گئیں۔ سکریٹری اور سرپنچ نے ان کتابوں میں سے بہت سی ادھر اُدھر

کر دیں مگر کوئی جواب طلب نہیں کیا۔ دس روپیہ کی اردو کتابیں خریدنے کی منظوری بمشکل ہوئی تھی۔ اس میں سے صرف دو روپیہ تیرہ آنے کی کتابیں خریدی گئیں۔

فراہمی گوشت:۔ بڑے جانور ذبح نہیں ہوتے ہیں۔

قبرستان:۔ قبرستان بالکل بھر گیا ہے۔ سخت تکلیف ہوتی ہے۔ ایک سال سے زائد سے حکام کو اسکے متعلق برابر لکھا جا رہا ہے مگر کوئی توجہ نہیں ہوئی۔

ریلوے علاقہ:۔ یہ بی این آر اور جی۔ آئی۔ پی کا جنکشن بھی ہے۔ اور ایک مختصر سی ریلوے آبادی ہے۔ اس آبادی میں تقریباً دو سو مسلمان ہیں۔ مگر ریلوے نے ایک اردو پرائمری اسکول کا انتظام کر رکھا ہے۔

ملتائی (ضلع بیتول) نوٹیفائڈ ایریا کمیٹی:۔

آبادی:۔ کل ۵۰۰۰ ــــ مسلم آبادی ۵۰۰۔

نیابت:۔ کل ممبر ۹ (منتخب ۶۔ نامزد ۳)۔ مسلم منتخب شدہ ۲۔

تعلیم:۔ کمیٹی کا ایک ہندی پرائمری اسکول ہے۔ ایک سرکاری مڈل اسکول ہے۔ ایک لڑکیوں کا ہندی اسکول ہے۔ اردو کا کوئی انتظام نہیں۔

ملازمین:۔ کل ملازمیں ۲۶ ہیں (بھنگی ۱۵۔ اسٹاف ۴۔ ماسٹر ۷) مسلمان صرف ایک جمعدار۔

تنخواہ:۔ تقریباً تین سو روپیہ ماہانہ تقسیم ہوتی ہے۔ جس میں صرف بارہ روپیہ مہینہ مسلمان کو ملتا ہے۔ تعلیم پر کمیٹی تقریباً دو ہزار روپیہ سالانہ خرچ کرتی ہے۔ اردو پر ایک پیسہ نہیں۔ ایک مکتب اردو کا ہے جس میں ۲۴ لڑکے پڑھتے ہیں۔ کمیٹی اسکو کوئی امداد نہیں دیتی ہے۔

پاڑلا گھاٹ۔ میونسپل کمیٹی:۔

آبادی:۔ کل ۹۶۰۰ ــــ مسلم ۱۶۰۰ ــــ مسلم تناسب ــــ ۱/۶۔

نیابت:- کل ممبران ۱۷ (منتخب ۱۰- باہمی انتخاب سے ۲- نامزد ۲- عہدیدار ۳)
مسلم ممبران ۴ (منتخب ۳- باہمی انتخاب سے ۱) ـــــ مسلم تناسب ـــــ ۱/۴ سے کم۔
تعلیم:- پرائمری اسکول ۴ (ہندی ۲- مرہٹی ۱- اردو ۱)
اسکے علاوہ سرکاری ہندی گرل اسکول ہے۔ ایک انگلش مڈل اسکول میونسپل کمیٹی
کا ہے۔ کل ماسٹر ۲۹ ہیں جنمیں دو مسلمان ماسٹر ہیں۔
ملازمین:- کل ملازمین کی تعداد ۹۰ ہے جس میں مسلمان ملازم ۵ ہیں مسلم تناسب ۱/۱۸۔
تنخواہ:- ماہانہ اوسط تنخواہ ۱۹۵۰ روپیہ۔ مسلم ملازمین کی ۱۰۴۔ مسلم تناسب ۱/۱۹۔
ہندو ذہنیت:- ۱۹۳۹ء میں اردو پرائمری اسکول کے دو ماسٹروں دلاور خاں
(مدت ملازمت ۲۰ سال) اور نور الحسن (مدت ملازمت ۱۰ سال) کو تخفیف کے بہانے
برطرف کردیا گیا۔ یہ بھی بہانہ بنایا گیا کہ لڑکوں کی تعداد کم ہے۔ تماشا یہ ہے کہ جبریہ تعلیم
رائج ہے۔ مرہٹی اور ہندی کے لئے لڑکوں کے داخلہ میں کوئی مزاحمت نہ کی گئی لیکن اردو
اسکول کے لئے عمر کی تصدیق کے بکھیڑے نکالے گئے۔ لڑکوں کی تعداد کافی دکھانے
کے بعد ایک نئے ماسٹر کے تقرر پر کمیٹی مجبور ہوئی تو باوجود درخواست کے برطرف ماسٹروں
میں سے کسی کو نہیں لیا گیا بلکہ ایک پرائمری پاس شخص کو جسکا چوری کے الزام میں چالان
ہوا تھا ماسٹر مقرر کردیا گیا۔ ان تجاویز کے بحث کے موقع پر مسلم ممبران کو کئی بار بطور احتجاج
میٹنگ سے واک آوٹ کرنا پڑا۔ اور جناب فیض الحسن صاحب وکیل نے جو باہمی انتخاب
سے ممبر چنے گئے تھے تنگ آکر رکنیت سے استعفا دیدیا۔ مقامی انجمن اسلامیہ پرائمری
گرل اسکول چلاتی ہے۔ جسکے اخراجات تقریباً ہزار روپیہ سالانہ ہیں۔ ننو لڑکیاں ہیں اور
چار اُستانیاں۔ حکومت صرف سوا دوسو روپیہ سالانہ گرانٹ دیتی ہے۔ میونسپل کمیٹی اور
ڈسٹرکٹ کونسل ایک پیسہ گرانٹ نہیں دیتی۔

بالاگھاٹ ڈسٹرکٹ کونسل۔

نیابت:۔ کل ممبران پچیس ہیں۔ جنمیں سے دو مسلمان ہیں۔ ایک منتخب۔ ایک نامزد شدہ۔

تعلیم:۔ ۱۲۷ پرائمری اور ۶ مڈل اسکول ہیں۔ اردو کا کوئی اسکول نہیں نہ کسی اسکول میں اسکا انتظام ہے۔ ماسٹروں کی تعداد ۳۱۵ ہے جس میں ۷ ہم مسلمان ماسٹر ہیں۔ چھوٹے چھوٹے ۵۰۰ کی آبادی رکھنے والے ہندو دیہاتوں میں اسکول ہیں مگر ایسے دیہاتوں میں جہاں مسلمانوں کی تعداد پانچسو سے زاید ہے اور خانگی مدرسے ہیں باوجود بار بار درخواست کرنے کے اردو اسکول نہیں قائم کئیے جارہے ہیں۔

ملازمین:۔ ماسٹروں کے علاوہ بقیہ ملازمین کی تعداد ۳۴۱ ہے جنمیں صرف دو مسلمان ہیں ایک کانجی ہاؤس انسپکٹر اور ایک سب اورسیر۔

دُرگ میونسپل کمیٹی:۔

آبادی:۔ کل آبادی ۱۳۰۰۰۔ مسلم آبادی ۱۳۰۰ —— مسلم تناسب —— ۱/۱۰۔

نیابت:۔ کل ممبران ۱۸ (منتخب ۹۔ باہمی انتخاب سے ۲۔ نامزد ۳۔ عہدیدار ۳) مسلم ممبر نامزد شدہ ایک —— مسلم تناسب —— ۱/۱۸۔

تعلیم:۔ پرائمری اسکول ۶۔ ہندی کے پانچ۔ اردو کا ایک۔ مڈل انگلش اسکول ایک۔ اس میں اردو کا کوئی انتظام نہیں۔ کل ماسٹروں کی تعداد ۴۲۔ مسلم ماسٹر ۴۔

ملازمین:۔ کل ملازمین ۱۸۲۔ مسلم ملازمین ۹ —— مسلم تناسب ۱/۲۰۔

تنخواہ:۔ ماہانہ اوسط تنخواہ ۳۵۰۰ روپیہ۔ مسلم ملازمین کی ۸۰ ا روپیہ۔ مسلم تناسب ۱۱/۲۰۰ کے قریب۔

لائبریری:- میونسپل کمیٹی کی ایک لائبریری ہے۔ اس میں اردو کتابیں برائے نام ہیں۔ کوئی اردو اخبار نہیں آتا۔

دیسی دواخانہ:- کمیٹی کی طرف سے ایک ویدک دواخانہ ہے۔ یونانی کوئی بھی نہیں۔

فراہمی گوشت:- سینگ دار جانور نہیں ذبح کئے جا سکتے۔

امداد:- کمیٹی ۷۵ روپیہ ماہانہ مارواڑی اسکول کو اور دوسو روپیہ سالانہ سنسکرت پاٹ شالہ کو امداد دیتی تھی۔ کسی مسلم ادارے کو ایک پیسہ امداد نہیں ملتی ہے۔

قبرستان:- مسلمانوں نے ۱۹۳۹ء میں قبرستان کے لئے زمین حاصل کرنے کی درخواست دی۔ کیونکہ قبرستان کا بہت کافی حصہ ایک دیوانی مقدمہ کے ذریعہ ہندو کانگریسی مالگذار نے اپنے قبضہ میں کر لیا ہے۔ اس درخواست کے بعد ہی ہندوؤں کی طرف سے میونسپل کمیٹی کو درخواست دی گئی کہ سرے سے قبرستان ہی اس جگہ سے اٹھا دیا جائے۔ میونسپل کمیٹی کے سکریٹری نے کمیٹی کو سفارش کی ہے کہ قبرستان کے لئے جو زمین مانگی جا رہی ہے وہ کمیٹی خود حاصل کرے۔

اردو دشمنی:- کمیٹی کے سات اسکولوں میں سے پانچ اپنی عمارتوں میں ہیں ایک ہندی اسکول کے لئے عمارت بن رہی ہے۔ مگر اردو اسکول کے لئے جو ۱۹۳۲ء سے کمیٹی کے تحت ہے۔ کسی عمارت کا انتظام نہیں کیا گیا۔ اردو اسکول میں ایکسو تیس لڑکے ہیں۔ جس مکان میں اسکول ہے اُس کا کرایہ اٹھارہ روپیہ ماہانہ دیا جاتا ہے۔ انسپکٹر مدارس اور دیگر افسران تعلیم نے اسکی مذمت کی ہے۔ برسات میں اس مکان تک جانے کا راستہ بالکل دلدل بن جاتا ہے۔ لیکن کمیٹی نے اس طرف توجہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی۔

رائے پور۔ میونسپل کمیٹی

آبادی:- کل آبادی ۴۵۳۹۰ مسلم آبادی ۷۲۲۷۔ مسلم تناسب ۱۵ سے زائد۔

نیابت :- کل ممبر ۲۸ (منتخب ۱۹- باہمی انتخاب سے ۴ نامزد ۴- عہدیدار- ۱)- مسلم ممبر ۷ (منتخب ۵- باہمی انتخاب سے- ۱- نامزد- ۱) مسلم تناسب ¼ -

تعلیم :- کل پرائمری اسکول ۲۱- (لڑکوں کے ۱۶- لڑکیوں کے ۵)- ایک مڈل اسکول اور ایک ہائی اسکول ہے- اردو پرائمری اسکول ۵ ہیں- (لڑکوں کے ۳- لڑکیوں کے ۲) کل ماسٹروں کی تعداد ۱۳۷ ہے جنمیں ۳۰ ماسٹر مسلمان ہیں-

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۷۶۶ ہے جس میں مسلمان ۱۲۰ ہیں- مسلم تناسب ¼ سے کم-

تنخواہ :- کل تنخواہ ماہانہ اوسط سترہ ہزار روپیہ تقسیم ہوتی ہے- اس میں سے مسلم ملازمین کو ڈھائی ہزار روپیہ ملتا ہے- مسلم تناسب ⅐ کے قریب-

دیسی دواخانے :- دو ایورویدک دواخانے ہیں- یونانی ایک بھی نہیں-

امداد :- اسپتالوں کو چھوڑ کر میونسپل کمیٹی جماعتی اداروں کو تقریباً ساڑھے چار ہزار روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے- اس میں سے اگر دو ہزار روپیہ سالانہ امداد جو چھتیس گڑھ کالج کو ملتی ہے وضع کر بھی لی جائے تو ڈھائی ہزار سالانہ کی امداد جماعتی اور فرقہ وارانہ اداروں کو ملتی ہے- اس میں سے مسلم اداروں کو صرف دوسو ستر ۲۷۰ روپیہ سالانہ کی امداد ملتی ہے-

لائبریری :- میونسپل لائبریری میں اردو کتابیں برائے نام ہیں- اردو اخبارات بند کر دیے گئے-

ڈسٹرکٹ کونسل رائے پور

نیابت :- ڈسٹرکٹ کونسل میں مسلم نیابت کا عدم وجود برابر ہے-

تعلیم :- ۲۳۰ پرائمری اسکول ہیں اور ۱۲ مڈل اسکول ان میں سے صرف ایک جگہ اردو کا انتظام ہے-

ملازمین :- ماسٹروں کو ملا کر ملازمین کی تعداد ۲۴ ۹ ہے جس میں صرف ۴ مسلمان ہیں۔

دھمتری (ضلع رائے پور) میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۱۱۰۰۰ مسلم آبادی ۱۱۰۰ ——— مسلم تناسب ——— ۱/۱۰ -

نیابت :- کل ممبر ۱۷ (منتخب ۱۰- باہمی انتخاب سے ۲- نامزد ۲- عہدیدار ۳)
مسلم ممبر ایک نامزد شدہ ——— مسلم تناسب ——— ۱/۱۷ -

تعلیم :- چار پرائمری اسکول ہیں- تین ہندی کے- ایک اردو کا- ایک انگلش مڈل اسکول ہے اس میں اردو کا کوئی انتظام نہیں- پانچ اسکولوں میں سے تین اسکول کی عمارت اپنی ہے ایک ہندی اسکول ۲۵ روپیہ ماہانہ کرایہ کے مکان میں ہے- اردو اسکول کے لئے کوئی عمارت نہیں- اِدھر سے اُدھر منتقل ہوتا رہتا ہے- پہلے بارہ روپیہ مہینہ کے کرایہ کے مکان میں تھا- اب اُٹھا کر میونسپل سرائے کے ایک حصّہ میں منتقل کر دیا گیا ہے- اس اسکول میں ننّو لڑکے ہیں اور چار ماسٹر- تین مسلمان اور ایک ہندو- کل ماسٹروں کی تعداد ۲۴ ہے جس میں ۴ ماسٹر مسلمان ہیں- ہندی اسکول کے واحد مسلمان ماسٹر کو معطل کر دیا گیا ہے- اردو اسکول میں رام پال سنگھ نامی ایک ایسے شخص کو مقرر کیا گیا جسنے ٹرینڈ ہونے کا جعلی سرٹیفکٹ پیش کیا تھا اور ۱۹۲۵ء میں دھوکہ دہی کے الزام میں برخواست کیا گیا تھا- مگر ۶ ماہ بعد پھر بحال کر دیا گیا- یہ شخص مقامی آریہ سماج کا سکریٹری بھی ہے- جولائی ۱۹۳۸ء میں ایک عیسائی عورت کے بھگانے اور ناجائز تعلق رکھنے کے سلسلہ میں اسپر مقدمہ بھی چلا تھا جس میں عدالت ماتحت سے ۴ ماہ کی سزا ہوئی تھی مگر اپیل سے نیک چلنی کی ضمانت لیکر قید کی سزا منسوخ کر دی گئی- چھوٹے مسلمان بچوں کی تعلیم کے لئے ایک غیر سند یافتہ- آریہ پرچارک- برے چال چلن کا آدمی بطور مدرس مقرر کیا جاتا ہے- اسکا ہندو مسلم بلوہ کے سلسلہ میں بھی چالان کیا گیا ہے-

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۲۴ ہے جس میں مسلمان صرف چھ ہیں۔ مسلم تناسب ۱/۴۔
تنخواہ :- ماہانہ اوسط تنخواہ ۲۷۰۰ روپیہ۔ مسلم ملازمین کو ۱۴۵ روپیہ۔ مسلم تناسب ۱/۱۸ سے کم۔
فراہمی گوشت :- سینگ دار جانور ذبح نہیں کئے جا سکتے۔
لائبریری :- ہندی لائبریری کو مفت کی عمارت کمیٹی نے دی ہے اور ۳۰۰ روپیہ سالانہ امداد دی جاتی ہے۔ اس لائبریری میں نہ اُردو کی کتاب ہے نہ کوئی اُردو اخبار آتا ہے۔ مسلم انجمن کی لائبریری کو ایک پیسہ بھی امداد نہیں دی جاتی۔

امداد :- اس قصبہ میں مہاراشٹر برہمن اور مرہٹوں کی تعداد چار سو کے قریب ہے۔ لڑکیوں کا ایک پرائیوٹ پرائمری مرہٹی اسکول ہے جس میں مشکل سے ۴۵ لڑکیاں ہونگی اسے کمیٹی چار سو روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے۔ برخلاف اسکے مسلمان لڑکیوں کے پرائمری اسکول کو جس میں پچھتر لڑکیاں ہیں صرف دو سو روپیہ سالانہ امداد ملتی ہے۔ ایک سنسکرت پاٹ شالہ ہے جس میں مشکل سے پچیس طالب علم ہونگے۔ اسے بھی دو سو روپیہ سالانہ امداد دی جاتی ہے۔ مسلمانوں کا ایک یتیم خانہ بارہ سال سے قائم ہے۔ چالیس بچوں کی کفالت کی جاتی ہے۔ اسے سو روپیہ سالانہ امداد گذشتہ تین سال سے ملنی شروع ہوئی ہے۔ اسکے مقابلہ میں ہندوؤں کا یتیم خانہ جسے قائم ہوئے ابھی چار سال ہوئے ہیں دو سال سے دو سو روپیہ مہینہ امداد حاصل کر رہا ہے۔ ان مثالوں سے قطعاً واضح ہے کہ امداد میں ضرورت یا استحقاق کی بجائے ہندو نوازی اور فرقہ پرستی کارفرما ہے۔

بھاٹا پاڑہ (ضلع رائے پور) نوٹی فائڈ ایریا کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۸۰۰۰ — مسلم ۸۰۰ — مسلم تناسب —— ۱/۱۷۔
نیابت :- کل ممبران ۱۱ (منتخب ۸ ۔ نامزد ۳) مسلم منتخب ۱ ۔ مسلم تناسب — ۱/۱۱۔
تعلیم :- پرائمری اسکول ۳ - ۲ ہندی کا - ایک اردو کا - کل ماسٹروں کی تعداد

بارہ ہے جس میں ۲ مسلمان ہیں۔ اُردو اسکول ۱۹۳۰ء سے ہے مگر اسکے لئے کوئی عمارت نہیں بنائی جاتی۔ ہندی اسکول میں دو کمرے دیدئے گئے ہیں۔ نیا ہندی اسکول جو ۱۹۳۵ء میں کھولا گیا ہے اسکے لئے عمارت تیار کر دی گئی ہے۔

ملازمین:۔ کل ملازمین کی تعداد ۲۷ ہے جس میں ۸ مسلمان ہیں۔ مسلم تناسب ــ ۱/۹ ۔

تنخواہ:۔ ماہانہ اوسط تنخواہ پندرہ سو روپیہ جس میں سے مسلم ملازمین کو ۱۵۰ روپیہ مسلم تناسب ـــــ ۱/۱۰ ۔

فراہمی گوشت:۔ سینگ دار جانور ذبح نہیں کئے جاسکتے۔

امداد:۔ کمیٹی گوشالہ کو ۱۵۰ روپیہ اور کلیان کلب لائبریری کو سو روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے۔ کسی مسلم ادارہ کو ایک پیسہ بھی نہیں ملتا۔

بلودا بازار (ضلع رائے پور) سینیٹیشن کمیٹی:۔

آبادی:۔ کل ۴۰۰۰۔ مسلم ۳۰۰۔

نیابت:۔ کل ممبر ۱۱۔ مسلمان ایک بھی نہیں۔

تعلیم:۔ ڈسٹرکٹ کونسل کی طرف سے ایک ہندی پرائمری اسکول ہے۔ کمیٹی کی طرف سے ایک انگلش مڈل اسکول ہے۔ مشن کا ایک ہندی گرل اسکول ہے۔ اردو کا کوئی انتظام نہیں۔

ملازمین:۔ کل ملازمین ۲۸ ہیں۔ جس میں ۲ مسلمان ہیں۔

تنخواہ:۔ ماہانہ ۳۲۲ تقسیم ہوتی ہے جس میں ۴۵ مسلمان کو ملتا ہے۔

فراہمی گوشت:۔ سینگ دار جانور ذبح نہیں ہوسکتے۔

بلاسپور میونسپل کمیٹی:۔

آبادی:۔ کل آبادی ۳۰۰۰۰۔ مسلم ۵۰۰۰ ـــــ مسلم تناسب ـــــ ۱/۶ ۔

نیابت:- کل ممبران ۲۰ (منتخب ۱۱- باہمی انتخاب سے ۳- نامزد ۳- عہدیدار ۳) مسلم ممبر ۲ (باہمی انتخاب سے ایک- نامزد ایک) مسلم تناسب ۱/۱۰-

تعلیم:- پرائمری اسکول ۱۲ (لڑکوں کا ۹- لڑکیوں کا ۳)- لڑکیوں کا مڈل اسکول ایک- ہائی اسکول ایک- اردو پرائمری اسکول صرف ایک ہے- کل ۸۷ ماسٹر اور اُستانیاں ہیں جنہیں صرف ۳ ماسٹر مسلمان ہیں-

ملازمین:- کل ملازمین کی تعداد ۲۹۳ ہے جس میں مسلمان ۷ ہیں مسلم تناسب — ۱/۴۲

تنخواہ:- ماہانہ اوسط تنخواہ آٹھ ہزار روپیہ تقسیم ہوتی ہے جس میں مسلمانوں کو تین سو چھیاسی روپیہ ملتے ہیں —— مسلم تناسب ۱/۲۰ سے کم-

لائبریری:- میونسپل کمیٹی کی لائبریری کا نام سر راجہ جنک داچنا لیہ رکھا گیا ہے- نہ اس میں اردو کتابیں ہیں نہ اخبارات- ایک پرائیوٹ، اردو لائبریری ہے- باوجود متواتر درخواست کے کمیٹی نے کوئی امداد اس لائبریری کو نہیں دی-

دیسی دواخانہ:- کمیٹی کی طرف سے ایک ویدک دواخانہ قائم ہے دو وید کام کرتے ہیں ایکسو چونتیس روپیہ ماہانہ خرچ ہے- بڑی کوششوں کے بعد مئی ۱۹۳۸ء میں یونانی دوخانہ بھی کمیٹی کی طرف سے کھولا گیا- حکیم کو تیس روپیہ ماہانہ تنخواہ ملتی تھی- لیکن دو ہی ماہ بعد جب کانگریسی اکثریت پر مشتمل نئی کمیٹی آئی تو اسنے یونانی دواخانے کو بند کر دیا- یہ درخواست کہ ویدک کے ساتھ ہی یونانی کو بھی ضم کر دیا جائے نامنظور کر دی گئی-

فراہمی گوشت:- کانگریسی اکثریت کی کمیٹی نے آتے ہی سینگ دار جانوروں کا میونسپل حدود میں ذبح کیا جانا ممنوع قرار دیدیا- حالانکہ مذبح موجود ہے ایک مدت سے ذبیحہ ہوتا چلا آرہا تھا اور کمیٹی فی راس ۴ر فیس بھی وصول کیا کرتی تھی-

امداد:- میونسپل کمیٹی کی طرف سے لڑکیوں کے تین پرائمری اور ایک مڈل اسکول ہیں

ایک اسکول سرکاری بھی ہے۔ جس میں ذریعہ تعلیم ہندی ہے۔ مسلمان بچیوں کی اردو تعلیم کے لئے مسلم انجمن نے ایک پرائمری اسکول قائم کر رکھا ہے جس میں اکیس بیس لڑکیاں پڑھتی ہیں تین ٹرینڈ استانیاں ہیں۔ اس اسکول کو کمیٹی صرف اکیناسی روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے۔ برخلاف اسکے بنگالی پرائمری اسکول کو جس میں مشکل سے ۲۰ یا ۲۲ طلبا رہتے مدت دراز تک اتنی ہی امداد ملتی رہی جتنی کہ انجمن کے گرل اسکول کو ملتی ہے۔

مونگیلی (ضلع بلاسپور) نوٹیفائڈ ایریا کمیٹی:-

آبادی:- کل آبادی ۶۶۶۵- مسلم آبادی ۴۲۷- مسلم تناسب ——— $\frac{1}{15}$-

نیابت:- کل ممبران- ۹- مسلمان نامزد شدہ ایک- مسلم تناسب ——— $\frac{1}{9}$-

تعلیم:- کمیٹی کی طرف سے ایک ہندی پرائمری اسکول ہے اردو کا کوئی انتظام نہیں- مسلم انجمن کا اردو مدرسہ ہے جسے کوئی امداد نہیں ملتی- انجمن کی ایک لائبریری بھی ہے اُسے بھی کوئی امداد نہیں ملتی-

ملازمین:- کل ملازمین ۳۶ ہیں جنمیں ایک صفائی جمعدار مسلمان ہے- مسلم تناسب ——— $\frac{1}{36}$-

تنخواہ:- ماہانہ اوسط تنخواہ ۵۰۰ روپیہ- مسلمان ملازم کو ۲۳ روپیہ- مسلم تناسب ——— $\frac{1}{22}$ کے قریب-

فراہمی گوشت:- سینگ دار جانور ذبح نہیں ہو سکتے اور چھوٹے جانوروں پر بھی کمیٹی نے فیس فی راس ۴/ رکھدی ہے- فیس کم کرنے کی درخواست دی گئی مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی-

چاندہ- میونسپل کمیٹی:-

آبادی:- کل ۳۰۰۰۰ (اچھوت ۱۲۰۰۰) مسلم ۲۰۰۰- مسلم تناسب ——— $\frac{1}{15}$-

نیابت:۔ کل ممبران ۱۹۔ مسلم ــــ ۲ ــــ مسلم تناسب ــــ $\frac{1}{9}$۔

تعلیم:۔ ۹ پرائمری اور ایک مرہٹی مڈل اسکول ہے۔ اردو پرائمری اسکول ایک ہے۔ تعلیم پر سالانہ خرچ بائیس $\frac{1}{2}$ ہزار روپیہ ہے۔ جس میں سے صرف ۶۰۰ اردو کی تعلیم پر خرچ کیا جاتا ہے۔ پچپن ماسٹر ہیں جنہیں سے ۶ مسلمان ہیں۔

ملازمین:۔ کل ملازمین کی تعداد ۱۳۶ ہے جس میں سے پندرہ مسلمان ہیں۔ مسلم تناسب ـ $\frac{1}{9}$۔

تنخواہ:۔ ماہانہ تنخواہ اوسط ۶ ہزار روپیہ تقسیم ہوتی ہے جس میں سے مسلم ملازمین کو ۵۷۰ روپیہ ماہانہ ملتا ہے ــــــ مسلم تناسب ــــــ $\frac{1}{11}$ کے قریب ہے۔

ناتوجہی:۔ یہاں جبریہ تعلیم رائج ہے۔ اردو اسکول میں صرف دو ماسٹر ہیں۔ ہر ماسٹر کو دو کلاس پڑھانے پڑتے ہیں۔ مرہٹی اسکولوں میں ہر ماسٹر کے پاس صرف ایک کلاس ہے۔ اردو اسکول جس عمارت میں ہے وہ ناکافی ہے۔ انسپکٹر مدارس اور اٹنڈنس افسر نے توسیع عمارت کی سفارش کی ہے مگر کمیٹی نے کوئی توجہ نہیں کی۔

وروُرہ (ضلع چاندہ) میونسپل کمیٹی:۔

آبادی:۔ کل آبادی ۹۸۱۱۔ مسلم آبادی ۱۳۵۰ ــــ مسلم تناسب ــ $\frac{1}{7}$۔

نیابت:۔ کل ممبران ۱۳ (منتخب ۹۔ باہمی انتخاب سے ۲۔ نامزد ۲)۔ مسلم ممبر ۴ (منتخب ۳۔ باہمی انتخاب سے ۱) ــــــ $\frac{1}{4}$ سے زاید۔

تعلیم:۔ پرائمری اسکول ۵۔ (مرہٹی ۳۔ اردو ایک۔ مرہٹی لڑکیوں کا ایک) مڈل اسکول ایک۔ کل ماسٹر ۴۱ ہیں جن میں مسلمان ۴ ہیں۔

ملازمین:۔ کل ملازمین ۱۳۱ ہیں جن میں ۲۲ مسلمان ہیں۔ مسلم تناسب ــ $\frac{1}{6}$۔

تنخواہ:۔ کل ماہانہ اوسط تنخواہ ۲۲۰۰ روپیہ۔ مسلم ملازمین کو ۳۵۰ روپیہ مسلم تناسب $\frac{1}{6}$۔

فراہمی گوشت:- سینگ دار جانور پر فیس ۸ ر فی راس ہے اور چھوٹے جانور پر ۴ ر فی راس۔ ۹ سال سے کم عمر کی گائے ذبح کرنے کی ممانعت ہے۔

ہندو ذہنیت:- رحیم خاں نامی ایک مسلمان چھ سال سے ناکہ موری میں امیدوار کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ ایکمرتبہ آٹھ ماہ کے لئے اسکا تقرر بھی ہوا اور عارضی جگہ کئی مرتبہ دی گئی۔ اتفاق سے ایک مستقل جگہ خالی ہوئی اس موقعہ پر رحیم خاں کی اہلیت۔ کارگذاری اور امیدواری سب کو نظر انداز کر دیا گیا اور ایک نئے ہندو کو جو ایک ممبر کا عزیز ہے اس مستقل جگہ پر مقرر کر دیا گیا۔ رحیم خاں امیدوار کے امیدوار رہے۔

وردھا۔ میونسپل کمیٹی:-

آبادی:- کل آبادی ۲۱۰۰۰۔ مسلم آبادی ۱۳۰۰ ——— مسلم تناسب ——— $\frac{1}{16}$

نیابت:- کل ممبران ۲۶۔ (منتخب ۱۷۔ باہمی انتخاب سے ۴۔ نامزدہ عہدیدار ۔۱) مسلم ممبر ۱ (نامزد شدہ) ——— مسلم تناسب ——— $\frac{1}{26}$ ۔

تعلیم:- پرائمری اسکول ۱۲۔ (لڑکوں کے ۹۔ لڑکیوں کے ۳)۔ انمیں سے ایک پرائمری اسکول لڑکوں کا اور ایک لڑکیوں کا اردو کا ہے مڈل اسکول تین ہیں۔ ان میں ایک بھی اردو کا نہیں اور نہ اردو کا انتظام ہے۔ مسلم انجمن ایک پرائیوٹ اردو مڈل اسکول چلا رہی ہے۔ لڑکیوں کا اردو اسکول جو میونسپل کمیٹی چلا رہی ہے اُسکی عمارت کا کرایہ مسلم انجمن کو دینا پڑتا ہے۔ میونسپل کمیٹی تعلیم پر سالانہ ۴۳۹۲۰ روپیہ خرچ کرتی ہے۔ اس میں سے ۴۴۸۲ روپیہ سالانہ اردو کا حصہ ہے۔

ملازمین:- کل میونسپل ملازمین کی تعداد ۲۷۳ ہے اس میں مسلم ملازمین کی تعداد ماسٹر استانیاں ملا کر ۱۳ ہے۔ مسلم تناسب - $\frac{1}{21}$ -

تنخواہ:- کمیٹی ماہانہ اوسط تنخواہ چھ ہزار دو سو روپیہ تقسیم کرتی ہے۔ مسلم ملازمین کی

تنخواہ دو سو اسی روپیہ (۲۸۰) ——— مسلم تناسب ——— ۱/۲۲

لائبریری:- کمیٹی جنرل لائبریری کو جس میں اردو کے اخبارات اور کتابیں کالعدم ہیں سو روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے اور ہندی مندر لائبریری کو ڈیڑھ سو روپیہ سالانہ۔ مسلم لائبریری کو صرف پچاس روپیہ سالانہ امداد ملتی ہے۔

فراہمی گوشت:- میونسپل حدود کے اندر سینگ دار جانوروں کے ذبح کرنے کی اجازت نہیں۔ کمیٹی نے اسکی بھی کوشش کی کہ بڑے کا گوشت میونسپل حدود کے اندر نہ فروخت ہو سکے۔ مگر کمشنر نے کمیٹی کے اعتراض کو مسترد کر کے اجازت دیدی اسکے باوجود گوشت کے فروخت کرنے میں کمیٹی کی طرف سے مختلف طریقوں پر مزاحمت کی جاتی ہے اور پریشان کیا جاتا ہے۔

امداد:- ہریجن ہوسٹل کو ڈھائی سو روپیہ سالانہ سے زاید امداد دی جاتی ہے مگر مسلم ہوسٹل کو ایک پیسہ نہیں ملتا۔ مختلف فرقہ وارانہ جماعتی اداروں کو کمیٹی تقریباً گیارہ سو روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے۔ اس میں سے صرف پچاس روپیہ مسلم لائبریری کو ملتا ہے۔ اور کسی مسلم ادارے کو ایک پیسہ نہیں ملتا۔

ہینگن گھاٹ (ضلع وردھا) میونسپل کمیٹی:-

آبادی:- کل آبادی ۲۳۹۰۰- مسلم آبادی ۳۴۰۰- مسلم تناسب- ۱/۷-

نیابت:- کل ممبران ۲۰- (منتخب ۱۲- باہمی انتخاب سے ۴- نامزد ۲- عہدیدار ۲) - مسلم ممبران ۵- (منتخب ۴- باہمی انتخاب سے ایک) - مسلم تناسب ۱/۴-

تعلیم:- پرائمری اسکول ۹- (لڑکوں کے ۸- لڑکیوں کا ایک) ہائی اسکول ایک- اردو کا ایک پرائمری اسکول ہے اور لڑکیوں کے اسکول میں اردو پڑھانے کے لئے ایک استانی ہے۔ کل ماسٹروں کی تعداد ۹۲ ہے جس میں ۱۱ ماسٹر مسلمان ہیں۔ ہائی اسکول کو چھوڑ کر

تقریباً تین ہزار روپیہ سالانہ تعلیم پر خرچ ہوتا ہے جس میں سے تین ہزار روپیہ سالانہ اردو کا حصہ ہے۔
ہائی اسکول میں کل ماسٹروں کی سالانہ تنخواہ ۲۶۴۳۳ روپیہ تقسیم ہوتی ہے جس میں سے مسلمانوں
کو ۴۸۶ روپیہ سالانہ ملتا ہے۔ ہائی اسکول میں ۲۰ ماسٹر اور ۵ چپراسی ہیں جس میں سے
ایک ماسٹر اور ایک چپراسی مسلمان ہے۔ اردو پرائمری اسکول میں ۸ ماسٹر ہیں۔ سات
مسلمان ایک ہندو جو مرہٹی پڑھاتا ہے۔

ملازمین:- کل ملازمین کی تعداد ۲۹۱ ہے جس میں مسلمان ۳۲ ہیں مسلم تناسب ۱/۹۔

تنخواہ:- ماہانہ تنخواہ اوسط ۸۸۵۳ روپیہ تقسیم ہوتی ہے۔ اس میں سے کل مسلم
ملازمین کی ماہانہ تنخواہ ۷۷۳ ہوتی ہے۔ مسلم تناسب ۱/۱۱ سے کم۔

لائبریری:- کمیٹی کی ایک اپنی لائبریری ہے جس پر ۳۰۰ سالانہ خرچ ہوتا ہے۔ اس
میں اردو اخبارات اور کتابیں برائے نام ہیں۔

فراہمی گوشت:- میونسپل حدود میں گائے ذبح کرنا ممنوع ہے۔ پہلے ذبیحہ
ہوتا تھا۔ عرصہ آٹھ سال سے یہ قید لگا دی گئی ہے۔ یعنے جبکہ میونسپلٹی غیر سرکاری ہاتھوں
میں آگئی اور کانگریسی خیال کے ہندوؤں کا اثر و غلبہ ہوا۔ چھوٹے جانور کے گوشت کے
لائسنسدار ایک مسلمان کے سوا سب ہندو ہیں۔ ہر ہندو تہوار اور جنم دنوں میں گوشت
کا بازار بند رہتا ہے جس سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ چونکہ اس علاقہ میں گوشت بیچنے والے
زیادہ ہندو ہیں اسلئے ذبیحہ پر فیس بمقابلہ اور میونسپل کمیٹیوں کے بہت کم ہے یعنے فی راس ۱/۔

ہندو ذہنیت:- اردو اسکول میں گاندھی۔ تلک وغیرہ کی تصویریں لگی
ہوئی ہیں۔ ایک مسلمان ماسٹر نے مسٹر جناح کی تصویر بھی لاکر لٹکا دی۔ اس سے فوراً جواب
طلب کیا گیا اور تصویر اسکول سے ہٹا دی گئی۔

آروی (ضلع وردھا) میونسپل کمیٹی:-

آبادی:- کل آبادی ۱۲۲۹۳۔ مسلم آبادی ۱۸۱۱۔ مسلم تناسب ـــــ ۱/۹

نیابت :- کل ممبران ۱۹ (منتخب ۱۰- باہمی انتخاب سے ۴- نامزد ۲- عہدیدار ۳)
مسلم ممبر ایک - (عہدیدار باہر سے) مسلم تناسب ——— ۱/۱۹ -

تعلیم :- پرائمری اسکول ۶- مڈل اسکول ایک - اردو پرائمری اسکول ایک ہے۔ کل ماسٹروں کی تعداد ساٹھ ہے جس میں چار مسلمان ٹیچر ہیں - تعلیم پر تقریباً ۳۴ ہزار روپیہ سالانہ کمیٹی خرچ کرتی ہے۔ اس میں سے ۱۴سو روپیہ اردو کا حصہ ہے۔ بڑی کوششوں کے بعد کمیٹی نے یہ تجویز منظور کی کہ مڈل اسکول میں ایک اردو ماسٹر رکھا جائے - لیکن تقرر کے وقت یہ جگہ ہندی جاننے والے کے حوالہ کردی گئی -

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۲۲۲ ہے۔ مسلم ملازمین کل ۶ ہیں۔ مسلم تناسب ۱/۳۷ -

تنخواہ :- ماہانہ اوسط تنخواہ ۵۶۰۰ روپیہ- مسلم ملازمین کو ۱۶۲ روپیہ- مسلم تناسب ۱/۳۵ کے قریب -

فراہمی گوشت :- گائے کا ذبیحہ ممنوع ہے۔ چھوٹے جانوروں پر فیس فی راس ۲ ہے - سینگ دار پر فی راس ۶ ہے- باوجودیکہ کمیٹی کو مذبح اور کرایہ دوکان گوشت سے ۳۴۰۰ روپیہ کی آمدنی ہوتی ہے گوشت مارکٹ کی حالت بہت ہی خراب ہے- نہ صفائی کا انتظام ہے نہ مرمت یا قلعی کا -

امریڑ (ضلع ناگپور) میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۱۷۰۶۳ - مسلم آبادی ۸۷۰ ——— مسلم تناسب ——— ۱/۲۰ -

نیابت :- کل ممبران ۱۸ (منتخب ۹ - باہمی انتخاب سے ۳- نامزد ۳- عہدیدار ۳)
مسلم ممبر ایک نامزد شدہ ——— مسلم تناسب ——— ۱/۱۸ -

تعلیم :- پرائمری اسکول ۷- مڈل اسکول ایک- اردو پرائمری اسکول ایک ہے۔ کل ماسٹروں کی تعداد چھبیس ہے جنمیں تین مسلمان ہیں۔ کمیٹی تعلیم پر نو ہزار روپیہ سالانہ صرف کرتی ہے۔ اسمیں سے ۹سو روپیہ

سالانہ اُردو کی تعلیم پر صرف ہوتا ہے۔ اُردو اسکول میں ۵۶ لڑکے اور بارہ لڑکیاں ہیں۔

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۱۵۱ ہے جس میں ۱۰ مسلمان ہیں۔ مسلم تناسب $\frac{1}{15}$

تنخواہ :- کل تنخواہ ماہانہ اوسط ۲۲۳۰۰ روپیہ تقسیم ہوتی ہے۔ اس میں سے کل مسلم ملازمین کو ۱۹۰ ماہانہ ملتا ہے ——— مسلم تناسب ——— $\frac{1}{12}$ -

فراہمی گوشت :- یہاں گائے ذبح کرنا ممنوع ہے۔

ساؤنیر (ضلع ناگپور) میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کُل آبادی ۷۹۶۹ - مسلم آبادی ۵۷۹ ——— مسلم تناسب ——— $\frac{1}{12}$ سے کم۔

نیابت :- کل ممبران ۱۷ (منتخب ۱۰ - باہمی انتخاب سے ۲ - نامزد ۳ - عہدیدار ۱) مسلم ممبران ۲ (منتخب) ——— مسلم تناسب $\frac{1}{8}$ سے کم۔

تعلیم :- پرائمری اسکول ۹ - سب کے سب مرہٹی کے۔ مڈل اسکول مرہٹی ایک اُردو کا ایک بھی اسکول نہیں۔ نہ اردو کا کسی اسکول میں انتظام ہے۔ کل چوبیس ماسٹر ہیں۔ جن میں دو مسلمان ہیں۔ مسجد میں ایک مکتب ہے جس میں اردو کی تعلیم ہوتی ہے۔ پہلے میونسپل کمیٹی اس مکتب کے لئے آٹھ روپیہ ماہوار دیا کرتی تھی۔ لیکن قوم پرست کانگریسی اکثریت جب کمیٹی پر قابض ہوئی تو یہ امداد نصف کر دی گئی اور اب صرف چار روپیہ مہینہ امداد ملتی ہے۔ کمیٹی تعلیم پر ۴۰۰۸ روپیہ سالانہ خرچ کرتی ہے۔ اس میں سے صرف ۴۸ روپیہ سالانہ اردو کے حصّہ کا ہے جو مکتب کو بطور امداد ملتا ہے۔

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۶۰ ہے۔ جن میں مسلم ملازم چار ہیں۔ مسلم تناسب ——— $\frac{1}{15}$ -

تنخواہ :- کل ماہانہ تنخواہ اوسط بارہ سو روپیہ ہے۔ مسلم ملازمین کو ۱۱۲ روپیہ -

مسلم تناسب ——————— ۱/۱۲ -

لائبریری :- ایک مرہٹی لائبریری ہے جسے پچاس روپیہ سالانہ کمیٹی امداد دیتی ہے۔ مکتب کے سوا کسی مسلم ادارے کو ایک پیسہ امداد نہیں دی جاتی۔

فراہمی گوشت :- گائے ذبح کرنا ممنوع ہے۔ چھوٹے جانور پر فیس فی راس ۲/ ہے۔

کاٹول (ضلع ناگپور) میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۱۰۹۰۰۔ مسلم آبادی ۱۰۹۴ ——— مسلم تناسب ۱/۱۰ -

نیابت :- کل ممبران ۱۸ (منتخب ۱۱ - باہمی انتخاب سے ۳ - نامزد ۳ - عہدیدار ۱)

مسلم ممبر ندارد ——————— مسلم تناسب ۰/۰

تعلیم :- پرائمری اسکول - ۴ - (مرہٹی ۳ - اردو ایک) - کل ماسٹروں کی تعداد بیس ہے۔ مسلمان ماسٹر ۴ ہیں۔ اردو پرائمری اسکول میں ۴۶ لڑکے اور ۱۰ لڑکیاں زیر تعلیم ہیں۔ اردو اسکول کے لئے کمیٹی نے ایک نہایت بوسیدہ شکستہ مکان چار روپیہ ماہوار کا لے رکھا ہے۔ اس مکان کی مذمت افسران تعلیم - افسران محکمہ حفظان صحت نے تحریری طور پر کی۔ صدر اسکول کمیٹی نے بھی یہاں سے اسکول ہٹانے کو لکھا۔ مگر کمیٹی نے کوئی توجہ نہ کی۔ کمیٹی کو اُردو اسکول کی عمارت کے لئے ساڑھے تین ہزار روپیہ مدت ہوئی مل چکا ہے۔ لیکن کمیٹی نے اسکول کے نام پر زمین خرید کرا سے کرایہ پر لگادیا ہے۔ عمارت نہیں بنواتی البتہ اُس سے فائدہ اُٹھا رہی ہے۔

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۱۲۰ ہے۔ مسلم ملازمین ۶ ہیں۔ مسلم تناسب ۱/۲۰ -

تنخواہ :- کل اوسط ماہانہ تنخواہ ۲۱۱۶ روپیہ دی جاتی ہے۔ مسلم ملازمین کی کل تنخواہ بانوے ۹۲ روپیہ ماہانہ ہے ——— مسلم تناسب ——— ۱/۲۳ -

لائبریری :- ایک مرہٹی لائبریری ہے جسے کمیٹی ۲۵ روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے۔ کسی مسلم ادارے کو ایک پیسہ امداد نہیں ملتی ہے۔

فراہمی گوشت :- میونسپل حدود میں گائے ذبح کرنا ممنوع ہے۔ چھوٹے جانور پر فیس فی راس ۴ ہے۔ پہلے یہاں گائے ذبح ہوا کرتی تھی۔ مذبح موجود ہے۔

مرتضےٰ پور (ضلع اکولہ) میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۱۱۵۴۱۔ مسلم آبادی ۲۸۲۱ —— مسلم تناسب ۱/۴۔

نیابت :- کل ممبران ۱۴ (منتخب ۹۔ باہمی انتخاب سے ۲۔ نامزد ۲۔ عہدیدار ۱) مسلم ممبر ایک (نامزد شدہ) —— مسلم تناسب —— ۱/۱۴۔

تعلیم :- پرائمری اسکول ۵ (مرہٹی لڑکیوں کا ایک۔ مرہٹی لڑکوں کا دو۔ اردو پرائمری اسکول دو) کل ماسٹر اور استانیاں ملا کر ۱۹ ہیں جن میں ۵ مسلمان ہیں۔

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۹۸ ہے۔ جن میں ۷ مسلمان ہیں۔ مسلم تناسب ۱/۱۴

تنخواہ :- ماہانہ اوسط تنخواہ ۲۲۵۰ روپیہ تقسیم ہوتی ہے۔ اس میں سے کل مسلم ملازمین کو ۱۸۱ ماہانہ ملتا ہے —— مسلم تناسب —— ۱/۱۱

امداد :- کمیٹی آریہ سماج ایورویدک ڈسپنسری کو ڈیڑھ سو روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے اور پاٹ شالہ کو بھی سو روپیہ گرانٹ دینا منظور کیا تھا مگر حکومت نے مسترد کر دیا کسی مسلم ادارے کو ایک پیسہ گرانٹ نہیں ملتا۔

فراہمی گوشت :- چھوٹے جانوروں پر ۱ر فی راس اور سینگ دار پر ۸ر فی راس فیس ہے۔ مگر سینگ دار کے لئے قیود ایسی ہیں کہ ذبح کرنا ناممکن ہے۔ بچھڑا نہو۔ نسیر ور نہو۔ جوان نہو۔ عمر رسیدہ نہو۔ گائے قطعاً ذبح نہیں ہو سکتی۔

ہندو ذہنیت :- (۱) کانگریسی اکثریت نے آتے ہی میونسپل کمیٹی کے

سات پرانے مسلم ملازمین پر ہاتھ صاف کیا۔ مڈاچپراسیوں اور دو ماسٹروں کو یہ کہہ کر نکالا کہ کام تشفی بخش نہیں ہے۔ ایک ٹیکہ لگانے والے کو کہ گنجائش نہیں ہے اور ایک بل کلکٹر سے جبراً استعفا دلوایا گیا۔ ان میں سے پانچ جگہوں پر ہندو مقرر کر لئے گئے۔ تخفیف کے بہانے ملازمین کی تنخواہ میں رقم کاٹی گئی اس طرح کہ ہندو ملازمین کی تنخواہ میں سے برائے نام اور مسلم ملازمین کی تنخواہ میں سے کافی۔ زیادہ سے زیادہ جو رقم ہندو ملازم کی تنخواہ میں سے کاٹی گئی ہے وہ دس فی صدی ہے برخلاف اسکے مسلم ملازم کی تنخواہ میں سے تینتیس ۳۳ فی صدی تک رقم کاٹی گئی ہے۔

قبرستان:۔ ۱۹۳۶ء میں کمیٹی نے سبارک پور میں مسلمانوں کو قبرستان کے لئے زمین دی تھی۔ اپریل ۱۹۳۹ء میں کانگریسیوں نے ایک ہندو لڑکی کی لاش لاکر یہاں دفن کر دی۔ اب یہ کہا جارہا ہے کہ یہ "مشترکہ قبرستان" ہے۔ اور مسلمانوں کے تمام شور اور احتجاج اور ثبوت کو نظر انداز کیا جارہا ہے۔ اسی طرح ایک اچھی خاصی بڑی مسجد کی عمارت میں توسیع کے لئے جب درخواست دی گئی تو یہ جواب ملا کہ یہاں مسجد نہیں عربی مدرسہ کی طرف سے درخواست دو۔ تب اجازت ملیگی۔ حالانکہ اس مسجد کے سامنے نماز کے وقت باجہ بجانا ممنوع ہے۔

باسم (ضلع اکولہ) میونسپل کمیٹی:۔

آبادی:۔ کل آبادی ۱۴۹۰۴۔ مسلم آبادی ۴۱۲۱۔ مسلم تناسب ۱/۳ سے کم

نیابت:۔ کل ممبران ۱۶ (منتخب ۹۔ باہمی انتخابات ۳۔ نامزد ۲۔ عہدیدار ۲) مسلم ممبران ۲ (نامزد ۱۔ عہدیدار ۱۔ دونوں نے کانگریسی حلف لیا) مسلم تناسب ۱/۸۔

تعلیم:۔ پرائمری اسکول ۵ (مرہٹی ۳۔ اردو ۲) مڈل اسکول ۲۔ ایک انگلش ایک مرہٹی۔ کل ماسٹروں کی تعداد ۲۳ ہے۔ جس میں مسلمان ۹ ہیں۔

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۱۱۲ ہے۔ مسلم ملازمین ۱۸۔ مسلم تناسب - ۱/۶
تنخواہ :- ماہانہ اوسط تنخواہ ۲۲۱۲ روپیہ۔ مسلم ملازمین کو اس میں سے چار سو اکیاون روپیہ ماہانہ ملتا ہے۔ مسلم تناسب ــــ ۱/۵ ۔

فراہمی گوشت :- سینگ دار جانور پر فیس ۶ر فی راس ہے اور چھوٹے جانور پر ۲ر فی راس۔ لائسنس فیس دو روپیہ ہے۔

امداد :- کمیٹی جماعتی اداروں کو نوّے روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے۔ اس میں سے صرف دس روپیہ سالانہ مسلم ادارے کو ملتا ہے۔

اکوٹ (ضلع اکولہ) میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۱۸۴۰۰۔ مسلم آبادی ۴۵۵۰۔ مسلم تناسب ــــ ۱/۴
نیابت :- کل ممبران ۱۶ (منتخب ۱۰۔ باہمی انتخاب سے ۲۔ نامزد ۲۔ عہدیدار ۲) مسلم ممبران ایک (منتخب شدہ) ــــــــ مسلم تناسب ــــــ ۱/۱۶ ۔
تعلیم :- پرائمری اسکول ۶۔ (مرہٹی ۴۔ اردو ۲) ۔ کل ماسٹروں کی تعداد ۳۱ ہے۔ مسلم ماسٹر ۶ ہیں۔

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۱۳۹ ہے۔ مسلم ملازمین ۹ ہیں۔ مسلم تناسب - ۱/۱۵
تنخواہ :- ماہانہ اوسط تنخواہ ۲۶۵۴ روپیہ تقسیم ہوتی ہے۔ اس میں سے کل مسلم ملازمین کو ۳۷۵ ماہانہ ملتا ہے ــــــــ مسلم تناسب ــــــ ۱/۷
روئی بازار میں ایک بھی مسلمان ملازم نہیں ہے۔

لائبریری :- کمیٹی کورونیشن لائبریری کو سنو روپیہ اور یادھوجی لائبریری کو پچاس روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے۔ اس میں اردو اخبارات یا کتابیں نہیں ہیں۔ مسلم لائبریری کو جو واحد اردو لائبریری ہے پچاس روپیہ سالانہ امداد ملتی ہے۔

فراہمی گوشت: - سینگ دار جانور پر ۴ر فی راس اور چھوٹے جانور پر ۲ر فی راس فیس لی جاتی ہے - اور سالانہ پانچ روپیہ فی دوکان لائسنس فیس ہے - چھوٹے گوشت کے لیے بازار کمیٹی کی طرف سے ہے - بڑے کے لئے قصابیوں نے خود بنایا ہے - ہندوؤں کی طرف سے برابر ایجی ٹیشن جاری ہے کہ بڑے گوشت کی دوکانیں اٹھادی جائیں -

امداد: - کمیٹی ایک ہزار پچاس روپیہ سالانہ امداد جماعتی اداروں کو دیتی ہے - اس میں سے صرف پچاس روپیہ مسلم لائبریری کو ملتے ہیں -

کارنجہ (ضلع اکولہ) میونسپل کمیٹی :-

آبادی: - کل آبادی ۱۶۶۱۵ - مسلم آبادی ۵۳۷۴ - مسلم تناسب $\frac{1}{3}$ کے قریب -

نیابت: - کل ممبران ۱۲ - (منتخب ۹ - باہمی انتخاب سے ۲ - نامزد ۲) مسلم ممبر ایک نامزد شدہ (کانگریس حلف لینے کے بعد نامزد کئے گئے) مسلم تناسب $\frac{1}{12}$ -

تعلیم: - پرائمری اسکول ۵ - (مرہٹی ۳ - اردو ایک - گجراتی ایک) گرل انگلش مڈل اسکول ایک - مرہٹی مڈل اسکول ایک - گجراتیوں کی آبادی مشکل سے ..سو کے قریب ہے جنکے لیے ایک پرائمری اسکول ہے اور ایک تہائی اردو بولنے والی آبادی کے لئے ایک ہی پرائمری اسکول ہے - کل ماسٹروں اور اُستانیوں کی تعداد ۲۲ ہے - ان میں سے آٹھ مسلمان ہیں -

ملازمین: - کل ملازمین کی تعداد ۱۱۱ ہے - جس میں ۱۴ مسلمان ہیں - مسلم تناسب - $\frac{1}{8}$ -

تنخواہ: - کل تنخواہ ماہانہ اوسط اٹھارہ سو روپیہ تقسیم ہوتی ہے - اس میں سے

مسلم ملازمین کو کل ملا کر ۳۰۴ روپیہ ماہانہ ملتا ہے۔ مسلم تناسب - ۱/۴ -

لائبریری :- مرہٹی ہندی لائبریری "سرسوتی واچنالیہ" کو کمیٹی سو روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے۔ نہ اس میں اردو کتابیں ہیں نہ اخبارات۔

امداد :- کمیٹی مختلف جماعتی اداروں کو ساڑھے تین سو روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے۔ کسی مسلم ادارے کو کوئی امداد نہیں ملتی۔

فراہمی گوشت :- سینگ دار جانور پر فیس فی راس ۴ر ہے۔ یہاں چونکہ چھوٹے جانوروں کو ذبح کرنے اور بیچنے والے زیادہ ہندو ہیں اسلئے بمقابلہ دوسری میونسپلٹیوں کے چھوٹے جانور پر فیس کم ہے یعنی ۱ر فی راس۔ اتوار کے بازار میں بڑے کا گوشت بیچنے کی جگہ بہت ہی کنارے اور گندگی اور کوڑے کرکٹ کے پاس دی گئی ہے۔ مگر فی دوکان بازار ٹیکس ان قصابوں سے ۴ر لیا جاتا ہے۔ پہلے ۲ر لیا جاتا تھا مگر اب کانگریسی قوم پرستوں کی اکثریت نے ۴ر کر دیا ہے۔ اسکے مقابلہ میں چھوٹے جانوروں کے گوشت بیچنے والے چونکہ زیادہ تر ہندو ہیں اسلئے ان سے بازار ٹیکس فی دوکان ۱ر جو پہلے تھا وہی لیا جاتا ہے۔ کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔ اتوار کے سوا اور روز گائے کے گوشت بیچنے کی جگہ ایک کہنہ شکستہ عمارت میں ہے۔ لیکن چھوٹے جانوروں کے گوشت کی فروخت کے لئے ہندو گوشت فروشوں کی خاطر نئی عمارت بنا دی گئی ہے۔ حالانکہ کمیٹی کو گائے کے گوشت کے دوکانوں کے کرایہ سے بمقابلہ چھوٹے جانوروں کی دوکانوں کے کرایہ کے دوگنی آمدنی ہوتی ہے۔ اسی طرح چھوٹے جانوروں کا مذبح (کمیلہ) اچھی جگہ ہے اور صفائی قلعی کا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ برخلاف اس کے گائے کے لئے شہر سے باہر ایک جگہ مقرر کر دی گئی ہے وہیں ذبیحہ ہوتا ہے۔ کوئی مذبح بنا ہوا نہیں ہے حالانکہ گائے کے ذبیحہ سے کمیٹی کو ۵۰۰ سالانہ آمدنی ہوتی ہے۔ چھوٹے جانوروں کے ذبیحہ سے صرف ۱۵۰ سالانہ ان تمام امتیازی سلوک کے علاوہ بڑے جانوروں کے لئے ذبح

کی جگہ تک جانور لیجانے کے لئے سخت قیود ہیں۔ راستہ پیچیدہ۔ خراب اور طویل ہے۔ مقررہ راستہ کے سواد وسرا راستہ اختیار کرنا ممنوع ہے۔ یہ بھی شرط ہے کہ جانور کو بغیر رسّی لگائے لیجانا چاہیئے۔

ہندو ذہنیت:۔ تعصّب اور مسلم دشمنی کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:۔

(۱) ۱۹۳۵ء کے انتخاب سے پہلے مقامی مسلمانوں اور مقامی کانگریس کمیٹی کے درمیان تحریری معاہدہ ہوا جسکی رو سے مقامی کانگریس کمیٹی نے جو کانگریسی امیدوار کھڑے کر رہی تھی مسلمانوں کی چند شرطوں کو پورا کرنے کا وعدہ کیا اور مسلمانوں نے وعدہ کیا کہ وہ کانگریسی امیدوار کو ووٹ دینگے۔ مسلمانوں نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اپنی طرف سے کوئی امیدوار کھڑا نہیں کیا اور مسلمانوں کو کانگریسی امیدوار کو ووٹ دینے کی ترغیب دی اور کامیاب بنایا۔ جب کانگریسی اکثریت کمیٹی پر قابض ہوگئی تو تحریری معاہدہ ردّی کا کاغذ ثابت ہوا اور گاندھوی صداقت کے پرستاروں نے ایک بھی شرط پوری نہ کی۔ یہ معاملہ مسٹر برج لال بیانی صدر برار صوبائی کانگریس کمیٹی کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے فرما دیا کہ مقامی کانگریس کمیٹی نے غلطی کی اُسے ایسا معاہدہ کرنا ہی نہ چاہیئے تھا۔

(۲) شہر میں بجلی کی روشنی آجانے کے بعد اکثر جگہ سرلالٹینیں مہیا کی جاتی ہیں۔ آٹھ مندروں اور تین مسجدوں میں ایسی روشنی مہیا کی جاتی تھی۔ نئی کمیٹی نے مندروں کو تو نہ چھیڑا۔ لیکن ایک مسجد اور ایک درگاہ کے سامنے سے لالٹینیں نکلوالیں۔

(۳) نئی کمیٹی نے آنے کے بعد سے اخیر ۱۹۳۹ء تک جتنے نئے تقرر کئے سب ہندوؤں کے کئے ہیں۔

(۴) کمیٹی کے بہت پرانے ملازم محمد ابراہیم تھے۔ یہ اکونٹنٹ کے عہدہ پر تھے۔ انکی عمر ۴۸ سال کی ہے اور مدت ملازمت ۲۸ سال۔ انہیں پہلی اکتوبر ۱۹۳۹ء سے بہ جبر ریٹائر کر دیا گیا۔ یہ کہہ کر کہ یہ جگہ اڑا دی گئی ہے تخفیف اخراجات کے لئے۔ پہلے یہ کام ہیڈ کلرک

کو دیا گیا اور جب نہ چل سکا تو مدد کے لئے ایک بل کلکٹر دیا گیا۔ پھر بھی کام نہ نکلا تو کیشئیر کو اکوئنٹنٹ کا کام دیا گیا۔ اور مددگار بل کلکٹر کو کیشئیر کا۔ اور بل کلکٹر کی جگہ ایک نیا ہندو بل کلکٹر مقرر کر لیا گیا۔ اس طرح ایک پرانے مسلمان کو نکال کر دو ہندو کو ترقی دی گئی اور ایک نئے ہندو کے لئے جگہ بنالی گئی۔

(۵) اردو اسکول کے ہیڈ ماسٹر اور مرہٹی اسکول کے ہیڈ ماسٹر کی اسناد اور تنخواہ کا اسکیل برابر ہے۔ لیکن اردو اسکول کے ہیڈ ماسٹر کو ۲۹ روپیہ ملتا ہے۔ اور مرہٹی اسکول کے ہیڈ ماسٹر کو خاص نوعیت کے بہانہ ۴۲ روپیہ دیا جاتا ہے۔

اردو اسکول کی جگہ مرہٹی اسکول۔ (۶) جولائی ۱۹۳۶ء میں کمیٹی کی ہندو اکثریت نے اردو مڈل اسکول کو جو ایک عرصہ سے قائم تھا توڑ دیا۔ وجہ یہ بتائی کہ لڑکے کم ہیں حالانکہ تینوں کلاسوں میں کل ملا کر ۴۳ لڑکے موجود تھے۔ اسکول سشن کے درمیان میں توڑا گیا وہ بھی بلا نوٹس۔ اصل سبب یہ تھا کہ اپریل ۱۹۳۶ء میں ایک مرہٹی مڈل اسکول ایک کلاس یعنی درجہ پنجم کے ساتھ قائم کیا گیا۔ اردو مڈل اسکول توڑنے کے بعد اس اسکول کا سارا اسامان اور فرنیچر مرہٹی مڈل اسکول کے حوالہ کردیا کردیا گیا۔

(۷) ماسٹروں کے بار بار کی درخواست متعلق ترقی و اضافہ تنخواہ کے جواب میں کمیٹی نے ایک گشتی مراسلہ نکال دیا کہ اس معاملہ پر کوئی غور نہیں کیا جائیگا۔ مدرسین ایسی درخواستیں نہ بھیجیں لیکن اس گشتی مراسلہ کے ذریعہ دوسروں کو چپ کرنے کے بعد ایک ماسٹر مسٹر کھرے کو جو سکریٹری میونسپل کمیٹی کے عزیز ہیں ترقی دی گئی اور انکے بعد دوسرے ماسٹر مسٹر ڈانگے نے درخواست دی اور انکو بھی ترقی دی گئی۔

(۸) جسمانی ریاضت کے لئے کمیٹی نے "بلونت ویام شالہ" قائم کر رکھا ہے۔ سوائے ہندوؤں کے کوئی اس سے فائدہ اٹھا نہیں سکتا۔ اسلئے کہ غیر ہندوؤں کو وہاں تو سکھانے

والا کچھ بتاتا نہیں پھر سلوک اور طریقہ ایسا اختیار کیا جاتا ہے کہ وہ عاجز آکر خود ہی چھوڑ دے۔

(۹) ۱۹۳۸ء میں اردو اسکولوں کے حالات کی تحقیقات کے لئے کمیٹی نے ایک سب کمیٹی مقرر کی۔ ان کانگریسی ممبروں نے رپورٹ دی کہ دو مسلمان ماسٹر عبدالرحمن اور شیخ حسین کو خدمات سے سبکدوش کر دیا جائے۔ انہوں نے ڈی۔سی کے پاس اپیل کی۔ وہاں سے ضابطہ کی خامی کی بنا پر نئے سرے سے تحقیقات کرنے کا حکم دیا۔ ان دونوں ماسٹروں نے اس عرصہ میں کانگریس کی طرف سے ہلڑ مچانے کا کام اپنے ذمہ لے لیا اور اگر کسی جلسہ میں کسی مسلمان نے کانگریس کے خلاف کچھ کہا تو یہ شور مچانے اور تردید کو موجود ہوگئے۔ اس کا صلہ یہ ملا کہ ڈی۔سی کے حکم کو ۲ مہینہ ہوگئے اور برطرفی کی تجویز خود کمیٹی کی تھی مگر اخیر ۱۹۳۹ء تک ان دونوں کے خلاف کوئی کارروائی کمیٹی نے نہیں کی تحقیقات معلق معطل کر دی گئی۔

(۱۰) ان حالات سے عاجز آکر واحد کانگریسی مسلمان نامزد ممبر مسٹر زین الدین نے کانگریس اور کمیٹی دونوں سے استعفا دیدیا۔ انکی جگہ ایک ایسے شخص کو جو پہلے کانگریس کا مخالف تھا کانگریس حلف نامہ پر دستخط لیکر نامزد کر دیا گیا۔

(۱۱) اردو اسکول کی ابتر حالت اور کمیٹی کی ناتوجہی دیکھ کر اردو اسکول کے ہیڈ ماسٹر مسٹر شیخ جی نے ہیڈ ماسٹری سے استعفیٰ دیدیا۔ انکی جگہ محمد خاں ہیڈ ماسٹر بنائے گئے انھوں نے بھی استعفا دیدیا کہ پڑھانے کو تیار ہیں مگر اس فضا میں ہیڈ ماسٹری کی ذمہ داری لینے کو تیار نہیں جہاں کوئی شنوائی اور پرساں حال نہو اور جو اب بھی موجود ہے۔

بلڈانہ میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۷۵۰۴ - مسلم آبادی ۱۴۲۰ ---- مسلم تناسب ۱/۵ سے زائد۔

نیابت :- کل ممبران ۱۷ (منتخب ۹ - باہمی انتخاب سے ۳ - نامزد ۳ - عہدیدار ۲)-
مسلم ممبر ایک (نامزد شدہ) ——— مسلم تناسب $\frac{1}{17}$ -

تعلیم :- اردو اور مرہٹی کا ایک مشترک پرائمری اسکول ہے - اسکول میں ۱۶ کمرے ہیں جس میں سے ۱۲ مرہٹی کے لئے ہیں اور چار اردو کے لئے - کمروں کی کمی کی وجہ سے سیکشن نہیں بنائے جا سکتے حالانکہ پہلے درجے میں ساٹھ لڑکے ہیں - جبریہ تعلیم رائج ہے مگر افسر حاضری مسلمانوں کی طرف سے غفلت برتتے ہیں -

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۹۷ ہے جس میں مسلمان ۲۴ ہیں - مسلم تناسب $\frac{1}{4}$ سے کم (۲۵ بھنگیوں میں ۱۹ مسلمان ہیں) -

تنخواہ :- ماہانہ اوسط تنخواہ ۲۲۲۷ روپیہ تقسیم ہوتی ہے - اس میں سے مسلم ملازمین کو ۳۰۴ روپیہ ماہانہ ملتا ہے - مسلم تناسب $\frac{1}{7}$ -

امداد :- کمیٹی ۹۸۵ روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے - مسلم ادارے کو کچھ نہیں ملتا -

فراہمی گوشت :- سینگ دار جانور پر فیس مذبح فی راس ۴ ہے اور چھوٹے جانور پر فی راس ۱ ہے - اپریل ۱۹۳۹ء میں ایک ہندو بہم پہونچایا گیا کہ وہ مذبح میں جھٹکا بھی کیا کرے - مسلمانوں کے احتجاج کرنے پر مذبح کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا - بڑا حصہ جس پر چھت بنی ہوئی ہے جھٹکے والے ہندو کے حوالہ کیا گیا اور چھوٹا حصہ جو کھلا ہوا ہے مسلمانوں کے لئے - مسلمان قصاب تقریباً ۵ جانور روزانہ ذبح کرتے ہیں اور ہندو جھٹکے والا ہفتہ بھر میں ایک جانور - ستمبر ۱۹۳۹ء کے بعد سے اس نے ایک جانور کا جھٹکا نہیں کیا - پھر بھی آرام دہ اور کشادہ جگہ اس کے لئے مخصوص ہے اور چھوٹی اور بلا چھت کا حصہ مسلمانوں کو دیا گیا ہے -

بلڈانہ ڈسٹرکٹ کونسل :-

نیابت :- کل ممبران ۳۱ (منتخب ۲۱ - باہمی انتخاب ۴ - نامزد ۵ - عہدیدار ۱)

مسلم ممبران ۲ (نامزد شدہ)۔

تعلیم:۔ اس کونسل کے حلقہ میں کل ۵۸ ۴ اسکول ہیں جن میں سے ۲۴ اسکول اردو کے ہیں کل ماسٹروں کی تعداد ۹۰۹ ہے جنمیں ۸۸ ماسٹر مسلمان ہیں۔

کھام گاؤں (ضلع بلڈانہ) میونسپل کمیٹی:۔

آبادی:۔ کل آبادی ۶۲ ۴ ۲۳ ۔ مسلم آبادی ۶ ۷ ۹ ۴ —— مسلم تناسب ۱/۴ سے زائد۔

نیابت:۔ کل ممبران ۱۸ (منتخب ۱۲ ۔ باہمی انتخاب سے ۳ ۔ نامزد ۳) مسلم ممبر ایک (منتخب) ———— مسلم تناسب ۱/۱۸ ۔

تعلیم:۔ پرائمری اسکول ۹ (لڑکوں کا مرہٹی اسکول ۶ ۔ لڑکیوں کا مرہٹی اسکول ایک اردو پرائمری اسکول ۲)۔ مرہٹی انگلش مڈل اسکول ایک۔ کل ماسٹر اور اُستانیوں کی تعداد ۷۰ ہے۔ اس میں سے مسلمان ماسٹروں کی تعداد ۱۲ ہے کمیٹی تعلیم پر ۲۷ ہزار روپیہ سالانہ خرچ کرتی ہے۔ اس میں سے اردو پر چار ہزار روپیہ سالانہ خرچ ہوتا ہے۔ ایک اردو اسکول جلال پورہ میں بہت قدیم ہے اسکی طرف سخت ناتوجہی برتی جاتی ہے۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں دوسرا اسکول ایک عارضی جھونپڑے میں قائم کیا گیا۔ اسکے بعد سے پانچ مرہٹی اسکولوں کی عمارتیں بن چکی ہیں لیکن اس اسکول کے لئے ہنوز روز اول ہے۔ ہر سال کمیٹی میں اسکی عمارت کے لئے مد مقرر کی جاتی ہے لیکن کبھی اسپر عملدرآمد نہیں کیا جاتا۔

ملازمین:۔ کل ملازمین کی تعداد ۳۱۷ (تین سو سترہ) ہے۔ مسلمان ۲۴ ہیں۔ مسلم تناسب ۱/۴ سے کم۔

تنخواہ:۔ کل ماہانہ اوسط تنخواہ چھ ہزار روپیہ تقسیم کی جاتی ہے۔ اس میں سے مسلمان ملازمین کو ۷۵۸ روپیہ ماہانہ ملتا ہے ——— مسلم تناسب ۔ ۱/۸ ۔

ہندو ذہنیت :۔ (۱) راشٹریا ہائی اسکول کو جہاں کسی غیر ہندو کا سایہ بھی نظر نہیں آئیگا اور جہاں تمام ہندو مراسم سختی اور پابندی کے ساتھ ادا کئے جاتے ہیں یوگ کی مشق بھی کرائی جاتی ہے۔ شیواجی۔ سرسوتی۔ ہنومان۔ گنیش وغیرہ کی مورتیاں رکھی ہوئی ہیں۔ ہر طرح کی امداد دی جاتی ہے۔ ٹیکس معاف کر دیا گیا۔ سالانہ امداد الگ دی گئی اور مین الکٹرک لائن سے چار فرلانگ تک صرف اس اسکول میں بجلی پہونچانے کے لیئے نئی لائن کمیٹی نے بچھوا دی۔

(۲) جسمانی ریاضت کے لیئے "ہنومان اکھاڑہ" میونسپل کمیٹی نے قائم کر رکھا ہے۔ اسکی عمارت میں ہنومان کی مورتی رکھی گئی ہے اور اس سے ملی ہوئی کھلی زمین راشٹریا سویم سیوک سنگھ کے حوالہ کر دی گئی ہے۔ انکے علاوہ متعدد خالص ہندو جماعتی اداروں کو گرانقدر امداد دی جاتی ہے۔

(۳) برخلاف ہندو اداروں کے مسلم اداروں کو امداد کی بجائے بھاری ٹیکسوں سے زیر بار کیا جارہا ہے۔ چنانچہ انجمن ہائی اسکول اور انجمن مفید الاسلام پر بھاری سالانہ ٹیکس لگائے گئے ہیں۔

(۴) قبروں کے متعلق قیود عائد کیئے گئے ہیں۔ قبروں کی لمبائی۔ چوڑائی۔ گہرائی کے متعلق اور لاش کی نقل و حمل کے متعلق ضوابط اور قواعد بنائے گئے ہیں جو سراسر مداخلت فی الدین ہے۔

(۵) گائے کے گوشت کے لانے اور لیجانے کے متعلق سخت قیود عائد کیئے گئے ہیں۔

کھمکر (ضلع بلڈانہ) میونسپل کمیٹی :۔

آبادی :۔ کل آبادی ۷۰۰۹۔ مسلم آبادی ۱۵۸۲۔ مسلم تناسب ــــ ۱/۵ سے زائد۔

نیابت :- کل ممبران ۱۴ - (منتخب ۱۰ - باہمی انتخاب سے ۲ - نامزد ۲)-
مسلم ممبر منتخب ایک ———— مسلم تناسب ۱/۱۴ -

تعلیم :- پرائمری اسکول دو (مرہٹی ایک - اردو ایک) - مرہٹی مڈل اسکول ایک - کل ماسٹروں کی تعداد ۱۹ ہے مسلم ماسٹر ۵ ہیں - مرہٹی ٹرینیڈ ماسٹروں کو اردو ٹرینڈ ماسٹروں سے زیادہ تنخواہ دی جاتی ہے - مڈل اسکول کی عمارت کا جو خرچ کاغذات میں بتایا گیا ہے وہ چودہ ہزار روپیہ ہے - اس وقت اسکی قیمت ۴ ہزار روپیہ لگ رہی ہے -

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد پچاس ہے - مسلمان ۷ - مسلم تناسب — ۱/۷

تنخواہ :- کل ماہانہ اوسط تنخواہ آٹھ سو ساٹھ روپیہ تقسیم ہوتی ہے - اس میں مسلمانوں کو ۱۲۳ روپیہ ماہانہ ملتا ہے - مسلم تناسب ———— ۱/۷ -

فراہمی گوشت :- سینگ دار جانور پر فیس ۸ / فی راس ہے چھوٹے جانور پر ۲ / فی راس - اگرچہ یہ فیس کمیٹی لیتی ہے مگر جانور میونسپل حدود سے باہر ذبح ہوتے ہیں گائے ذبح کرنے کے ممانعت کی تجویز کمیٹی نے منظور کی ہے - آسان طریقہ ذبیحہ بند کرنے کا یہ اختیار کیا جاتا ہے کہ جانور پاس نہیں کئے جاتے -

چکلی (ضلع بلڈانہ) میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۷۰۴۱ - مسلم آبادی ۱۷۷۴ - مسلم تناسب — ۱/۴

نیابت :- کل ممبران ۱۴ - (منتخب ۹ - باہمی انتخاب سے ۲ - نامزد ۲ - عہدیدار ایک) مسلم ممبر ایک - منتخب شدہ ———— مسلم تناسب ———— ۱/۱۴ -

تعلیم :- پرائمری اسکول تین (مرہٹی دو - اردو ایک) مڈل اسکول دو (مرہٹی ایک - اردو ایک) کل ماسٹروں کی تعداد بائیس ہے - مسلمان ماسٹر آٹھ ہیں -

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۳۴ ہے جس میں سے ۱۱ مسلمان ہیں — ۱/۳ -

تنخواہ :- ماہانہ اوسط تنخواہ سترہ سو روپیہ تقسیم ہوتی ہے۔ اس میں سے مسلمانوں کو کل تنخواہ ۲۹۵ ماہانہ ملتی ہے ———— مسلم تناسب ———— ۱/۶

لائبریری :- ایک مرہٹی لائبریری ہے اسکو ۷۵ روپیہ سالانہ امداد ملتی ہے۔

امداد :- کمیٹی نے مانگ بورڈنگ ہاؤس کو جس میں ۱۲ لڑکے ہیں پچاس روپیہ سالانہ اور مہار بورڈنگ ہاؤس کو جس میں پندرہ لڑکے ہیں سو روپیہ سالانہ امداد دینا منظور کیا ہے۔ لیکن مسلم بورڈنگ ہاؤس کے لئے جس میں بارہ لڑکے ہیں ایک پیسہ بھی امداد منظور نہیں کیا گیا ہے۔

ہندو ذہنیت (۱) اردو اسکول کی عمارت بہت خراب حالت میں ہے مرمت قلعی کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔ نہ اردو اسکولوں کو ضروری سامان چٹائیاں وغیرہ وقت پر دی جاتی ہیں۔

(۲) کانگریسی اکثریت نے آتے ہی مسلمان ٹیکہ لگانے والے اور مسلمان ٹریسر کو علیحدہ کر دیا۔

(۳) ۵ دسمبر ۱۹۳۸ء کے اسپیشل اجلاس میں کمیٹی نے یہ تجویز منظور کی کہ میونسپل کے تمام ملازمین کو گاندھی ٹوپی پہننی چاہیئے اور گشتی مراسلہ اسکولوں کے تمام مدرسوں کے نام بھی بھیجا گیا۔

چند اور مقامات کے متفرق واقعات

لوکل باڈیز میں سراسر ہندو غلبہ ہونے کے سبب اعداد شمار کی فراہمی میں بڑی مشکلات پیش آئیں۔ ہر جگہ عہدیداروں اور ذمہ دار عملے کے تقریباً کل کے کل ہندو ہونے کے باعث دقتوں اور مزاحمتوں کا سامنا رہا۔ اسلئے اکثر جگہ کے اعداد و شمار دستیاب نہ ہو سکے اور اکثر جگہ کے نامکمل ملے۔ جن مقامات کے اعداد شمار صحیح اور مکمل دستیاب ہوئے وہ قائم

کردہ ترتیب کے مطابق صفحات ماقبل میں درج کر دیے گئے ہیں۔ متعدد دیگر مقامات کے اعداد و شمار مکمل طور پر تو نہیں ملے لیکن بعض مجمل معلومات مہیا ہو گئیں۔ ان مقامات کے وہ واقعات جنکی مستند ذرائع سے تصدیق کی جا چکی ہے درج ذیل ہیں۔ اسلئے کہ یہ واقعات بھی ہندو اکثریت اور کانگریسی ذہنیت کے آئینہ دار ہیں:۔

ساگر (میونسپل کمیٹی):۔

آبادی:۔ کل آبادی ۳۹۸۲۲۔ مسلم آبادی ۷۶۳۲ — مسلم تناسب ⅕ سے زاید۔

نیابت:۔ کل ممبران ۱۲ (منتخب ۱۳۔ باہمی انتخاب سے ۳۔ نامزد ۳۔ عہدیدار ۲)۔ مسلم ممبران ۳ (منتخب ایک۔ نامزد ایک۔ عہدیدار ایک۔ عہدیدار اس مسلمان کو چنا گیا جسے گذشتہ مسلم حلقہ انتخاب سے کانگریس ٹکٹ پر کھڑے ہونے کے باعث لیگ کے امیدوار کے مقابلہ میں بری طرح شکست ہوئی تھی)۔ مسلم تناسب ½۔

تعلیم:۔ پرائمری اسکول بارہ ہیں (لڑکوں کے نو۔ لڑکیوں کے تین)۔ ان میں سے دو اردو پرائمری اسکول لڑکوں کا ہے اور ایک لڑکیوں کا۔ ایک ہندی مڈل اسکول اور ایک میونسپل ہائی اسکول ہے۔ ہائی اسکول میں پچیس ماسٹر ہیں جن میں سے صرف دو مسلمان ہیں۔ فارسی پڑھانے کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اردو پرائمری گرل اسکول میں استانیوں کی بجائے مرد ماسٹر پڑھاتے ہیں۔ سنیچری اور گوپال گنج میں مسلم آبادی کافی ہے۔ ان محلوں کے لوگ دو سال سے پرائمری اسکول کھولے جانے کے متعلق درخواستیں دے رہے ہیں مگر کوئی توجہ نہیں ہوتی۔ اسکے برخلاف ہندی کے چار پرائمری لڑکیوں کے اسکول ہوتے ہوئے بھی کمیٹی نے لڑکیوں کے دو ہندی پرائمری اسکول ہندو محلوں کے باشندوں کے اشارے پر فوراً کھول دیئے۔ کارپینٹری اسکول میں

مسلمان بچوں کا داخلہ بہت ہی پُر فریب طریقہ پر ممنوع قرار دیا گیا۔ شرط داخلہ یہ ہے کہ لڑکا یا تو ساتویں ہندی پاس ہو یا تیسری انگریزی یعنے ساتویں اردو پاس شدہ لڑکا اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔

بندے ماترم:۔ میونسپل ہائی اسکول میں بندے ماترم کا گانا لازمی قرار دیا گیا۔ مسلم بچوں کے احتجاج کرنے پر کمیٹی نے یہ تجویز منظور کی کہ جو لڑکے ہیڈ ماسٹر کا کہنا نہ مانیں اُنہیں سزا دی جائے۔ صدر میونسپل کمیٹی نے مسلمان لڑکوں کو دھمکی دی کہ اگر وہ بندے ماترم نہیں گا سکتے تو اُنہیں اسکول سے نکال دیا جائے گا۔

فراہمی گوشت:۔ سینگ دار جانور کے متعلق کمیٹی نے یہ قید لگا رکھی ہے کہ ایک روز دس جانور سے زیادہ ذبح نہیں کئے جا سکتے۔ اگرچہ ذبح کرنے کی فیس لی جاتی ہے مگر مذبح بہت دور اور خراب حالت میں ہے۔ میونسپل حدود کے اندر مسلمانوں کے محلّے میں گوشت کی دوکانیں بنانے کی منظوری دینے سے کمیٹی برابر گریز کرتی چلی آرہی ہے۔

دیسی دواخانے:۔ ۱۹۳۷ء میں کمیٹی نے یہ تجویز منظور کی کہ یونانی اور ویدک شفاخانے کھولے جائیں۔ ۱۹۳۸ء میں ویدک دواخانہ تو کھول دیا گیا مگر اخیر ۱۹۳۹ء تک یونانی دواخانے کے لئے کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔

قبرستان:۔ کمیٹی نے مسلمانوں کے قبرستان کے درمیان سے ایک عام سڑک نکال دی۔ مسلمانوں نے احتجاج کیا مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ مجبوراً حکام بالا کے پاس اپیل کرنی پڑی۔

ملازمتیں:۔ کمیٹی کے کسی بڑے یا ذمہ دار عہدے پر کوئی مسلمان ملازم نہیں ہے۔ نہ کلرکوں کے اسٹاف میں کوئی مسلمان ہے۔

اردو دشمنی:۔ اردو میں لکھی ہوئی درخواستیں اور کاغذات لینے سے صاف

کر دیا جاتا ہے۔

ساگر ڈسٹرکٹ کونسل:۔ اِس کونسل کے تحت لڑکوں کے ۸۰ پرائمری اسکول ہیں جو سب کے سب ہندی کے ہیں۔ اردو کا ایک بھی نہیں۔ حالانکہ دیوری راحت گڑھ اور گڑھا کوٹا ایسے مقامات ہیں جہاں مسلم آبادی کافی ہے اور مدت سے اُردو اسکول کی ضرورت کے متعلق لکھا جا رہا ہے۔ دیوری کے لئے کونسل نے صرف سو روپیہ سالانہ کی منظوری دی ہے۔

کھرئی میونسپل کمیٹی:۔

اس کمیٹی نے سینگ دار جانوروں پر ذبح کی فیس فی راس ایک روپیہ مقرر کر دی ہے۔ یہ دیہاتی علاقہ ہے اور مسلمان کم اور بہت غریب ہیں۔

دموہ میونسل کمیٹی:۔

آبادی:۔ کل آبادی ۲۰۰۲۸۔ مسلم آبادی ۳۵۹۷ ——— مسلم تناسب $\frac{1}{6}$ کے قریب۔

نیابت:۔ کل ممبران ۱۷۔ مسلم ممبر ۲ ——— مسلم تناسب $\frac{1}{8}$ کے قریب۔ (دو مسلمان ممبروں سے ایک نامزد شدہ ہیں اور ایک کانگریس ٹکٹ پر ہندو ووٹوں سے منتخب ہوئے)۔

تعلیم:۔ اُردو کے دو اسکول ہیں ایک لڑکوں کا اور ایک لڑکیوں کا۔ لڑکوں کے اُردو پرائمری اسکول میں ۹ ماسٹر ہیں جن میں سے صرف چار اردو ٹرینڈ ہیں۔ بقیہ پانچ میں سے تین ہندی ٹرینڈ ہیں اور دو اَن ٹرینڈ ہیں۔ لڑکیوں کے اردو پرائمری اسکول میں ۸۰ لڑکیاں پڑھتی ہیں۔ ایک اَن ٹرینڈ ماسٹر اور ایک ان ٹرینڈ معلمہ کل

دو آدمیوں کا اسٹاف ہے۔ لڑکیوں کا اسکول ایک مسلمان کی عمارت میں ہے۔ یکم اپریل ۱۹۳۹ء سے اسکا کرایہ دینا بھی کمیٹی نے بند کر دیا ہے۔ مڈل اسکول میں ایک اردو ماسٹر ۱۹۳۲ء میں چالیس روپیہ ماہانہ پر مقرر کیا گیا۔ ایک سال کے بعد یہ جگہ اڑا دی گئی۔ مسلمانوں کے شور مچانے پر دو ماہ بعد اسی ماسٹر کو تیس روپیہ ماہانہ پر ملازم رکھا گیا۔ ٹریننگ کے بعد ہندو ماسٹروں کو فوراً پانچ روپیہ کی ترقی دی گئی۔ لیکن مسلمان ماسٹر کو ٹریننگ کے ایک سال کے بعد صرف دو روپیہ کی ترقی اور دوسرے مسلمان ماسٹر کو جو ۱۹۳۹ء میں ٹریننگ سے واپس آئے کوئی ترقی نہیں دی گئی۔ مڈل اسکول میں اردو ماسٹر کے تقرر کے متعلق ۱۹۲۹ء سے کوشش کی جا رہی ہے۔ ۱۹۳۸ء میں ۱۵ لڑکوں نے اپنی دستخطوں سے وزیر اعظم کو درخواست دی تاکہ لڑکوں کی قلت کا سوال نہ پیدا ہو جائے۔ مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔

فراہمی گوشت:۔ میونسپل حدود کے اندر گائے کے گوشت کا فروخت کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں فروخت کرنے والوں کو فوراً چالان کر دیا جاتا ہے۔

ملازمت:۔ میونسپل کمیٹی میں ایک بھی مسلمان ملازم نہیں ہے۔

ہندو ذہنیت:۔ (۱) تین ہندی لائبریریوں کو کمیٹی کی طرف سے امداد ملتی ہے۔ لیکن واحد اردو لائبریری غوثیہ لائبریری کو کوئی امداد نہیں دی جاتی۔ (۲) ہندوؤں کے مفاد کے لئے کمیٹی کی چیزیں وقف ہیں۔ (الف) جٹا شنکر کے میلہ کے لئے کمیٹی نے دو فرلانگ تک پائپ لگا دئے۔ (ب) دیوی جی کے مندر تک سڑک بنوا دی گئی اور روشنی فراہم کی گئی۔ (ج) اناتھ الیہ کو وسیع اراضی زمین معمولی قیمت پر دیدی گئی۔ لیکن ایسی کوئی بھی سہولت کسی مسلم ادارے یا مسلم اجتماع کے لئے روا نہ رکھی گئی۔ (۳) ڈسٹرکٹ کونسل کی عمارت پر "اوم" کندہ کیا گیا ہے۔ (۴) اسکول کا

سامان پہلے دو مسلمانوں کی دوکان سے خریدا جاتا تھا مگر پریسیڈنٹ میونسپل کمیٹی نے سرپواستو اسٹورز کے نام سے اسٹیشنری وغیرہ کی دوکان صرف اس لئے کھولی کہ مسلمان دوکاندار کو نقصان پہونچا کر خود فائدہ اُٹھایا جائے۔ کمیٹی کے صدر ہونے کے اثر کو استعمال کرکے سامان اسی دوکان سے خریدنے کا انتظام کرلیا گیا ہے۔ (۵) ایک میونسپل کانگریسی ممبر مسٹر سرنرائن ٹنڈن کے یہاں شادی کی تقریب کے سلسلہ میں تمام میونسپل اسکول بند کردئے گئے تاکہ بارات اسکولوں کی عمارت میں ٹھہرائی جاسکے۔ بہانہ یہ بنایا گیا کہ اس روز ودردھا اسکیم سمجھائی جائے گی۔ مگر یہ سب کچھہ نہیں ہوا۔ یہ کیا اتفاق ہے کہ جس روز بارات آکر اسکولوں میں ٹھہرنیوالی تھی اُسی روز وردھا اسکیم کے سمجھانے کی ضرورت پیش آئی۔

جبلپور (میونسپلٹی):-

آبادی:- کل آبادی ۱۰۴۳۱۷۔ مسلم آبادی ۲۴۶۴۷ ـــــ مسلم تناسب ۱/۴ کے قریب۔

نیابت:- کل ممبران کی تعداد ۳۵ ہے (منتخب ۲۳۔ باہمی انتخاب سے ۵۔ نامزد ۶۔ عہدیدار ایک) ان میں سے مسلمانوں کی تعداد ۵ ہے (چار منتخب ایک باہمی انتخاب سے) ـــــــــ مسلم تناسب ــــ ۱/۷۔

امداد:- میونسپل کمیٹی جماعتی اور فرقہ وارانہ اداروں کو تقریباً پندرہ ہزار روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے۔ اس میں سے مسلم اداروں کو ۲۳۰۰ روپیہ سالانہ ملتا ہے ہتکارنی ہائی اسکول کو جو ایک ہندو اسکول ہے ۲۳۰۰ سالانہ امداد دی جاتی ہے۔ گجراتی سنسکرت پاٹ شالہ کو ۱۵۰۰ روپیہ سالانہ امداد دی جاتی ہے۔ کرائسٹ چرچ ہائی اسکول کو جو عیسائیوں کا اسکول ہے ۱۵۰۰ سالانہ امداد دی جاتی ہے۔ اسکے مقابلہ میں مسلمانوں

کے انجمن اسکول کو صرف ۰۰ ۸ سالانہ امداد ملتی ہے۔

ملازمت:۔ میونسپل کمیٹی کے تحت مسلم ملازمین کی تعداد بہت کم ہے۔ ذمہ دار عہدوں پر ایک بھی مسلمان نہیں ہے۔ کسی مسلمان ملازم کی تنخواہ پچاس روپیہ مہینہ سے زیادہ نہیں ہے۔

بھنڈارہ:۔

اس قصبہ کی کل آبادی تقریباً سولہ ہزار ہے۔ جس میں سے دو ہزار مسلمان ہیں۔ یہاں بھی اردو کے ساتھ میونسپل کمیٹی کا وہی رویہ ہے جو اس صوبہ میں تقریباً ہر جگہ ہندو اکثریت نے اختیار کر رکھا ہے۔ اردو پرائمری اسکول میں لڑکوں کی تعداد زیادہ ہونے کے سبب مزید ماسٹر کی سخت ضرورت ہے۔ لیکن کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔ اگرچہ جبریہ تعلیم رائج ہے۔ لیکن مسلمان لڑکوں کی طرف حاضری افسر ناتوجہی سے کام لیتا ہے۔ قابل تعلیم مسلمان لڑکوں کو داخلہ میں مزاحمت کی جاتی ہے۔ ایک مرتبہ ایسے لڑکوں کی کافی تعداد کے داخلہ سے اس بنا پر انکار کر دیا گیا کہ انکی عمریں کم ہیں۔ جب رجسٹر پیدائش سے انکی عمروں کا ثبوت پیش کیا گیا تب مجبوراً انہیں داخل کیا گیا۔ مڈل انگلش اسکول کے اردو پڑھانے والے ماسٹر کو جو مستقل ماسٹر کے ٹریننگ کے لئے بھیجے جانے کے سبب عارضی طور پر کام کر رہے تھے تخفیف کے نام پر ہٹا دیا گیا۔ مسلمانوں کے احتجاج کرنے پر کچھ دنوں بعد پھر انکا تقرر کیا گیا۔ مگر انکی تنخواہ تیس روپیہ ماہانہ سے گھٹا کر بیس روپیہ ماہانہ کر دی گئی۔ میونسپل اسکولوں میں "بندے ماترم" کا گانا رائج کیا گیا اور جو لڑکے اس میں شریک نہ ہوتے تھے یعنے مسلمان لڑکے انہیں دن بھر کے لئے اسکول سے غیر حاضر قرار دیا جاتا تھا۔ مسلمانوں کے سخت احتجاج پر تقریباً ۲ ماہ بعد یہ طریقہ ترک کیا گیا۔ واحد اردو لائبریری کو سابق میں پچاس روپیہ سالانہ گرانٹ ملتا تھا۔ کمیٹی نے اسے بند کر دیا۔

انجمن ظفر الاسلام نے ۱۹۰۵ء میں لڑکیوں کا اردو پرائمری اسکول قائم کیا جو محکمہ تعلیم سے منظور شدہ بھی ہے۔ اس مدرسہ کو بڑی شکلوں سے ۳۷-۱۹۳۶ء میں کمیٹی نے اپنے انتظام میں لیا۔ لیکن عمارت انجمن ہی کی ہے۔ اور استانیوں کی ماہانہ تنخواہ ۶۵ روپیہ میں سے کمیٹی صرف پچاس روپیہ ماہانہ دیتی ہے پندرہ روپیہ ماہانہ انجمن کو دینا پڑتا ہے۔

ہندو نوازی :- ڈسٹرکٹ کونسل بھنڈارہ کے تحت ایک مسلمان مسٹر نذیر احمد اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ آف ویکسینیشن کے عہدہ پر کام کر رہے تھے۔ انہیں بلا وجہ اور بلا سبب اس عہدے سے معزول کر کے ویکسینیٹر بنا دیا گیا اور انکی جگہ مسٹر پوناجی نامی ایک ہندو کو یہ عہدہ دیا گیا۔ مسٹر پوناجی کے متعلق دو سول سرجنوں نے یہ رائے لکھی ہے کہ یہ اس عہدے کے اہل نہیں اور انھوں نے فرضی سفر خرچ بتلا کر کمیٹی سے زاید رقم وصول کر لی ہے۔ خود ڈسٹرکٹ کونسل نے سول سرجن کی رپورٹ پر مسٹر پوناجی کی تنخواہ میں کمی کرنے کی تجویز منظور کی تھی۔ لیکن ہندو ہونے اور کونسل کے ہندو صدر اور سکریٹری کے منظور نظر ہونے کے سبب یہ تجویز طاق نسیاں پر رکھی رہی۔ بعد میں صدر و سکریٹری نے کوشش کر کے کونسل سے ایسی تجویز منظور کرا لی کہ سابق تجویز بابت تنخواہ مسترد کی جائے اور انہیں اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ پر بحال کیا جائے۔ دو سول سرجنوں کی مستند رائے ہندو ہونے کی وجہ سے ایک نا اہل اور فریب دہی کے ملزم ملازم کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ اس سلسلہ میں صوبہ کی اسمبلی میں سوالات پیش کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے جنہیں اس بہانہ سے نامنظور کر دیا گیا کہ اس معاملہ کا تعلق خاص طور پر صوبہ کی حکومت سے نہیں ہے۔

رامٹیک (ضلع ناگپور) میونسپل کمیٹی :-

آبادی و نیابت :- کل آبادی تقریباً ۹ ہزار کی ہے۔ جس میں تقریباً ۵۵۰

مسلمان ہیں۔ کل ممبروں کی تعداد بارہ ہے۔ ان میں صرف ایک نامزد شدہ مسلمان ممبر ہے۔
تعلیم:۔ میونسپل کمیٹی کے تحت چار پرائمری اسکول اور ایک مڈل اسکول ہے۔ اُردو کا ایک بھی اسکول نہیں۔ کسی اسکول میں اُردو کا انتظام ہے۔ کمیٹی تقریباً ۲۸۰۰ روپیہ سالانہ تعلیم پر خرچ کرتی ہے اس میں سے ایک پیسہ بھی اُردو کی تعلیم پر خرچ نہیں کیا جاتا۔ کل ماسٹروں کی تعداد بیس ہے جس میں صرف ایک مسلمان ماسٹر ہے۔ کل ماسٹروں کو چھ سو ستر روپیہ ماہانہ تنخواہ ملتی ہے جس میں سے مسلمان کا حصہ صرف تینتیس روپیہ ماہانہ ہے۔
ملازمین:۔ کل ملازمین کی تعداد ۱۲۵ ہے جس صرف ۶ مسلمان ہیں۔ (ایک ماسٹر ایک الکٹرک سپرنٹنڈنٹ۔ ایک محرر اور تین چپراسی)۔
فراہمی گوشت:۔ سینگ دار جانور نہیں ذبح کیے جاتے ہیں۔ چھوٹے جانوروں پر فیس مذبح ۱۰/ فی راس ہے چھوٹے جانوروں کے ذبح کرنے اور بیچنے والے سب کے سب ہندو ہیں۔
امداد:۔ کمیٹی دیوستان گرھ مندر کو پانچسو روپیہ سالانہ اور ہندی مرہٹی لائبریری کو بارہ روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے۔ کسی مسلم ادارہ کو ایک پیسہ امداد نہیں ملتی۔

پل گاؤں (ضلع وردہا) میونسپل کمیٹی:۔

آبادی و نیابت:۔ کل آبادی ۵۴۸۷۔ مسلم آبادی ۸۱۷۔ مسلم تناسب ۱/۹ کے قریب۔ کل ممبروں کی تعداد ۱۴ ہے جس میں صرف ایک نامزد شدہ مسلمان ممبر ہے مسلم تناسب ۱/۱۴۔
تعلیم:۔ چار پرائمری اور دو مڈل اسکول ہیں۔ ایک مڈل اسکول ہندی کا اور ایک مرہٹی کا ہے۔ اردو پرائمری اسکول صرف ایک ہے۔ کل پچیس ۲۵ ماسٹر ہیں جن میں صرف دو ماسٹر مسلمان ہیں جو اردو اسکول میں ماسٹر ہیں۔ اردو اسکول پر کل اخراجات پچپن ۵۵ روپیہ ماہانہ ہیں۔
ملازمین:۔ کل میونسپل ملازمین میں سے صرف ایک چپراسی جسکو چھ روپیہ ماہانہ تنخواہ ملتی ہے مسلمان ہے۔ بقیہ سب غیر مسلم ہیں۔
فراہمی گوشت:۔ گائے ذبح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ دوسرے سینگ دار

جانوروں پر ۸ر فی راس فیس مذبح ہے۔ چھوٹے جانوروں پر فیس فی راس ۴ر ہے۔ اسکے علاوہ ہر دوکان کے لئے پانچ روپیہ سالانہ لائسنس ہے۔

لائبریری:۔ لائبریری پر ۵۰۴ روپیہ سالانہ خرچ کیا جاتا ہے۔ نو اخبارات اور متعدد رسالوں میں سے صرف ایک اردو کا اخبار آتا ہے۔

وَرُود (ضلع امراؤتی) میونسپل کمیٹی:۔

آبادی:۔ کل آبادی ۱۰۰۰۰۔ مسلم آبادی ۱۲۵۰ ــــ مسلم تناسب ــ $\frac{1}{8}$

نیابت:۔ کل ممبران ۱۴ (منتخب ۹ ۔ باہمی انتخاب سے ۲ ۔ نامزد ۲ ۔ عہدیدار ایک) مسلم ممبر ایک ــــــــ مسلم تناسب $\frac{1}{14}$ ۔

تعلیم:۔ کمیٹی تعلیم پر ۵۰۷۸ روپیہ سالانہ خرچ کرتی ہے جس میں سے اردو پر ۱۱۲۵ روپیہ سالانہ خرچ ہوتا ہے۔ کل ماسٹروں کی تعداد ۱۷ ہے۔ اس میں چار ماسٹر مسلمان ہیں۔

ملازمین:۔ کل ملازمین کی تعداد ۸۴ ہے۔ اس میں ۹ مسلمان ہیں۔ مسلم تناسب $\frac{1}{9}$ کے قریب۔

تنخواہ:۔ کل تنخواہ اوسط ایک ہزار روپیہ ماہانہ تقسیم ہوتی ہے جس میں سے دو سو روپیہ ماہانہ مسلم ملازمین کو ملتا ہے۔ مسلم تناسب $\frac{1}{5}$ ۔

سیندور جنا گھاٹ (ضلع امراؤتی) نوٹیفائڈ ایریا کمیٹی:۔

آبادی و نیابت:۔ کل آبادی ۸۰۰۰۔ مسلم آبادی ۱۰۰۰۔ کل ممبران ۱۲۔ مسلم ممبر ایک۔

تعلیم:۔ تین اسکول ہیں جن میں سے ایک اردو اسکول ہے۔ اٹھارہ ماسٹر ہیں جن میں سے ۴ ماسٹر مسلمان ہیں۔

فراہمی گوشت:۔ سینگ دار جانور پر فیس مذبح ۸ر فی راس اور چھوٹے جانوروں پر ۴ر فی راس ہے۔ لائسنس فیس پانچ روپیہ سالانہ ہے۔

مورسی (ضلع امراؤتی) میونسپل کمیٹی:۔

آبادی۔ کل آبادی ۹۵۰۰۔ مسلم آبادی ۱۷۰۰۔ مسلم تناسب ــــ $\frac{1}{5}$ کے قریب۔

نیابت:۔ کل ممبران ۱۶ (منتخب ۱۰ ۔ باہمی انتخاب سے ۲ ۔ نامزد ۲ ۔ عہدیدار ۲)۔

مسلم ممبر ایک (منتخب شدہ) ——— مسلم تناسب ——— $\frac{۱}{۱۴}$ -

تعلیم :- اردو کا ایک اسکول ہے۔ سالانہ تعلیم پر ۵۲۸۰ روپیہ خرچ ہوتا ہے اس میں سے اردو کی تعلیم پر سالانہ ۱۵۳۸۰ خرچ ہوتا ہے۔ کل مدرسین کی تعداد ۱۹ ہے اس میں ۶ ماسٹر مسلمان ہیں۔

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۴۹ ہے اس میں مسلم ملازمین کی کل تعداد ۸ ہے۔ مسلم تناسب $\frac{۱}{۶}$ -

تنخواہ :- کل تنخواہ ماہانہ اوسط ۱۴۵۰ روپیہ تقسیم ہوتی ہے۔ اس میں سے مسلم ملازمین کو ۱۲۰ ماہانہ ملتا ہے۔ مسلم تناسب $\frac{۱}{۱۱}$ -

فراہمی گوشت :- سینگ وار جانوروں پر فیس مذبح ۴ر اور چھوٹے جانوروں پر ۲ر ہے۔ لائسنس فیس فی دوکان سات روپیہ آٹھ آنہ ہے۔ اگرچہ مذبح سے کمیٹی کو ڈھائی سو روپیہ سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے مگر مذبح کی حالت خراب ہے اور شہر سے تقریباً دو میل پر ہے۔ بڑے کے گوشت کا مارکٹ بہت ہی خراب حالت میں ہے دروازے تک ندارد ہیں۔ باوجود عرضیاں دینے کے کوئی شنوائی نہیں ہوتی۔

دریاپور (ضلع امراوتی) میونسپل کمیٹی :-

آبادی و نیابت :- کل آبادی ۸۵۰۰ مسلم آبادی ۱۵۵۰۔ کل ممبران ۱۷۔ مسلم ممبر ۱

دیگر حالات :- کل ماسٹروں کی تعداد ۲۵ ہے اس میں سے مسلمان ماسٹروں کی تعداد نو ہے۔ کل ملازمین کی تعداد ۱۰۰ ہے جس میں مسلم ملازمین کی تعداد بارہ ہے۔ اسٹاف کے ۱۶ ملازمین میں سے صرف تین چپراسی مسلمان ہیں۔ ماہانہ اوسط تنخواہ ۱۲۵۰ تقسیم ہوتی ہے جس میں سے ۲۰۰ روپیہ مہینہ مسلم ملازمین کو ملتا ہے۔ دریاپور میونسپل کمیٹی نے گائے کے گوشت کی فروخت ممنوع قرار دیدی تھی اور قصابوں پر مقدمہ بھی چلایا تھا مگر عدالت سے قصاب کامیاب ہوگئے۔ قبرستان اور بستی کے درمیان دریا حائل ہے جسکی وجہ سے برسات

میں سخت تکلیف ہوتی ہے۔ بستی سے باہر ایک افتادہ زمین ہے مسلمانوں نے قبرستان کے لیے اس زمین کو دیدیئے جانے کی درخواست کی۔ ہندوؤں نے اسکی مخالفت کی۔

چاندور ریلوے (ضلع امراؤتی) نوٹیفائڈ ایریا کمیٹی:۔

آبادی و نیابت:۔ کل آبادی ۷۰۰۰۔ مسلم آبادی ۶۰۰۔ کل ممبران ۱۲۔ مسلم ممبر ۲۔

تعلیم:۔ کل پرائمری اسکول ۵ (مرہٹی پرائمری اسکول ۴۔ اردو پرائمری اسکول ایک۔ لڑکیوں کا اسکول ایک)۔ تعلیم پر سالانہ ۵۳۶۶ روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ اس میں سے ۵۲۹ روپیہ سالانہ اردو پر خرچ ہوتا ہے۔ کل ماسٹروں کی تعداد ۲۲ اس میں دو ماسٹر مسلمان ہیں۔

دیگر حالات:۔ کل ملازمین کی تعداد ۴۶ ہے جس میں صرف تین مسلمان ہیں ماسٹروں کو ۵۰۳۰ روپیہ سالانہ تنخواہ ملتی ہے۔ اس میں سے مسلمانوں کو ۴۰ ماہانہ ملتا ہے۔ بقیہ اسٹاف ۱۳۹ روپیہ ماہانہ تنخواہ ملتی ہے اس میں سے ۳۰ روپیہ ماہانہ مسلمانوں کو ملتا ہے۔ مذبح اور گوشت کے بازار کی حالت بہت خراب ہے۔ چھوٹے جانوروں کا مذبح صرف ٹٹیوں سے گھیر کر بنا دیا گیا ہے اور گائے کے گوشت کا مارکٹ نالے کے کنارے ہے جہاں پر بھنگیوں کے مکانات ہیں۔ ایک طرف ٹین گھیر کر سٹرک سے پردہ کر دیا گیا ہے۔ مذبح اور گوشت مارکیٹ سے کمیٹی کو تقریباً پانچسو روپیہ سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے۔ اس پر یہ حال مذبح اور گوشت مارکیٹ کا ہے۔ گائیں چاندور ریلوے سے دو میل کے فاصلے پر سے ذبح ہو کر آتی ہیں۔ بستی میں ذبح نہیں کیجا سکتی ہیں۔

سرکاری ملازمتیں

سرکاری ملازمتیں

صوبہ متوسط و برار میں سرکاری ملازمتوں میں مسلم نیابت کا صحیح اندازہ ذیل میں درج شدہ تفصیل سے ہوگا۔ جہانتک اعلیٰ اور ذمہ دار عہدوں کا تعلق ہے مسلم نیابت بمنزلہ صفر ہے۔ ماتحت اور ادنیٰ ملازمتوں میں مسلمانوں کی تعداد چپراسیوں کو ملا کر اتنی ہوجاتی ہے کہ دنیا کو یہ دہوکا دیا جاسکے کہ مسلمانوں کی کوئی حق تلفی نہیں ہورہی ہے۔ کانگریس کا یہ دعوےٰ ہے کہ اُسنے اپنے دور حکومت میں مسلمانوں کے ساتھ نہ صرف منصفانہ بلکہ فیاضانہ سلوک کیا ہے۔ ذیل کے اعداد شمار بتائیں گے کہ کانگریسی دور حکومت میں اس فیاضانہ سلوک کے باوجود سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کا کیا حصّہ تھا۔

اعلیٰ ملازمتیں

(۱) ہائیکورٹ۔ (۱) ناگپور ہائیکورٹ میں چیف جسٹس کو ملا کر کل سات جج ہیں جنمیں ایک بھی مسلمان نہیں۔

(۲) ایڈوکیٹ جنرل اور رجسٹرار دونوں غیر مسلم ہیں۔

(۲) **سکریٹری و انڈر سکریٹری حکومت صوبہ متوسط و برار**۔ گورنر کے سکریٹری کو ملا کر (۱۶) سکریٹری اور انڈر سکریٹری ہیں جنمیں صرف ایک اسسٹنٹ سکریٹری مسلمان تھے لیکن اب وہ بھی وظیفہ یاب ہوچکے ہیں۔

(۳) **شعبہ جات کے مہتمم اعلیٰ (ہیڈس آف ڈپارٹمنٹس)**۔

HEAD OF DEPARTMENTS.

حکومتِ صوبہ کے مختلف شعبہ جات کے مہتمم اعلیٰ کی تعداد چودہ ۱۴ ہے جنمیں ایک بھی مسلمان نہیں۔ پندرہواں شعبہ انکم ٹیکس کی کمشنری کا ہے اس کے لئے یو۔ پی اور سی۔ پی کو

ملا کر ایک حلقہ کمشنری بنایا گیا ہے۔ اس حلقہ کے کمشنر ایک مسلمان ہیں جنکا تعلق یو۔ پی کے شعبہ انکم ٹیکس سے ہے نہ کہ صوبہ متوسط و برار سے۔

(۴) **ممبران انڈین سول سروس**۔ اس صوبہ میں ممبران انڈین سول سروس کے لیے ۷۸ جگہیں ہیں۔ جنمیں سے دو مسلمان ہیں۔ ان دو مسلمانوں میں سے ایک مرکزی حکومت میں منتقل ہو گئے ہیں۔ اسوجہ سے سارے صوبے میں صرف ایک مسلمان آئی۔ سی۔ ایس ہیں۔ (۷۷ میں سے اٹھارہ اصحاب مرکزی حکومت یا صوبہ سے باہر کی خدمات پر منتقل ہیں)۔

(۵) **کمشنر اور اسسٹنٹ کمشنر**۔ فنانشیل کمشنر اور سٹلمنٹ و اکسائز کمشنر کو ملا کر چھ کمشنر ہیں جنمیں ایک بھی مسلمان نہیں۔ ۲۶۔ اسسٹنٹ کمشنروں میں صرف ایک مسلمان تھے جو مرکزی حکومت کو منتقل ہو گئے۔ صوبہ میں ایک بھی مسلمان اس عہدے پر نہیں ہے۔

(۶) **ڈپٹی کمشنر**۔ اس صوبہ میں پراونشیل سروس کی اُن چار آسامیوں کو ملا کر جنہیں انڈین سول سروس کے برابر درجہ ملتا ہے ڈپٹی کمشنری کی کل ۲۳ جگہیں ہیں۔ انمیں صرف ایک مسلمان ڈپٹی کمشنر ہیں۔

(۷) **اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر**۔ اس عہدہ کے لیے اس صوبہ میں ۹۶ جگہیں ہیں جنمیں سے اٹھارہ مسلمان ہیں۔ انکے علاوہ اٹھارہ عارضی جگہیں ہیں جنمیں صرف ایک مسلمان ہے۔

(۸) **شعبہ زراعت**۔ (۱) درجہ اوّل میں کل ۱۹ جگہیں ہیں جنمیں ایک بھی مسلمان نہیں۔ (۲) درجہ دوم میں ۱۲ جگہیں ہیں جنمیں ایک بھی مسلمان نہیں۔ (۳) عارضی جگہوں پر ۱۱ آدمی کام کر رہے ہیں جن میں صرف ایک مسلمان ہے۔

(۹) **شعبہ حساب و محاسبی**۔ (۱) سول آفس اکونٹنٹ اور آڈٹ کے شعبہ

میں آٹھ آسامیاں ہیں جنمیں ایک بھی مسلمان نہیں۔ (۲) پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف اکاؤنٹینٹ اور اڈٹ کے شعبہ میں پانچ اسامیاں جنمیں ایک بھی مسلمان نہیں۔

(۱۰) **ایگزیکیوٹیو آفیسر** چار ایگزیکیوٹیو آفیسروں میں ایک بھی مسلمان نہیں۔

(۱۱) **کواپریٹو سوسائٹیز**۔ (۱) سات مستقل آسامیوں میں ایک بھی مسلمان نہیں۔ (۲) تین عارضی اسامیوں میں ایک بھی مسلمان نہیں۔

(۱۲) **تعلیمات**۔ (۱) ڈائرکٹر اور اسسٹنٹ ڈائرکٹر کی پندرہ ۱۵ اسامیاں ہیں جنمیں ایک بھی مسلمان نہیں (۲) کالیجیٹ برانچ میں ۱۱۔ اسامیاں ہیں جنمیں ایک بھی مسلمان نہیں۔ (۳) جنرل سروس میں ۴۔ اسامیاں ہیں جنمیں ایک بھی مسلمان نہیں۔ (یعنے کل ۳۰۔ اعلیٰ اسامیوں میں ایک بھی مسلمان نہیں)۔ (۴) درجہ دوم کے انتظامی عہدوں میں ۹ جگہیں اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس اور ایک رجسٹرار اور چھ ہیڈ ماسٹر اور تین سپرنٹنڈنٹ نارمل اسکول کی ہیں یعنے کل ۱۹۔ اسامیاں ہیں۔ ان میں دو مسلمان تھے جو ریٹائر ہو چکے۔ اس درجہ میں اب ایک بھی مسلمان نہیں۔ (۵) تعلیمی عہدوں میں (پروفیسر لکچرار وغیرہ) ۷۵۔ اسامیاں ہیں جن میں صرف ۴ مسلمان ہیں۔ (۶) تعلیمات شعبہ نسواں میں ۹۔ اسامیاں ہیں جن میں ایک بھی مسلمان نہیں۔

(۱۳) **آبکاری**۔ (۱) اعلیٰ عہدوں کی ۸۔ اسامیاں ہیں جن میں ایک بھی مسلمان نہیں۔ (۲) لوئر ڈویژن میں ۱۵ استقل اسامیاں ہیں۔ جنمیں صرف ایک مسلمان ہیں۔ اور ۵ عارضی اسامیوں میں ایک ہی مسلمان ہیں۔

(۱۴) **جنگلات**۔ اعلیٰ عہدوں کی ۱۳۰ اسامیوں میں چار مسلمان ہیں۔

(۱۵) **انکم ٹیکس**۔ (۱) یو۔ پی اور سی۔ پی کو ملا کر ایک حلقہ کمشنری بنایا گیا ہے یعنے یو۔ پی۔ اور سی۔ پی کے لیئے ایک ہی کمشنر ہوتا ہے۔ یہ کمشنر مسلمان ہیں۔ (۲) صوبہ کی ۱۹۔ اسامیوں

میں سے ۳ مسلمان ہیں جن میں ایک عارضی ہیں۔

(۱۶) **صنعت و حرفت**۔ اعلیٰ عہدوں کی ۱۵۔ اسامیوں میں ایک بھی مسلمان نہیں۔

(۱۷) **جیلخانہ جات**۔ اعلیٰ عہدوں کی ۱۷ اسامیوں میں ایک مسلمان ہیں۔

(۱۸) **عدالت**۔ (۱) ڈسٹرکٹ و سشن جج کی ۱۱۔ اسامیوں میں ایک بھی مسلمان نہیں۔ (۲) سب جج فرسٹ کلاس کی ۳۴ اسامیوں میں صرف ۲ مسلمان ہیں۔

(۳) سب جج سکنڈ کلاس کی ۸۲ اسامیوں میں ۸ مسلمان ہیں۔

(۱۹) **مڈیکل**۔ (۱) آئی۔ ایم۔ ایس کی ۸ جگہوں میں ایک بھی مسلمان نہیں۔

(۲) سول سرجن کی ۸۔ اسامیوں میں صرف ایک مسلمان تھے جو ریٹائر ہو چکے اب ایک بھی مسلمان نہیں۔ (۳) اسسٹنٹ سرجن کی ۶۴۔ اسامیوں میں صرف ۳ مسلمان ہیں۔ (۴) عارضی اور قائمقام ۱۳۔ اسامیوں میں ایک مسلمان ہیں۔

(۵) شعبہ نسواں ۱۲۔ اسامیوں میں ایک مسلمان ہیں۔ (۶) مڈیکل اسکول ناگپور کے ۱۳ عہدوں میں ایک مسلمان ہیں۔

(۲۰)۔ **پولیس** (۱) ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کی ۲۵۔ اسامیوں میں صرف دو مسلمان ہیں جن میں سے ایک ریٹائر ہو چکے۔ (۲) اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کی ۱۲۔ اسامیوں میں ایک بھی مسلمان نہیں۔ (۳) ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کی ۲۰۔ اسامیوں میں ۵ مسلمان ہیں۔ (۴) ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کی ۱۰ قائم مقام اسامیوں میں ۵ مسلمان ہیں۔

(۲۱) **پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ**۔ (۱) اعلیٰ عہدوں کی سترہ اسامیوں میں دو مسلمان ہیں۔ (۲) انجنیرنگ سروس کی ۳۳۔ اسامیوں میں ایک مسلمان ہیں۔

(۳) بقیہ ۸۔ افسروں میں ایک بھی مسلمان نہیں۔

(۲۲) **وٹینری**۔ اعلیٰ عہدوں کی ۹۔ اسامیوں میں ایک مسلمان نہیں۔

ماتحت ملازمتیں

SUBORDINATE SERVICES.

جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے ماتحت ملازمتوں میں مسلمانوں کی تعداد اُتنی کم نہیں تھی کہ اعلیٰ ملازمتوں میں ہے۔ ۱۹۳۷ء میں ان ملازمتوں کے اعداد و شمار حسب ذیل ہیں:-

(۱) ایگزیکیٹو (انتظامی):-

کل ملازمین ——— مسلمان

۱۴۱۷ ——— ۱۴۲۰

(۲) منسٹیریل (دفتری):-

کل ملازمین ——— مسلمان

۴۰۳۲ ——— ۵۷۶

لیکن اگر انکی تفصیل کا مطالعہ کیا جائیگا تو یہ معلوم ہو جائیگا کہ ان میں ذمہ داری کی جگہوں مثل ہیڈ کلرک۔ سپرنٹنڈنٹ دفتر۔ ناظر وغیرہ کی جگہوں پر مسلمان خال خال ہی نظر آئینگے۔ چھوٹی تنخواہوں کی جگہوں پر نسبتاً بڑی تنخواہوں کے مسلمانوں کی تعداد زیادہ نظر آئیگی۔ تعداد کے تناسب اور تنخواہ کے تناسب میں بہت بڑا فرق نظر آئیگا۔
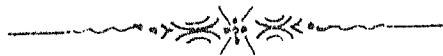
جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

اُن کی کہانی خود اُن کی زبانی

کانگریسی حضرات باختیار ہوتے ہی کچھ اس طرح کھُل کھیلے اور آپے سے باہر ہوگئے کہ غیر تو غیر اپنے بھی چیخ اُٹھے۔ کٹر سے کٹر کانگریسی نے بھی اگر اسکی جرأت کی کہ باختیار ٹولی کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھ لے یا کسی غلط روی پر ٹوک دے تو پھر اُسکی شامت آگئی۔ مسٹر نریمان مسٹر رویں اور ڈاکٹر کھرے جیسی ممتاز ہستیوں کے ساتھ صرف اس خطا پر کہ اُنہوں نے گاندھی۔ اچاریہ پٹیل پر مشتمل ثالوث مقدس کے جواریوں کی آنکھ بند کرکے تقلید کرنے سے انکار کیوں کیا جو شرمناک سلوک برتا گیا وہ کانگریسی ذہنیت اور گاندھوی صداقت پرستی کا نمایاں مرقع ہے مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں نے کانگریسی حکومت کے جبر و تعدی کے خلاف جو آواز اُٹھائی اُسے ممکن ہے ایک فریق متعلق کی آواز قرار دیکر بہت احتیاط کے ساتھ قابل قبول سمجھا جائے۔ لیکن اگر ایسے لوگ بھی جنہیں ہندو ہونے کے ساتھ ساتھ کانگریس سے ہر طرح کی قربت حاصل رہی کانگریسی سقّہ شاہی کے متعلق اُسی رائے کا اظہار کریں جو مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کا کہنا ہے تو پھر صحیح نتیجہ پر پہونچنا بالکل آسان ہوجاتا ہے۔ اور اسکے بعد کانگریسی حضرات کے مقاصد۔ اعمال۔ ذہنیت اور کردار کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ ذیل کی سطور کے مطالعہ سے آپکو اپنوں کی زبانی کانگریسی رنواس کا حال معلوم ہوگا۔ دیکھیے یہ گھر کے بھیدی کیا کہتے ہیں۔

ڈاکٹر نرائن بھاسکر کھرے۔ ایم۔ ڈی۔ سابق کانگریسی وزیر اعظم سی۔ پی و برار

دسمبر ۱۹۳۹ء میں آنریبل مولوی فضل الحق وزیر اعظم بنگال نے کانگریسی وزرا کی اقلیت دشمنی کی ایک مجمل فہرست بطور بیان شائع کی تھی۔ اسپر اسوقت کے سی۔ پی کے وزیر اعظم پنڈت روی شنکر شکلا نے مولوی فضل الحق صاحب کا جواب دیتے ہوئے یہ کہا تھا کہ ”مولوی فضل الحق نے کانگریسی وزرا کے خلاف جو فرد جرم شائع کی ہے کم از کم جہاں تک میرے صوبہ (سی۔ پی۔ برار) کا تعلق ہے ان

الزامات کو "جھوٹ کا ہمالیہ" سے تعبیر کرنا موزوں ہوگا۔" مسٹر شکلا کے اس بیان کا جواب ڈاکٹر کھرے سابق وزیر اعظم سی۔ پی و برار نے دیا جو "ہتواد"- ناگپور مورخہ ۲۲ر دسمبر ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا۔ اسکا ترجمہ درج ذیل ہے۔

ڈاکٹر کھرے کہتے ہیں:-

"مجھے پنڈت شکلا کا وہ بیان جو جبلپور سے ایسوشی ایٹڈ پریس کے ذریعہ اشاعت پذیر ہوا ہے اور جس میں مسٹر فضل الحق وزیر اعظم بنگال کے فرد الزامات کو جھوٹ کا ہمالہ کہا گیا ہے دیکھ کر تعجب ہوا۔ اگر پنڈت شکلا کا یہ بیان نہ شائع ہوا ہوتا تو میں اس معاملہ کا تذکرہ پریس کے ذریعہ نہ کرتا۔ اسکے علاوہ یہہ مناسب بھی نہیں ہوگا کہ اگر اس موقع پر میں واقعات کو جس طرح کہ مجھے معلوم ہیں پبلک کے سامنے نہ لے آؤں۔ میں نے پہلے بھی کہا ہے اور اب پھر کہتا ہوں کہ وزارت قبول کرنے کے پندرہ روز کے اندر ہی میرے اُس وقت کے رفیق کار مسٹر ڈی۔ پی مصرا نے مجھ سے درخواست کی کہ مسٹر نیاز احمد خان ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کا جو اُس وقت جبلپور میں تعینات تھے تبادلہ کر دیا جائے۔ بلا کسی ظاہری سبب کے مسٹر مصرا کی اس درخواست کا صرف ایک ہی سبب میں سمجھ سکا وہ یہ تھا کہ مسٹر نیاز احمد خان نے مشہور مقدمہ حسینہ کے اغوا کی تفتیش کی تھی[۵۱]۔ یہ مسلمان افسر کو ایذا پہونچانے کی مثال نمبر ایک ہے۔

میرے بعض مہا کوشلی رفیق یہ چاہتے تھے کہ میں مسٹر انعام الرحیم۔ آئی۔ سی۔ ایس کو جو اُسوقت بعہدہ ڈپٹی کمشنر ایوت محل میں تعینات تھے اور جو اس صوبہ میں واحد مسلم آئی سی۔ ایس افسر تھے مستقل نہ کروں۔ یہ مسلمان افسر کو ایذا پہونچانے کی دوسری مثال ہے۔ اگرچہ میں نے اپنے رفقائے کار کے اِن ارشادات کی تعمیل نہیں کی کیونکہ میں سب کے ساتھ یکساں سلوک کرنے کا خواہشمند تھا۔

ایک اور مثال مسٹر شریف کا مشہور معاملہ ہے۔ اس معاملہ میں مسٹر شریف سے جو اُس وقت وزیر تھے بعض قیدیوں کو جنمیں چند مسلمان بھی تھے میعاد سے پہلے رہا کر دینے پر سخت باز پرس کی گئی

---

[۵۱] ایک نابالغ مسلمان لڑکی مسماۃ حسینہ کے اغوا کے سلسلہ میں مسٹر مصرا اور انکے ڈرائیور کے خلاف پولیس کو کافی ثبوت مل چکا تھا۔ اس رپورٹ کے ابتدائی صفحات اور ضمیمہ میں ڈائری کی نقل اور اُسکا ترجمہ ملاحظہ کیا جائے۔ مرتب)

تھی۔ شریف صاحب کے معافی مانگنے پر کانگریس اسمبلی پارٹی نے اپنے ایک جلسہ میں مسٹر شریف کی اس حرکت سے درگذر کر دیا تھا لیکن ہائی کمان اور کانگریس ورکنگ کمیٹی نے اسمبلی پارٹی کی تجویز کو نظرانداز کرتے ہوئے ایک ٹریبونل مقرر کر دیا کہ یہ شریف کے معاملہ کی تحقیقات کرے اور انجام کار شریف صاحب کو نکال باہر کیا۔ ایک بالکل اسی قسم کے معاملہ میں جسکا تعلق مسٹر مصرا سے تھا اسمبلی پارٹی کے بارہ یا پندرہ ممبروں نے مسٹر مصرا کے خلاف تحریری شکایت کی لیکن ہائی کمان نے مسٹر مصرا کے حق میں یک طرفہ فیصلہ دیدیا اور شکایت کرنے والوں سے کوئی جواب طلب کئے بغیر ان سے کہا گیا کہ وہ مسٹر مصرا سے معافی مانگیں۔ اپنی ان حرکتوں سے کانگریس ورکنگ کمیٹی اور ہائی کمان نے مسلمانوں کو اسکا موقع دیا کہ وہ ایک ہی قسم کے دو واقعات میں امتیازی سلوک پر معترض ہوں کیونکہ مسٹر شریف مسلمان ہیں اور مسٹر مصرا ہندو۔ انکے علاوہ مشہور یان والا[1] واقعہ بھی ہے جسمیں وزیر قانون نے ایک مسلمان کے ہندو قاتل کو رہا کر دیا۔ لیکن ہائی کمان نے اس واقعہ کی طرف کوئی توجہ نہیں کی حالانکہ مسٹر شریف کے معاملہ میں بہت شور اُٹھایا گیا۔ اسلئے کوئی تعجب کی بات نہیں اگر اس معاملہ میں بھی مسلمانوں نے ہائی کمان پر جانب داری کا الزام لگایا کیونکہ جس وزیر نے یہ حرکت کی وہ ہندو ہے۔

شکلا وزارت نے اکثر دوسرے فرقوں نے مفاد کو قربان کیا ہے۔ مسٹر شکلا نے صفائی میں گورنر سے امداد طلب کی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ یہ بات غیر متعلق ہے کیونکہ گورنر کو اندرونی کارروائیوں کی خبر نہیں ہوتی۔ میں ہر کمیٹی یا کمیشن کے سامنے اس سلسلہ میں جو کچھ جانتا ہوں بیان کرنے کے لیے تیار ہوں۔

میں یہاں پر یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ پنڈت جواہر لال نہرو جو کانگریسی وزراء کے خلاف عائد کردہ الزامات کی تحقیقات کے لئے مسٹر فضل الحق کے ساتھ دورہ کرنے کے لئے بیتاب نظر آتے ہیں وہ صرف ناگپور آکر اُن الزامات کی تحقیقات کرلیں جو میں نے عائد کئے ہیں۔ اس میں فائدہ زیادہ ہوگا اور صرفہ کم ہوگا۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ وہ یہ معلوم کرکے کہ سی۔ پی وزارت نے کیا کچھ کیا ہے حیران رہجائیں گے۔"

---

[1] امن و قانون کے عنوان کے تحت ہوشنگ آباد کے واقعات کے سلسلہ میں اور رپورٹ کے ابتدائی صفحوں میں مسٹر مہتا کے تذکرے میں یہ واقعہ مفصل درج ہے۔ مرتب۔

ڈاکٹر کھرے کے اس بیان کا کوئی جواب کانگریسی زعما سے نہ بن پڑا۔

مسٹر جی۔ ایس۔ پاگے۔ ممبر اسمبلی صوبہ متوسط و برار

(مسٹر پاگے ذات کے لحاظ سے مہاراشٹر برہمن ہیں۔ یعنے اس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں جو صوبہ متوسط و برار میں سب سے زیادہ متعصب اور تنگ نظر سمجھا جاتا ہے۔ لیکن خدا نے بطور استثنا انہیں انصاف پسند طبیعت اور دردمند دل عطا کیا ہے۔ نیز اپنی بے لاگ حق گوئی کے باعث یہ اپنوں کے معتوب اور غیروں کے عزیز ہیں۔ ۸ نومبر ۱۹۳۹ء کو سی۔ پی اسمبلی میں جنگ کے متعلق تجویز پر تقریر کرتے ہوئے مسٹر موصوف نے اس صوبہ کی کانگریسی وزارت کے سیاہ کارنامے ایک ایک کر کے گنائے۔ اس مدلل اور طویل تقریر کا مختصر اقتباس درج ذیل ہے۔)

مسٹر پاگے نے مزدوروں۔ کسانوں۔ باقندوں اور بیڑی کے کام کرنے والوں کے ساتھ سی۔ پی کی کانگریسی وزارت کے ناروا سلوک کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ کرنے کے بعد کہا کہ :۔

"کانگریسی حکومت نے پریس کی آزادی بالکل سلب کر لی ہے۔ کانگریس گذشتہ حکومتوں کے خلاف پریس پر سختیوں کے سلسلہ میں بہت شور مچایا کرتی تھی لیکن خود اس نے پریس پر تشدد کے سلسلہ میں تمام گذشتہ حکومتوں کو مات کر کے رکھدیا ہے۔ جہاں کہیں کسی اخبار نے کانگریسی حکومت پر نکتہ چینی کی اسکا گلا گھونٹ ڈالا گیا چاہے وہ نکتہ چینی درست ہی کیوں نہو۔ نہ صرف اردو اخبارات کانگریسی تیر ستم کا نشانہ بنے بلکہ سرونٹ آف انڈیا سوسائٹی کا اخبار "ہتواد" بھی کانگریس کے غصہ کی آگ سے نہ بچ سکا"

اسکے بعد مسٹر پاگے نے فرداً فرداً اُن لوگوں کے نام گنائے ہیں جنہیں مسلمان۔ عیسائی یا معترض کانگریس ہونے کا خمیازہ کانگریسی وزارت کے ہاتھوں بھگتنا پڑا ہے۔ اس فہرست کو پیش کرنے کے بعد مسٹر پاگے کہتے ہیں :۔

"اسلیئے میں کہتا ہوں کہ اس کانگریس راج میں مسلمانوں۔ سرچھوں۔ عیسائیوں اور غیر کانگریسیوں کے لیئے امن کی جگہ نہیں"

مسٹر سوباش چندر بوس سابق صدر کانگریس۔

مسٹر بوس نے جو دو مرتبہ متواتر کانگریس کے صدر منتخب ہو چکے ہیں کانگریسی ہائی کمان کے طرز عمل سے نالاں ہو کر ۱۸ر جولائی ۱۹۳۹ء کو ایک طویل بیان احمد آباد سے اخبارات کو دیا۔ اسکے مندرجہ ذیل دو اقتباسات قابل غور ہیں۔ مسٹر بوس کہتے ہیں:۔

"کانگریس کے بالائی حلقوں میں آجکل عدم رواداری کی ایک لہر دوڑ گئی ہے۔ اُنکے کسی طرز عمل کی خفیف سی نکتہ چینی بھی اُنہیں آگ بگولا بنا دیتی ہے اور پروپیگنڈا کی تمام مشنیری جو اُنکے قبضہ میں ہے حرکت میں آجاتی ہے۔"

اُسی بیان میں ایک جگہ مسٹر بوس فرماتے ہیں:۔

"مجھ پر بعض لیڈروں نے بڑی سخت نکتہ چینی اس امر کے متعلق کی ہے کہ میں نے ان اقلیتوں کی حمایت میں جن پر بمبئی میں نشہ بندی کا پروگرام اثر انداز ہوتا ہے چند الفاظ کہے ہیں۔ کانگریسیوں کے لئے یہ طریقہ اختیار کرنا بہت ہی عجیب ہے۔ ابتک میں یہی یقین رکھتا تھا کہ بہ حیثیت کانگریسی ہونے کے ہلوگوں پر اقلیتوں کے متعلق خاص فرائض عائد ہوتے ہیں۔ آج مجھ سے یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ نقطہ نظر غلط ہے اور ہم لوگوں کو اقلیتوں کی پروا نہ کرنی چاہیئے اگر اکثریت والی قوم ہمارے ساتھ ہے۔ یہ ایک ایسا نقطہ نظر ہے کہ غالباً میں اسے قبول نہیں کر سکتا۔"

جب کانگریس کے طرز عمل پر اعتراض کرنے کی سزا اور کانگریسی ہائی کمان کے جذبہ انتقام سے مسٹر بوس جیسی ممتاز شخصیت نہ بچ سکی تو دوسروں کا کیا ٹھکانا۔ بہرحال جتنے واضح الفاظ میں اور ثبوت کے ساتھ مندرجہ بالا تینوں اصحاب نے کانگریسی ذہنیت کو بے نقاب کیا ہے اُسکے بعد کسی غیر کے لئے پردہ دری کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

ضمیمہ جات

پنڈت دوارکا پرشاد مصرا جن کا کچا چٹھا پولیس کے خفیہ کاغذات کی روشنی میں درج ذیل ہے۔ کان پور کے رہنے والے ہیں، نہ صرف گریجویٹ بلکہ وکیل بھی ہیں، آپ نے جبلپور کے مشہور مالدار سیٹھ اور کانگریس کے سرگرم کارکن مسٹر گووند داس ایم۔ ایل۔ اے کے سایہ عاطفت میں کانگریس کی تحریکات میں حصہ لینا شروع کیا اور غالباً اپنے انھیں کارموں کی بنا پر جن کا کچھ حال پولیس کے مندرجہ ذیل خفیہ روزنامچہ سے چلتا ہے، دن دونی رات چوگنی ترقی کرنی شروع کی یہاں تک کہ جبلپور میونسپل کمیٹی کے پریسیڈنٹ اور کانگریسی عہد حکومت میں لوکل سلف گورنمنٹ کی وزارت پر فائز ہوئے۔ پولیس ڈائری میں آپ کے جس کارخاص کا اشارہ پایا جاتا ہے اس کی مختصر روداد یہ ہے: —

جون ۱۹۳۷ء میں پنڈت ڈی۔ پی مصرا کے ڈرائیور نے ایک نابالغ مسلمان لڑکی مسماۃ حسینہ کا اس کی ماں کی عدم موجودگی میں بجبر اغوا کیا۔ نانا نائیڈو (ڈرائیور) نے اس لڑکی کو سیٹھ گووند داس ایم۔ ایل۔ اے کے باغ اور پنڈت ڈی۔ پی مصرا کی قیام گاہ موسومہ گوپال باغ کے ایک کمرہ میں رکھا، جہاں اس نے اور پنڈت ڈی۔ پی مصرا نے لڑکی کے خلاف مرضی اس کی عصمت دری کی، لڑکی کی آبرو ریزی کرنے کے بعد اسے جبلپور میں مختلف مقامات پر رکھا گیا اور آخر میں یہ طے کیا گیا کہ اسے آدیش چیئرالا سیٹھ گووند داس کی فلم کمپنی کے دفتر بمبئی کو بھیج دیا جائے۔ اس غرض کے لئے پنڈت ڈی۔ پی مصرا نے ہردیو سنگھ نامی ایک شخص کو ساٹھ روپے بھی بھیجے تھے۔ یہ ہردیو سنگھ وہی شخص ہے جس کے گھر سے لڑکی برآمد کی گئی، پولیس کے تلاشی لینے پر ہردیو سنگھ کی جیب سے پچاس روپے کے قریب نکلے مسماۃ حسینہ نے اپنے بیان میں گوپال باغ کے اس کمرہ کو پہچانا جہاں وہ رکھی گئی تھی، اسی طرح اس نے مجسٹریٹ کے سامنے ان اشخاص کو بھی شناخت کیا جن کے گھر

میں اُسے رکھا گیا تھا۔

یہاں یہ بات بھی دلچسپی سے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پنڈت ڈی پی مصرا اور اُن کے گرگوں نے ایک مرتبہ جبکہ مسماۃ حسینہ ایک شخص سی۔ آر نائیڈو کے گھر میں گھس گئی تھی جبلپور کے مشہور مہا سبھائی لیڈر مسٹر دیبی پرشاد سری واستوا کے ذریعہ ڈاکٹر مس قاضی سے اُس کی بلوغت کا جھوٹا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کی کوشش کی جب ڈاکٹر مس قاضی سے کام چلتا نظر نہ آیا تو جبلپور کے ایک مشہور کانگریسی کارکن مسٹر لچھمن سنگھ چوہان کی وساطت سے ایک کانگریسی ڈاکٹر جائیج۔ ڈی، سلوا سے اُس کا ڈاکٹری معائنہ کرایا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی اُسی رائے کا اظہار کیا جو ڈاکٹر مس قاضی کی تھی یعنی لڑکی چودہ برس تک کی ہے اور اُس کی عمر بہر حال سولہ سال سے کم ہے۔ بعد میں جب پولیس نے اُس کا ڈاکٹری معائنہ کرایا تو سول سرجن اور ایک دوسری لیڈی ڈاکٹر نے بھی مذکورہ بالا رائے سے اتفاق کیا۔

پولیس اس مقدمہ کی تفتیش کر ہی رہی تھی کہ جولائی ۱۹۳۷ء میں صوبہ متوسط برار میں کانگریسی وزارت قائم ہو گئی۔ مسٹر ڈی۔ پی مصرا بھی وزیر بن گئے وہی مثل ہوئی "سیاں بھئے کوتوال ڈر کا ہے کا"۔ فوراً پولیس کو تفتیش بند کرنے کا نادری حکم ملا۔ اور کاغذات داخل دفتر کر دیے گئے۔ لیکن پاپ کا گھڑا پھوٹ کر ہی رہا۔ چند لوگوں کی کوششوں سے پولیس کی خفیہ ڈائری طشت از بام ہو گئی اس کتاب میں بعینہٖ انگریزی ڈائری کا عکس اور اس کا اُردو ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس جبلپور کے خفیہ انگریزی روزنامچہ کا اُردو ترجمہ
یا پنڈت دوارکا پرشاد مصرا سابق کانگریسی وزیر سی۔پی کا سیاہ اعمال نامہ

خفیہ۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس جبل پور۔

متعلق الزام نمبر ۳۱۳ دفعہ ۳۶۶ تعزیرات ہند سال ۱۹۳۷ء

بنام نانا نائیڈو اور ڈی۔ پی مصرا ملزمان

ہیڈ کانسٹبل بھیا لال سیونی سے واپس آیا۔ اور مظہر ہوا کہ اُسے معلوم ہوا ہے کہ دنیل ون ہوئے نانا نائیڈو اور لڑکی مسماۃ حسینہ سیونی گئے تھے اور ۲ دو دن رہ کر وہاں سے چلے گئے۔ نانا نے اس لڑکی کو اپنے چچیرے بھائی کے یہاں رکھا تھا لیکن ۲ دو دن کے بعد اُسے لے گیا۔

ہیڈ کانسٹبل عبداللطیف بھوپال سے واپس آیا۔ لڑکی کی پیدائش کے اندراجات کے متعلق کچھ پتہ نہیں چلا۔ اس سلسلہ میں کوششیں کی جارہی ہیں۔

نانا نائیڈو کا باوجود تلاش کچھ پتہ نہیں چلا یہ معلوم ہوا ہے کہ ڈی۔ پی مصرا کے ایک بھائی کانپور میں ہیں اور یہ اطلاع ملی ہے کہ لڑکی کانپور بھیج دی گئی ہے، اور نانا بھی وہیں چلا گیا ہے۔ پولیس کانپور کو بغرض کارروائی مناسب اطلاع دیدی گئی ہے، ایک شخص مسمی رام سروپ سے معلوم ہوا کہ اُس نے کل دوپہر کے قریب نانا کو ایک ہرے رنگ کی موٹر کار میں میونسپلٹی کے دفتر کی طرف جاتے دیکھا ہے اور وہ چھاؤنی کی طرف سے آرہا تھا۔ اس کی جانچ اور تصدیق کی جارہی ہے۔ لڑکی کی ماں سے معلوم ہوا کہ یہ شہرت ہے کہ لڑکی کو آریہ لوگ ہندو کرلیں گے اور نائیڈو سے شادی کرکے جبلپور لائیں گے۔ اور عدالت میں پیش کریں گے۔ اس وقت تک اِس افواہ کی تصدیق نہیں ہوسکی سیٹھ گووند داس اور ڈی۔ پی۔ مصرا اس معاملہ میں رکاوٹیں ڈال رہے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نانا نائیڈو انھیں دونوں کے مشورہ سے چھپا ہوا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نانا ایک دوسرے نائیڈو کے یہاں جو میونسپلٹی کا ملازم ہے ڈی۔ پی مصرا کی تحریک پر ٹھہرا ہوا ہے، لیکن اُس کے پتہ لگانے میں کامیابی نہیں ہوسکی۔

کچھ لوگ جن کے ساتھ تانا بھی تھا، مسٹر دت بیرسٹر کے یہاں یہ مشورہ لینے کے لیے کہ آیا لڑکی عدالت میں پیش کی جائے یا نہیں گئے تھے۔ مگر اس واقعہ کی پوری تصدیق نہیں ہوئی۔ لڑکی اور نانا کے پتہ رسی کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے۔

مورخہ ۲۴ ۵/۳۷ دستخط سٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس

نقل بخدمت جناب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب بہادر

خفیہ - ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس جبلپور

الزام نمبر ۳۱۳ دفعہ ۳۶۶ تعزیرات ہند بنام نانا نائیڈو اور ڈی پی مصر المنان

تفتیش مقدمہ ہذا جاری ہے۔ اس وقت تک نانا نائیڈو اور لڑکی مسماۃ حسینہ کا کچھ پتہ نہیں چل سکا اس اطلاع پر کہ نانا اور مسماۃ حسینہ کانپور میں ہیں، ہیڈ کانسٹبل مہابیر جو کانپور سے واقف ہے کانپور بھیجا گیا۔ اس سلسلہ میں ۲۴ مئی ۱۹۳۷ء کو ایک تحریر سٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کانپور کے پاس بھیجی جا چکی ہے، کیونکہ رامیشور پرشاد مصر برادر ڈی۔ پی مصر محلہ تیلیشوری دیوی کانپور میں رہتے ہیں لیکن اس کا کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔

لڑکی کی ماں نے ایک درخواست دی ہے کہ چونکہ اس معاملہ میں بڑے آدمیوں کا ہاتھ ہے بہت ممکن ہے کہ لڑکی جان سے مار دی گئی ہو۔ اس پر بھی نگاہ رکھی جائے گی۔ اُس نے یہ بھی بتایا ہے کہ تانتیا نائیڈو اور ایک شخص مسمی میوا اُس کے پاس آئے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ وہ حسینہ کے ساتھ نائیڈو کو شادی کرنے کی تحریری اجازت دے دے۔ یہ تانتیا نانا کا بھائی ہے اور جی۔سی فیکٹری میں ملازم ہے، تانتیا اس بات سے منکر ہے مگر اتنا تسلیم کرتا ہے کہ وہ اُس کے مکان پر یہ دریافت کرنے کے لیے کہ اُس کے بھائی کے خلاف کیا شکایتیں ہیں ضرور گیا تھا۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اُس کے تعلقات اُس کے بھائی کے ساتھ اچھے نہیں ہیں۔

اس مقدمہ کے سلسلہ میں بہت سی افواہیں ہیں، عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ڈی۔ پی

مصرا در سیٹھ گووند داس اس امر کے کوشاں ہیں کہ بھاگنے والوں کا پولیس کو کچھ پتہ نہ چلے اور انتہائی کوشش کر رہے ہیں کہ نانا کے جائے قیام کا پتہ نہ چل سکے۔

مورخہ ۸ $\frac{6}{37}$ دستخط سٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس جبلپور

خفیہ - رپورٹ بہ سلسلہ تفتیش مقدمہ الزام نمبر ۳۱۲ دفعہ ۳۶۶ تعزیرات ہند بنام نانا نائیڈو اور ڈی - پی مصرا ملزمان

مقدمہ ہذا میں تفتیش جاری رہی اور گذشتہ پندرہ دن میں کئی مرتبہ کئی اطلاعات نانا ملزم اور لڑکی حسینہ کے متعلق ملتی رہیں اُن پر عمل کیا گیا۔ مگر کوئی کامیابی نہ ہو سکی۔

ہیڈ کانسٹبل سندر لال نے اطلاع دی کہ ایک نوجوان ہندو لڑکی جو ساڑی پہنے ہوئے ہندوانہ لباس میں ہے دو یوم کا عرصہ ہوا محلہ بھان تلیا میں آئی تھی، بمبئی سے جاتی جا رہی ہے وہ ہردیو سنگھ بیاس کے مکان پر ہے۔ محلہ کی عورتوں کے ذریعہ سے بہ مشکل تمام اُس لڑکی کا حلیہ معلوم کیا گیا تو اُس کا حلیہ گم شدہ لڑکی حسینہ سے ملتا ہے۔ اس مکان پر دوڑ کی گئی۔ اولاً ہردیو سنگھ نے بتایا کہ اُس کے مکان میں کوئی لڑکی موجود نہیں ہے، لیکن جب اُس سے کہا گیا کہ لڑکی ضرور موجود ہے اور اُس مکان کا دروازہ توڑ دیا جائے گا تو اُس نے تسلیم کیا کہ لڑکی ہے، چنانچہ ایک لڑکی دستیاب ہوئی، جس کو حسینہ کی ماں نے اپنی بیٹی حسینہ شناخت کیا۔ پہلے ہردیو سنگھ نے یہ بیان کیا کہ اُسے یہ لڑکی بھیک مانگتی ہوئی ملی تھی، لہٰذا وہ اپنی حفاظت میں اُسے لے آیا۔ لڑکی کے اچھے لباس وغیرہ کو دیکھتے ہوئے یہ صریح جھوٹ ہے وہ گرفتار کیا گیا، اور جلد راست گوئی پر اُتر آیا۔ اس نے تسلیم کیا کہ اس لڑکی کو اُس کا بھانجا جو نانا کا دوست ہے لایا تھا اور وہ اُس کو بمبئی لے جا رہا تھا۔ ہردیو سنگھ کی مکان کی تلاشی پر بستر اور صندوق سفر کے لئے بندھے پائے گئے۔ اُن کے کھولنے پر لڑکی کے کپڑے ہردیو سنگھ کے کپڑوں کے ساتھ تھے۔ ایک پرچہ بھی ملا جو پرتاب سنگھ ہردیو سنگھ کے بھانجے کا لکھا ہوا ہے۔ یہی پرتاب سنگھ لڑکی کو لایا تھا، اس پرچہ میں بنرجی آدرش جیتر الائیمنائن یود ڈ

بمبئی کا پتہ لکھا ہوا ہے، جہاں لڑکی لے جائی جا رہی تھی۔

یہ پرچہ ہردیو سنگھ کے کوٹ کی جیب سے برآمد ہوا۔ آدرش چترالا گووندداس کی فلم کمپنی کا دفتر ہے اور جس کے انتظام میں ڈی۔ پی مصرا کا پورا ہاتھ ہے۔ ہردیو سنگھ اور پرتاب سنگھ نے بعد میں یہ بھی بتایا کہ نانا بمبئی میں مذکورہ بالا پتہ پر موجود ہے۔ پرتاب سنگھ کنٹونمنٹ بورڈ جبلپور میں موٹر سپرنٹنڈنٹ ہے اور سو روپیہ ماہوار تنخواہ پاتا ہے۔ یہ گورکھپور کا رہنے والا ہے۔ اس کے مکان کی تلاشی لی گئی خطوط وغیرہ برآمد نہیں ہوئے۔ پرتاب سنگھ نے یہ ظاہر کیا کہ ڈی۔ پی۔ مصرا نے مبلغ ساٹھ روپیہ اپنے ڈرائیور نرائن کے ذریعہ سے بھیجے تھے کہ ہردیو سنگھ اس لڑکی کو بمبئی لے جاسکے۔ خرچہ کو منہا کرکے پچاس روپیہ کی رقم برآمد ہوئی ہے۔ سب انسپکٹر دربا نانا کی گرفتاری کے لئے بمبئی بھیجے گئے ہیں۔ بنرجی جس کا تذکرہ پتہ میں ہے، وہ ڈی۔ پی مصرا کا خاص آدمی ہے اور زیادہ تر وہ اُن کے ساتھ گوپال باغ میں رہتا ہے۔ جب پولیس نے نانا کی تلاش گوپال باغ میں کی تھی تو یہ شخص وہاں ملا تھا۔ لڑکی حسینہ سے ابھی پورے طور سے دریافت حال نہیں کیا جاسکا۔ دستیابی اور اپنی ماں، بہنوں اور چھوٹے بھائی کے ملنے سے وہ ایک بدحواسی کی سی کیفیت میں ہے اور متلی اور دردسر کی شکایت کرتی ہے۔ جو کچھ بھی اُس نے بیان کیا ہے اُس سے پایا جاتا ہے کہ وہ گوپال باغ میں جبراً ایک کمرہ میں کئی دن تک بند رکھی گئی اور وہاں نانا کے علاوہ ڈی۔ پی مصرا بھی اس سے ملا۔ افسر تفتیش کنندہ کو بھی بوجہ مصروفیت خانہ تلاشی و دیگر امور ضروری متعلق مقدمہ لڑکی سے مفصل دریافت حال کا موقع نہیں ملا۔

مورخہ ۲۱ $\frac{۹}{۴۷}$ دستخط سٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس جبلپور

رپورٹ بہ سلسلہ تفتیش مقدمہ الزام $\frac{۳۱۳}{۴۷}$ دفعہ ۳۶۶ تعزیرات ہند بنام نانا نائیڈو اور ڈی۔ پی مصرا ملزمان

خفیہ

مقدمہ ہذا کی تفتیش جاری رہی۔ لڑکی حسینہ نے جو بیان دیا ہے اُس کا اختصار سم رشتہ

ارسال ہے۔ اُس نے اپنے بیان میں بہت سی باتیں بتائی ہیں، جن کی تصدیق کی جا رہی ہے۔

وہ سول سرجن اور لیڈی ڈاکٹر کے معائنہ کے لئے پیش کی گئی۔ معائنہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ لڑکی کی عمر قریب سولہ سال ہے۔ صحیح عمر کے تعیّن کے لئے سول سرجن سے مزید دریافت کیا جا رہا ہے اور اُس کی عمر کے سرٹیفکٹ کو بھوپال سے حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

سب انسپکٹر ورما بمبئی سے واپس آئے۔ نائیڈو کا نہ کچھ پتہ چلا اور نہ وہ گرفتار کیا جا سکا بمبئی پولیس کو ضروری تفصیلات بتا دی گئی ہیں۔

حسینہ کی طبیعت خراب تھی اور اسے بخار تھا، لیکن کل سے وہ بہتر ہے۔ ۲۷ ؍جون ۱۹۳۷ء کو مجسٹریٹ کے روبرو اشخاص متعلقہ مقدمہ ہذا کی کارروائی شناخت لڑکی سے کرانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ مصر کی کارروائی شناخت بعد مشورہ کرائی جائے گی، جبکہ ۲۷ تاریخ کو لڑکی تمام مقامات متعلقہ کی نشان دہی کر چکے گی۔ ہردیو سنگھ بیاس جس کے گھر سے لڑکی دستیاب ہوئی ہے اور پرتاب سنگھ نانا نائیڈو کے خلاف پورے بیانات دینے کے لئے تیار ہیں۔ ہردیو سنگھ کی بیوی ایک عیسائی عورت ہے، جس کو بمبئی سے لانا بتایا جاتا ہے۔ اس کے متعلق بھی تصدیق کی جائے گی

مورخہ ۲۶ ۶؍ ۳۷   دستخط سٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس جبلپور

مختصر بیان مسماۃ حسینہ

خفیہ

سٹی کوتوالی جبلپور

حسینہ دختر محمد حنیف ساکن محلہ گڑھا پھاٹک جبلپور:۔۔۔

جس روز چیری تال میں آگ لگی، نانا نائیڈو قریب ساڑھے سات یا آٹھ بجے رات کو میری ماں کی عدم موجودگی میں میرے مکان پر آیا۔ اس سے قبل نانا نائیڈو تین چار مرتبہ میرے مکان پر آ چکا تھا اور میری ماں سے بات چیت کی تھی، میں نہیں کہہ سکتی کہ کیا بات ہوتی تھی۔ میں نے نہیں دیکھا کہ روپیہ یا نوٹ میری ماں کو پیش کئے گئے ہوں۔ کیونکہ میں پردہ کرتی تھی اور

گھر چھوٹا ہونے کی وجہ سے جب کوئی بیرونی شخص آتا تھا تو میں بادشاہ مسلمان اپنے پڑوسی کے یہاں چلی جاتی تھی۔ جب نائیڈو آتا تھا تب بھی میں یہی کرتی تھی۔ جس دن چیری تال میں آگ لگی میری ماں حسب معمول بازار گئی تھی۔ اس وقت سورج ڈوب رہا تھا یا اندھیرا ہو چکا تھا۔ اس روز جب میری ماں چلی گئی تو نانا نائیڈو آیا اور مجھ سے کہا کہ تیری ماں نے بلایا ہے، جو گھر کے باہر ہے۔ جب نائیڈو آیا تھا تو میں مکان کے اندر کھانا پکانے اور اپنے چھوٹے بھائی بہنوں کی دیکھ بھال میں مصروف تھی۔ میں مکان سے باہر آگئی۔ جب میں نے پوچھا کہ میری ماں کہاں ہے تو اس نے کہا کہ اور تھوڑی دور چلو۔ کچھ دور کے فاصلہ پر ایک موٹر کار کھڑی تھی، جوں ہی کہ ہم موٹر کار کے قریب پہنچے اس نے مجھے زبردستی موٹر کار کی پچھلی نشست پر بٹھا دیا۔ نانا یہی کہتا رہا کہ ڈرو مت تمہاری ماں وہاں ہے اور وہ تمہیں بلا رہی ہے۔ میں رونے چلانے لگی۔ اس نے موٹر کا ہارن بجانا شروع کیا جس سے میری آواز دب گئی۔ ایک آدمی اور بھی موٹر کار کی اگلی نشست پر بیٹھا تھا میں اسے نہیں پہچان سکی کیونکہ اندھیرا ہو گیا تھا اور میں بہت پریشان و خوفزدہ ہو گئی تھی میں سیدھی گوپال باغ لے جائی گئی۔ گوپال باغ میں ایک چھوٹا سا کمرہ ہے، جس کی میں نشان دہی کر سکتی ہوں۔ مجھے اس میں لے گئے۔ اس کمرہ میں ایک کھڑکی پشت کی جانب ہے جس میں لکڑی کے جنگلے لگے ہیں اور اس کے دو ڈنڈے غائب ہیں۔ اس رات نانا نائیڈو نے میرے ساتھ کئی بار حرامکاری کی۔ جب وہ باہر جاتا تھا تو سامنے والے دروازہ کا تالا بند کر دیتا تھا۔ میں نے ہر چند کوشش کی اور نائیڈو کی خوشامد کی کہ مجھے چھوڑ دیا جائے مگر وہ نہیں مانا یہ پانچ چھ دن تک ہوتا رہا۔ نانا کھانا لاتا رہا۔ جب مجھے قضاء حاجت کی ضرورت ہوتی تو نانا چارپائی پر ایک کرسی رکھ دیتا اور مجھے کھڑکی کے ٹوٹے ہوئے ڈنڈوں کے خلا سے باہر کر دیتا تھا، جہاں کئی خالی اور ویران مکانات اور ان کی دیواریں ہیں۔ میں وہاں ضروریات سے فراغت پا لیتی تھی۔ ان ایام میں نائیڈو مجھ سے کہتا رہتا تھا کہ تجھے مصراجی (ڈی۔ پی مصرا) کے مکان میں رہنا ہوگا جہاں عیش و آرام سے زندگی کٹے گی۔ مصراجی بڑے آدمی ہیں وہ ایک

روز کے بعد ایک رات کو مصرا جی میرے کمرہ میں آئے اور انھوں نے مجھ سے اپنے گھر چلنے کو کہا اور مجھ سے اس قسم کی باتیں کیں جو مجھے ناپسند تھیں۔ میں نے اُن کے ساتھ جانے اور مجامعت کرنے سے انکار کر دیا لیکن اُسی رات اُنھوں نے مجھ سے بدفعلی کی۔ مصرا جی کے اس واقعہ کے بعد میں نے نائیڈو سے کہا کہ میں خواہ کچھ بھی ہو مصرا جی کے ساتھ گوپال باغ میں نہیں رہوں گی۔ میں دن بھر روتی رہی۔ میں گوپال باغ میں ایک ہفتہ کے قریب رہی۔ ان مقامات کی نشان دہی کر سکتی ہوں۔ اس کے بعد میں کیدار ناتھ کے مکان پر لے جائی گئی جہاں قریب پندرہ دن تک رہی۔ کیدار ناتھ بیچر ہیں۔ نائیڈو وہاں روز آتا تھا۔ وہاں سے ایک دن کے لیے مجھے سینئر ڈپٹی انسپکٹر کے مکان پر لے گئے اور پھر گورکھپور پرتاب سنگھ کے یہاں لے گئے۔ میں پرتاب سنگھ کے ساتھ دس دن تک رہی اور پھر وہاں سے ہرپو سنگھ کے مکان پر لائی گئی، جہاں وہ دستیاب ہوئی ہے۔

خفیہ: رپورٹ بسلسلۂ تفتیش الزام ۳۱۳ دفعہ ۳۶۶ تعزیرات ہند

بنام نائیڈو اور ڈی۔پی۔ مصرا ملزمان

تفتیش مقدمہ ہذا جاری رہی لڑکی حسینہ نے مجسٹریٹ کے روبرو سی۔آر نائیڈو و سینئر ڈپٹی انسپکٹر کو شناخت کر کے بتایا کہ وہ جن لوگوں کے گھر میں رکھی گئی تھی اُن میں سے یہ ایک ہیں۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ ڈاکٹر جارج ڈی۔ سلوا نے اُس کا معائنہ اسی سی۔آر نائیڈو و سینئر ڈپٹی انسپکٹر کے مکان پر کیا اور یہی اُس کو لے کر لیڈی ڈاکٹر مس زیڈ ایچ قاضی کے مکان پر معائنہ کے لیے لے گیا تھا۔ لڑکی نے جبکہ وہ معائنہ کے لئے اسپتال بھیجی گئی، مس قاضی کو بھی پہچانا۔

سی۔آر۔ نائیڈو نے تسلیم کیا کہ نائیڈو اس لڑکی کو اُس کے مکان پر لایا تھا پہلی مرتبہ دیبی پرشاد سری واستو ایڈوکیٹ نائیڈو کے ہمراہ اُس کے مکان پر آیا

تھا اور انھوں نے کہا تھا کہ اس لڑکی کا ڈاکٹری معائنہ لیڈی ڈاکٹر سے کرایا جائے تب
وہ اُس لڑکی کو مس قاضی کے پاس لے گئے، انھوں نے لڑکی کا معائنہ کرکے اپنی
رائے دی کہ وہ سولہ برس سے کم قریب چودہ برس کی ہے۔ لہذا انھوں نے کوئی سرٹیفکیٹ
نہیں دیا۔ دوسرے دن لچھمن سنگھ چوہان ڈاکٹر جارج ڈی سلوا کو لے کر میرے مکان
پر آئے اور لڑکی کا معائنہ کرایا گیا۔ ڈاکٹر جارج ڈی سلوا کی رائے میں بھی لڑکی نابالغ پائی
گئی اور اُس کی عمر یقیناً سولہ سے کم تھی لہذا ان سے بھی سرٹیفکیٹ نہ حاصل کیا گیا۔

ڈاکٹر جارج ڈی سلوا سے بھی دریافت کیا گیا۔ کچھ پس و پیش کے بعد انھوں نے کہا
کہ گو وہ پولیس کو مدد دینے کے لئے قانوناً مجبور ہیں۔ مگر ایسے معاملات میں انھیں بیان
دیتے ہوئے شرم آتی ہے کیوں کہ ایسے معاملہ میں بدنامی ہوتی ہے۔ انھوں نے بیان کیا
کہ اسمبلی کی نامزدگی کے دوسرے دن وہ لچھمن سنگھ چوہان کے یہاں کاغذات وغیرہ دینے
گئے تھے۔ لچھمن سنگھ نے ان سے ایک لڑکی کی عمر کی تنقیح کرنے کے لئے اس کے ڈاکٹری
معائنہ کے لئے کہا۔ چنانچہ وہ لچھمن سنگھ چوہان کے ساتھ سی۔ آر۔ نائیڈو انسپکٹر کے مکان
پر گئے اور وہاں ایک مسلمان لڑکی کا معائنہ کیا جو نابالغ تھی کیونکہ اُس کے بغل اور شرمگاہ
پر بال نہ تھے اور دیگر علامات بھی ایسی تھیں، جن سے وہ لڑکی قریب چودہ سال کی
معلوم ہوتی تھی۔ لہذا انھوں نے لڑکی کی بلوغت کا سرٹیفکیٹ دینے سے انکار کر دیا۔
انھوں نے مزید بیان کیا کہ اگر عدالت اُن کو طلب کرے گی تو وہ سچے معاملات کا اظہار
کریں گے۔

لڑکی نے پرتاب سنگھ کو بھی شناخت کیا۔ پرتاب سنگھ نے پہلے ہی سب باتوں کو
تسلیم کرتے ہوئے اپنا مفصل بیان دے دیا ہے کہ بدر ناتھ نہیں ملا۔ اُس کا مکان مقفل ہے
یہ بھی ان میں سے ایک ہے جس نے لڑکی کو مع نانا کے اپنے گھر رکھا۔ ڈی۔ پی۔ مصرا سے
بھی سوالات کرنے کی کوشش کی گئی جب سب انسپکٹر اُن کے پاس گیا تو انھوں نے

کہلا دیا کہ وہ بہت بیمار ہیں اور چارپائی سے اُٹھنے یا باہر نکلنے کے قابل نہیں ہیں سب انسپکٹر کے سوالات سے بچنے کے لئے یہ بیماری بناوٹی معلوم ہوتی ہے کیوں کہ یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ اس کے بعد تندرست حالت میں گھومتے پھرتے دیکھے گئے ہیں۔ ان سے استفسار حال کیا جائے گا۔

۲۷ ۶/۳۷   دستخط سٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس جبلپور

لہ ترجمہ درخواست سداشیو انگلے مطبوعہ روئداد اسمبلی مورخہ ۲۰ اپریل ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۶۲۷

(بحوالہ جواب حصہ الف سوال ۵)

عرضی دہندہ:۔ سداشیو ولد وٹھل راؤ انگلے۔ سرکل ۱۵/۲ گولی بار اسکوائر ناگپور

عرضی دہندہ مندرجہ بالا بادب گذارش کرتا ہے:۔

(۱) تقریباً پانچ مہینہ پہلے وہ ناگپور میں ہندو مہاسبھا میں کام کر رہا تھا۔ یہ ایک ایسی جماعت ہے جو بزور ایسی ہندو لڑکیوں کو جن کو مسلمان اغوا کر کے یا دوسری طرح لا کر رکھ لیتے ہیں آزاد کراتی ہے۔ چونکہ ہندو مہاسبھا کا کوئی آشرم نہیں ہے لہذا کارکنوں میں سے بعض شخص ایسی لڑکیوں کو دو تین روز تک اپنے گھر میں رکھنے کے لئے مقرر کر دئے گئے تھے مارچ ۱۹۳۷ء سے مئی ۱۹۳۷ء تک ایسے منتخب آدمیوں کے (عرضی دہندہ بھی ان میں شامل ہے) پاس پندرہ لڑکیاں رہیں، ان میں سے ۱۴ مئی تک صرف تین لڑکیاں رہیں بقیہ بارہ کے متعلق کچھ نہیں معلوم کیا ہوا۔ نہ تو ان کی شادی کی گئی اور نہ ہی وہ کسی کے سپرد کی گئیں۔ اس جماعت کا سرغنہ جگنا تھ پرشاد رہا تھا۔

(۲) لاجپت رائے آشرم اور دہلی کی ایسی دو جماعتوں کے ہندو لیڈران لڑکیوں کو لے جاتے ان کی اصلی ذات کو چھپا کر دوسری ذات ظاہر کر کے۔ ان کی شادیاں کرنے اور ان کو اچھی خوبصورت لڑکیاں بتلا کر اخلاق سوز حرکتیں کرانے۔ مندرجہ بالا

جماعتوں کے ناظم اس جرم کے سلسلہ میں اپریل ۱۹۳۷ء میں سزایاب بھی ہوئے - اسی زمانہ میں مقامی جماعت کے ناظم مسٹر دریاؤ دو تین مرتبہ دہلی اور لاہور گئے اور اسی زمانہ میں بارہ لڑکیاں غائب ہوئیں جن کا اب تک پتہ نہیں چلا - جب عرضی دہندہ کو دہلی والوں کی سزایابی کا پتہ چلا تو اس نے جگدیش پرشاد دریاؤ سے دریافت کیا کہ انہوں نے ان لڑکیوں کا کیا کیا بس اسی وقت سے سداشیو اور ہندو مہا سبھا ناگپور کے دوسرے کارکنوں کے درمیان تعلقات خراب ہونے شروع ہو گئے -

(۳) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پندرہ مئی ۱۹۳۷ء کی شب کو مسماۃ دروپدی عرف چھوٹی کو مہا سبھا کے ان آدمیوں نے دی - واگھ اور دریاؤ کے ذریعہ سداشیو کے مکان سے ہٹا کر اسی شب کو کسی نامعلوم جگہ پر پہنچا دیا - اور سداشیو پر زور ڈالا گیا کہ وہ اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کرے لیکن اس نے ان کی ایک نہ سنی اور پولیس میں رپورٹ کر دی اس نے تمام تفصیل کی تحریر دیں لیکن چونکہ عرضی دہندہ ہندو مہا سبھا اور اس کے کارکنوں کے خلاف تھا سرکل انسپکٹر پولیس نے کہا کہ یہ بات ایسی نہیں ہے جو پبلک میں لائی جائے اور خصوصاً جبکہ ایک ہندو شکایت پیش کرے - اس معاملہ کو دبانے کی غرض سے سداشیو پر سات آٹھ مرتبہ حملے کئے گئے اور ایک مرتبہ پانچ چھ آدمیوں نے مل کر اس کو مارا ہر مرتبہ پولیس میں رپورٹ کی گئی لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی -

(۴) بالکل ایسا ہی ایک واقعہ پنڈت درانگ کینی کا ہے - اس کی بیوی کو ان مہا سبھائی آدمیوں نے اغوا کیا ہے - اور پولیس نے اس معاملہ کو بھی دبا دیا - اس کے علاوہ اور لوگ بھی ہیں جن کے ساتھ یہ حرکت کی گئی - اور پولیس خاموش رہی : -

۲ - لہانو گوشٹی سرکل ۱۷

۳ - مسماۃ کلثوم بی زوجہ صمد موٹر ڈرائیور سرکل ۸ وغیرہ

(۵) ۳۰ اگست ۱۹۳۷ء کی شام کو تقریباً ساڑھے گیارہ بجے شب کو مسٹر دریاؤ اور اس کے

ساتھیوں کے پانچ چھ آدمیوں نے درخواست کنندہ پر حملہ کیا۔ اس کی اطلاع بھی پولیس کو اسی رات کر دی گئی اور ۳۱ اگست ۱۹۳۷ء ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس ناگپور کو درخواست بھیجی گئی۔ اس نے ڈاکٹری سرٹیفکیٹ ڈاکٹر باجرہ نواس سے ۳۱ اگست ۳۷ء کو حاصل کیا۔ درخواست کو تحقیقات کے لئے کوتوالی شہر کو بھیجا گیا۔ اور یہ جرم دفعہ ۱۴۷ د ۳۲۶ء تعزیرات ہند قابل دست اندازی پولیس سمجھا گیا۔ درخواست کو یہ کہہ کر داخل کر دیا گیا کہ درخواست کنندہ لاپتہ ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ کوتوالی میں روزانہ چار مرتبہ جاتا رہا لیکن اس سے اس کے متعلق کوئی بات دریافت نہیں کی گئی۔ اس پر زور ڈالا گیا کہ وہ اس معاملہ میں سمجھوتہ کرے۔ ورنہ رپورٹ اس کے خلاف کر دی جائے گی۔ لیکن درخواست کنندہ نے اس کو منظور نہ کیا۔ اور جب پولیس نے اس معاملہ کو اور دوسرے مظلوموں کی درخواست پر کارروائی کرنے سے انکار کر دیا تو اس کو طرح طرح کی دھمکیاں دی گئیں۔ دو مقدمہ فوجداری صاحب اڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ناگپور مسٹر سی۔ای کلاڈبیس کی عدالت میں دائر کئے گئے ہیں:۔ مقدمہ فوجداری ۶۴/۳۷ زیر دفعہ ۳۶۵ ۳۶۶ الف، ۳۶۸ اور ۳۷۲ تعزیرات ہند۔ مقدمہ فوجداری ۵۰/۳۷ زیر دفعہ ۳۶۶ و ۳۶۶ الف۔

(۴) ان دو درخواستوں سے ہندو مہاسبھا کی سیاہ کاریوں کے بہت سے راز افشا ہو گئے اس لئے ہندو مہاسبھا کے ان لوگوں نے جو ان درخواستوں میں شامل نہیں ہیں درخواست کنندہ کے لئے بہت سی مشکلات پیدا کیں پولیس پر تو ان کا قابو چل گیا لیکن عدالت میں کچھ پیش نہ گئی۔ اب ان لوگوں نے درخواست کنندہ پر جھوٹا الزام لگا کر پھانسنا چاہا۔ ۸ ستمبر ۱۹۳۷ء کو مسماۃ دھرین ایک طوائف کو اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ وہ درخواست کنندہ اور دیگر لوگوں کے خلاف جھوٹی درخواست دے اس کی تحقیقات مسٹر جادوجی سرکل انسپکٹر پولیس ناگپور نے کی اور جرم ۱۶ ستمبر ۱۹۳۷ء کو درج رجسٹر کر لیا

گیا۔ درخواست کنندہ کو سٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس نے بلوایا اور چاؤجی سرکل انسپکٹر نے گالیاں دیں۔ اور درخواست کنندہ کو یہ دھمکی دی گئی کہ اگر وہ مقدمات فوجداری ۳۷/۶۴ و ۳۷/۵۰ واپس نہیں لے گا تو اس پر الزام لگا کر جیل خانہ میں بھیج دیا جائے گا۔ یہ سب کچھ سٹی سپرنٹنڈنٹ کے سامنے ہوا اور انہوں نے اس کو بخوبی سنا۔ جرم کے درج رجسٹر ہونے سے پہلے درخواست کنندہ ایک درخواست ۱۷ ستمبر ۱۹۳۷ء کو ساڑھے تین بجے شام کو ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ کی خدمت میں دے چکا تھا۔ اور جب وہ سٹی سپرنٹنڈنٹ کی پیشی سے واپس ہوا تو اس نے آنریبل پرائم منسٹر سی۔ پی۔ انسپکٹر جنرل اور ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس سی۔ پی۔ صاحب ڈپٹی کمشنر اور ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس ناگپور کی خدمت میں درخواستیں روانہ کیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس معاملہ میں درخواست کنندہ کا چالان نہیں ہوا اس کا سبب وہی خوب جانتے ہیں جو اس مقدمہ کو درج کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ ●

(۷) درخواست کنندہ ہندو مہاسبھا کی سیاہ کاریوں کو طشت از بام کر رہا ہے اس لئے وہ اس کو کسی جھوٹے الزام میں ملوث کرنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کو تین اخبار بھی مدد دے رہے ہیں:۔ (۱) سادھن۔ ناگپور میں پورا ایک صفحہ چھپا اور بہتھر (زخم اور نمک) کے عنوان سے شائع ہوا ہے تاکہ ہندوؤں کے جذبات ابھار کر فرقہ وارانہ فساد کی بنیاد ڈالے یہ بھی درخواست کنندہ نے ظاہر کیا ہے۔ اسی وجہ سے یہ لوگ درخواست کنندہ کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالنے کی فکر میں ہیں۔ اور اس کو جھوٹا الزام لگا کر جیل میں بھیجنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو ان لوگوں نے جن کے خلاف اس نے پانچ چھ درخواست دی ہیں ایک جھوٹی درخواست، درخواست کنندہ اور دیگر لوگوں کے خلاف دی۔ سٹی سپرنٹنڈنٹ نے موقعہ پر تحقیقات کئے بغیر فوراً اس پر کارروائی کی اور جن لوگوں کے خلاف درخواست دی گئی تھی ان کو بلائے بغیر اس درخواست کنندہ (سداشیو) کے خلاف فیصلہ کر لیا۔ اس کی اطلاع (موجودہ) درخواست دہندہ کو گوکل سنگھ سب انسپکٹر نے ڈسٹرکٹ کورٹ کے احاطہ میں ۵ نومبر ۱۹۳۷ء کو دی

(۸) یکم نومبر ۱۹۳۷ء کو درخواست کنندہ کو شہر کوتوالی میں بلوایا گیا۔ اور مقدمات فوجداری کو واپس لینے کے لئے کہا گیا۔ اس کو بتایا گیا کہ ہندو ہوتے ہوئے وہ مہاسبھا کو بدنام کرتا ہے یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اس کو اپنی اس حرکت پر شرم آنی چاہیئے اس پر یہ بھی الزام لگایا گیا کہ یہ سب کچھ مسلم لیگ اور کانگریس کے ابھارنے پر کیا جا رہا ہے۔ اس سے یہ بھی کہا گیا کہ بے وقوف اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ اس معاملہ میں وہ خود کیسی مصیبت میں پھنس جائے گا اور کیا نقصان اُٹھائے گا۔ اس وقت نہ تو مسلم لیگ مدد کرے گی اور نہ کانگریس منسٹر اُس کو بچائیں گے یہ سب سٹی سپرنٹنڈنٹ اور مسٹر چاد جی نے کہا تھا۔ اس سے کہا گیا کہ معاملہ کو اچھی طرح سمجھ لے ورنہ پچھتائے گا۔ یہ واقعہ پانچ چھ مرتبہ ہوا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مقامی پولیس ہندو مہاسبھا کو پورے طور پر مدد دے رہی ہے۔ یہ بات اور بھی صاف ہو جاتی ہے کہ جگدیش پرشاد وہاں برابر سٹی کوتوالی میں جاتا رہتا ہے اور اس تنازعہ سے پہلے درخواست کنندہ بھی اس کے ساتھ کئی مرتبہ گیا ہے۔

(۹) درخواست کنندہ ان الزامات کو ثابت کرنے کے لئے تیار ہے۔ بشرطیکہ تحقیقات سی آئی ڈی کے ایسے افسر سے کرائی جائے۔ جو نہ ہندو ہو اور نہ مسلمان۔ عیسائی ہو یا انگریز۔

(۱۰) ۲۲ر اکتوبر ۱۹۳۷ء کے بعد جگدیش پرشاد کے بھانجے نے جو ہندو مہاسبھا کا سیکرٹری بھی ہے درخواست کنندہ اور دیگر لوگوں کے خلاف سٹی سپرنٹنڈنٹ کی خدمت میں درخواست پیش کی اس سے قبل یہ درخواست کنندہ اُس شخص کے خلاف ۷ یا ۸ درخواستیں دے چکا تھا۔ لیکن مقامی پولیس نے اس پر کوئی کارروائی نہیں کی۔ برخلاف اس کے اس کی صرف ایک درخواست پر فوراً کارروائی کر لی اور موجودہ درخواست کنندہ کو بہت پریشان کیا۔ اس سے بالکل صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مقامی پولیس مہاسبھائی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔

گذارش

درخواست کنندہ یہ گذارش کرتا ہے کہ ہندو مہاسبھا کے خلاف قانون فوجداری

کے ماتحت ایک ایسے سی۔ آئی۔ ڈی افسر کے زیر نگرانی اس معاملہ کی تحقیقات فوراً شروع کر دی جائے جو نہ ہندو ہو اور نہ مسلمان۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ اور مقامی کوتوالی پر ایسے افسران کا تقرر کیا جائے کہ یہ سازش ختم ہو جائے اور مظلوم اپنی داد کو پہنچ سکے انتظام اور عدل کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کی سخت ضرورت ہے کہ سٹی سپرنٹنڈنٹ سرکل انسپکٹر چاؤجی اور سب انسپکٹر اونکار سنگھ کا فوراً تبادلہ کر دیا جائے۔

ناگپور
۱۰ رنومبر ۱۹۳۷ء

عرضی
دستخط۔ ایس۔ ڈی۔ اپکلے

ترجمہ حکم ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ برہان پور بابت مسجد لوہاری منڈی محررہ ۲۶ جون ۱۹۳۹ء مجریہ ۱۱ جولائی ۱۹۳۹ء

آرڈر

جون ۲۶، ۱۹۳۹ء۔ جولائی ۱۱، ۱۹۳۹ء

مجھے اطلاع ملی ہے کہ برہان پور قصبہ کے دروازہ لوہاری منڈی کے باہر موضع آئمہ گردہ کے علاقہ میں ایک مسجد زیر تعمیر ہے میرے سامنے مسٹر جی۔ آر۔ ہرمد ار کی ایک درخواست مورخہ ۴ مئی ۱۹۳۹ء ہے جس میں یہ واقعہ میری اطلاع میں لایا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ جب ۱۹۳۴ء میں اسی موضع کے ایک دوسرے حصہ میں ایک عمارت موسوم بہ سلیم پورہ درگاہ کی مرمت ہوئی تھی تو کافی فرقہ دارانہ کشیدگی اور مشکلات پیدا ہو گئی تھیں، جس کا سبب اس عمارت کے سامنے جلوس کا باجہ کے ساتھ گذرنے کا مسئلہ تھا۔ تعمیر کا کام میونسپلٹی سے اجازت کے ملنے تک رکا رہا تھا۔ اب جبکہ اجازت مل گئی ہے میں سمجھتا ہوں کہ کام شروع کیا جا رہا ہے اور اس وجہ سے یہ مسئلہ سامنے آگیا ہے۔

۲۔ اس حکم میں میرا تعلق مسئلہ کے اس پہلو سے ہے جس کے فرقہ دارانہ ہنگامہ اور نقض امن کی طرف رخ کرنے کا امکان ہے۔ یعنے مسجد کے سامنے باجہ کا مسئلہ ہر سال کم از کم ایک

جلوس جو سکھ اپنے گرو کا جنم دن منانے کے سلسلہ گردوارہ سے شہر کی طرف لے جاتے ہیں اس سڑک سے مسجد کے موجودہ جائے وقوع سے ہو کر گذرتا ہے - اور دوسرے بھی جلوس ہو سکتے ہیں جو ممکن ہی موجودہ تعمیر کے سامنے سے ہو کر گذریں - لیکن ان کا تعین اس موقع پر نہیں کیا جا سکتا - اِن حالات میں یہ ظاہر ہی کہ اگر اس جگہ پر باجہ بجانے کے متعلق وقت پر احکام نہ صادر کر دیئے گئے اور واضح الفاظ میں اس کی اطلاع پبلک کو نہ دیدی گئی تو کسی وقت فرقوں کے درمیان باہمی ٹکر ہو جا سکتی ہی -

۳ - دوسرا مسئلہ سوال زیر بحث کے متعلق صحیح نتیجہ پر پہنچنے کا ہی ، اسی موضع کے پیلم پوڑ درگاہ کے معاملہ کے سلسلہ میں چیف سیکرٹری حکومت صوبہ متوسط محکمہ جنرل ایڈمنسٹریشن نے جو یادداشت ۱۰۹۱ - ۶۶۶۹ / ۴ مورخہ ۷ جون ۱۹۳۴ء کمشنر جبلپور ڈویژن کے نام بھیجی تھی اُس میں یہ درج ہی :-

"پارہ ۲

برہان پور میں جس قاعدہ پر عمل کیا جاتا ہی وہ یہ ہی کہ جلوس کا باجہ مسجد کے سامنے سے گذرتے وقت بند کر دیا جاتا ہی - یہ قاعدہ ۱۸۹۰ء میں بنا تھا - اور چونکہ یہ قاعدہ ایک عوامی حق پر اثر انداز ہوتا ہی اس لئے اس کا اطلاق صرف عبادت گاہوں پر ہونا چاہئے جو اس وقت جبکہ یہ قاعدہ بنا تھا معرض وجود و استعمال میں تھیں یعنے ۱۸۹۰ء میں - نہ کہ اُن پر جو بعد میں قائم ہوئیں یا زیر استعمال لائی گئیں -

اس حکم کے پیش نظر میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ صرف اس سوال کو طے کرنا ہی کہ آیا ۱۸۹۰ء میں مقام زیر بحث پر کوئی مسجد تھی یا نہیں - اس تحقیقات کا تعلق گذشتہ پچاس سال کے زمانہ سے ہی اس لئے زبانی شہادتوں کا مبہم اور ساقط الاعتبار ہونا لازمی ہی -

۴ - اس لئے میں صرف دستاویزی ثبوت سے مدد لوں گا ۱۸۶۸ء کی مسل بندوبست

میں یہ رقبہ ایک ...... زمین بقبضہ رام چندر باپوجی برہمن دکھائی گئی ہے۔ ۹۷-۱۸۹۶ء کی مسل بندوبست میں اس کا اندراج بہ نوعیت "معافی خیراتی قطعہ زمین بقبضہ عرفان علی شاہ ولد چراغ علی شاہ فقیر" ہے۔ مسل بندوبست ۱۳-۱۹۱۲ء میں یہ رقبہ "عرفان علی شاہ کی معافی خیراتی زمین" بتایا گیا ہے۔ خسرہ بندوبست کے کالم ۱۲ میں اس خسرہ نمبر کے سامنے یہ درج ہے کہ ۰۔۲۱ ایکڑ اس رقبہ کا قبرستان ہے اور ۰۔۲۰ ایکڑ آبادی ہے ۳۹-۱۹۳۷ء کے خسرہ میں یہ نمبر مالگذاری کے تراب علی شاہ کے قبضہ میں دکھایا گیا ہے۔ تمام رقبہ پڑتی دکھایا گیا ہے اور ریمارک کے خانہ میں یہ درج ہے کہ اس قطعہ کے ایک حصہ میں ایک ..... (چھپر) اور قبرستان ہے، سابقہ بندوبست کے کاغذات میں مسجد کے لئے خاص علامت مستعمل ہوئی ہے اور تمام سابقہ نقشہ جات بندوبست میں مقام زیر بحث پہ مسجد کی علامت نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جہاں تک کاغذات بندوبست کا تعلق ہے ۱۸۶۸ء سے لے کر اب تک مسجد کی کوئی علامت اس مقام پہ نہیں تھی۔

۵۔ لہذا یہ معلوم ہوگا کہ اس مقام پہ جہاں ایک نئی مسجد تعمیر کرنے کی تجویز ہے کبھی کوئی مسجد موجود نہ تھی۔ اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ اب تک جلوس باجے کے ساتھ ہماری منڈی دروازہ تک جایا کرتے ہیں۔ اس لئے میں یہ حکم دیتا ہوں کہ اگر اور جب یہ عمارت مکمل ہو جائے جلوس باجہ کے ساتھ اس راستہ سے اور اس عمارت کے سامنے سے مسلسل باجہ بجاتے ہوئے گذریں گے اور اس مسجد کے سامنے باجہ نہیں روکا جائے گا۔ میں خاص طور سے کافی وقت پہلے یہ حکم صادر کر رہا ہوں اس لئے کہ اگر کسی کو عذر ہو تو اسے قانونی ذرائع سے باجہ بند کرانے کے حق تسلیم کرنے کے لئے دیوانی عدالت جانے کے واسطے کافی وقت مل جائے۔ اس وقت کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ہوگا کہ جس وقت تعمیر ہو رہی تھی انہیں اس کا گمان نہ تھا کہ اس قسم کا حکم نافذ کیا جائے گا اور چونکہ مسجد بن گئی اس لئے جلوس والوں کو باجہ بند کرنا

چاہیئے اور اب اتنا وقت نہیں ہے کہ دیوانی عدالت کی طرف رجوع کیا جائے۔ سرکاری کاغذات میں ۱۸۶۸ء سے اس مقام پر کسی مسجد کے وجود کا اندراج نہ ہونے کے باعث یہ حکم دیا جانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جلوس کا باجہ اس مقام پر بند نہیں کیا جائے گا تاوقتیکہ وہ لوگ جو اس عمارت کی تعمیر کے ذمہ دار ہیں کسی مستند قانونی عدالت سے اس کے خلاف حکم حاصل نہ کرلیں۔

دستخط وی۔ بی۔ بنگالے

اے۔ ڈی۔ ایم۔ نماڑ

مہر عدالت — ۱۱ر جولائی ۱۹۳۹ء (برہان پور)

جون ۲۶ر ۱۹۳۹ء — ۲۶ر جون ۱۹۳۹ء

بنام مسٹر عزیز الدین ولد نصیر الدین۔ لوہاری منڈی۔ برہان پور

D.S.P.Jabalpur

Cr No 313/366 IPC accused Nana Naidu and D.P.Mishra

Investigation in the case continues.As yet no trace of Nana Naidu or the girl Hasina could be had. On reciept of certain information that Nana and the girl Hasina are at Cawnpur,Head Constable Mahabir who is acquainted with Cawnpur has been sent to Cawnpur.In this connection,I had already written on 24th May 37 to City Supdt Cawnpur,as RameshwarPd Mishra,brother of D.P.Mishra resides at Mohalla Tapeshwri Devi Cawnpur,but nothing was heard from C.S.Cawnpur.

The mother of the girl has put in an application alleging that as big persons are involved,it is possible that her girl might have been killed.This is also being kept in view.She also alleged that Tantiya Naidu and one Amboo had been to her and wanted a document to be executed granting permission to Naidu to marry Hacina.This Tantiya is a brother of Nana and is employed in G.C.Factory.Tantiya denied the allegations and admitted having gone to the house to get the details of allegations against his brother,who he alleges is not on good terms with him.

There are various rumours about this case.The móst prevelant is that D.P.Mishra and Seth GovindDass are doing their best to see that no clue of the fugitives is given to the Police,and are doing their utmost to keep concealed at whereabouts of Nana.

City Supdt of Police
Jubalpur

8/6/37

Brief Statement of Musammat Hasina

Confidential.

CITY KOTWALI, JUBBULPORE

Hasina d/o Mohammad Hanif) On the day Cherital fire
Of Mohalla GortaPhatak Jabalpur) took place Nana Naidu
came to my house at about 7-30 or 8 p.m.in the absence of my mother.Prior to this visit,Nana Naidu had visited my house three or four times and had talks with my mother. I do not know what talks they had,nor I had seen any notes or money being shown to my mother,as I used to observe Pardah,and the house being small,I used to go out when any outsiders came and sit at the house of neighbour Badshah Mussalman.On the visits of Naidu I did the same. The day when the Cheritai fire took place,my mother as is his her custom went to the Bazar.This may be about the dusk time,or even when it is dark.That day when my mother was out Nana Naidu came and told me that I was wanted by my mother outside the house.When Naidu came I was inside the house about to start cooking bread and attending to my small brother and sister. I went out of the house. He asked me to come little further,when I enquired as to where was my mother.Some little distance away there was a car standing.As soon as we neared the car he forcibly put me in the back seat of the car.All the time Nana was telling that Ishould not be afraid as my mother was there and she wanted me. I began to shout and cry.Nana began to blow his horn and drowned my voice.There was one more man sitting in the front seat of the car. I could not identify him as it was dark and I got very much nervous and afraid afraid.I was immedietelytaken to GopalBagh.There is small room in Gopal Bagh,which I can point out.I was taken there.This room had a window at the back,and there are wooden bars,two of the wooden bars are missing.I was forci bly raped that night by Nana Naidu.Nana raped me that night several times. When ever he used to go out,the front door used to be locked.I did my best to get away,and requested Naidu that I

was recovered from the coat pocket of Hardewsingh.
Adarsh Chitrala is the film Office of the Film
Company of GovindDass.in whose management D.P.Mishra has a
full hand.Hardewsingh and Pratapsingh since admitted that
Nana is at Bombay at the above address.Pratapsingh is
employed as Motor Superintendent in Cantonment Board
Jubbulpore and draws 100/-as pay and resides at Gorakhpur.
The search of his house failed to recover any correspondence
etc.Pratapsingh had given out that 60/- were brought by
Narayan driver of D.P.Mishra for sending the girl with
Hardewsingh to Bombay.The amount 50/- minus the expences
has been recovered.S.I.Verma has been sent to Bombay to effect
the arrest of Nana.The individual mentioned as Bannerji in
the address is the chief lieutnant of D.P.Mishra,and passes
most of his time with him at GopalBagh.When the Police searched
for Nana at GopalBagh he was found at Gopalbagh.

(4) The girl Hasina has not been fully questioned as
yet.The discovery,and her meeting with her mother,and sisters
and young brother rather unnerved her,and she complained of
severe headache,and sickness.What statement she gave shows that
she was at Gopalbagh,was also locked in a room against her will
and besides Nana,D.P.Mishra also met her at Gopalbagh.The
Investigating Officer also had not much time today to question
the girl at length,being busy in searches and other important
matters of the case.

[signature]

City Superintendent of Police

Jubbulpore

21/4/37

may be released but he did not agree. This continued for 5/6 days. Nana used to bring food. Whenever I used to feel call of nature, Nana used to place a chair on the cot, and used to made me pass between the two missing wooden bars of the window at the back. Here there are long rows of empty and deserted houses and wall of the houses. I used to ease myself there. All these days Naidu used to impress on me that I will have to stay within the house of Mishraji(D.P.Mishra) where I will pass a very good and easy life. He is a big man. After day or two of my being in the GopalBagh one night Mishraji came to the room, and explained to me to go with him to his house and began to talk in a manner which I did not like. I refused to go and also did not agree to his having sexual intercourse with me, but he had sexual intercourse with me that night. After this incident with Misnraji, she got very disgusted and told Naidu that whatever may happen, she will not stay any longer with Mishraji in the Gopalbagh, and coninued crying for the whole day. I stayed for about a week in Gopalbagh and can point out these places. I was then taken to the house of Kedarnath, and stayed with him for 15 days or so. Kedarnath is a teacher and Nana used to visit me regularly. From here, I was taken to the house of Sanitary Inspector for a day and then taken to the house of Pratabsingh in Gorakhpur, and stayed with him for about 10 days, and from here taken to Hardewsingh's house from where she was recovered.

Progress report of the investigation of

Cr No.313/366 IPC accused D.P.Mishra and Nana Naidu.

Confidential.

Investigation in the case was continued. The girl Hasina has made a statement, a brief of the same is submitted herewith. She has given out various points in her statement, which are being verified.

She was produced before C.S. and Lady Doctor and ~~xxxx~~ it has been certified that the girl ~~xxxxx~~ is aged about 16 years. Her age is being fixed definitely by further asking the C.S. and getting her age certificate from Bhopal

S.I.Verma returned from Bombay and failed to trace and arrest Naidu. Bombay Police have been given necessary details.

Hasina was not well and had fever, but is well since yesterday. An identification has been arranged which will take place before a Magistrate on 27/6/37, in which important persons concerned in the case will be identified by the girl. Identification of Mishra will be held after necessary consultation, and after the girl points out all the ~~xxxx~~ relevant places on 27th.

Hardewsingh Bais, in whose house the girl was recovered, and Pratabsingh are prepared to make full statements implicating NanaNaidu. Hardewsingh's wife is a Christian woman said to have been brought from Bombay. This is being further verified.

[signature]

City Superintendent of Police

26/6/37 Jabalpur

Progress report of the investigation of
Cr No. 312/366 IPC accused Nana Naidu and
D.P.Mishra

No. Dated 19

CONFIDENTIAL

Investigation in the case was continued, and during the last fortnight on more than one occasi-on several informations were received about the accused Nana and the girl Hasina, and were worked out without success.

Head Constable SunderLal brought in an information, that a young Hindu girl, wearing Sari and putting on dress like a Hindu has arrived in Mohalla Baantalaiya couple of days back and is being taken to Bombay. She is at the house of Hardewsingh Bais. This was worked out, and with the help of a neighbouring female, with some difficulty, the descriptive roll of the girl was obtained, which tallied with the missing girl Hasina. The house was raided. Hardewsingh first denied that any girl was within the house, but when he was told that the girl was decidedly within the house and the doors will be broken open, he admitted and the girl was found, which has since been identified by the mother as Hasina. Hardewsingh first said that he found the girl begging and hence he gave her protection. This was an obvious lie, owing to the nice clothes etc of the girl. He had to be arrested and soon came round. He admitted that the girl was brought to him by his nephew who is a great freind of Nana and that he was taking the girl to Bombay. In the search of the house, bedding and box of Hardewsingh pecked and tied for journey were found. On opening them clothes of the girl with Hardewsingh were found. A peice of paper in the handwriting of Pratabsingh, nephew of Hardewsingh, who brought the girl was found. On this the name of Bannerji, Alarah Circle, Lexington Road Bombay, the address where the girl was being taken

CONFIDENTIAL D.S.P. JUBBULPORE.

HO-Cr No.313/366 IPC of 1937
Accused Nana Naidu and D.P.Mishra

Head Constable Bhaiyalal returned from Seoni and reported that it was found that about 10 days ago Nana Naidu and the girl Hasina had been to Seoni but left after a stay of two days. The girl was kept by Nana with a cousin of his, but took her away after two days.

Head Constable Abdul Latif returned from Bhopal, no ~~matirnas~~ entries regarding the birth of the girl could be traced. Further efforts are being made in this connection.

Nana Naidu could not be traced in spite of efforts. It is learnt that there is a brother of D.P.Mishra at Cawnpur, and information is that the girl has been sent to Cawnpur and Nana has gone there. Cawnpur Police have been intimated to do the needful.

Information was recieved from one Ramswaroop that he saw Nana yesterday at about mid day going in a green car towards Municipal C[illegible], and was coming from Cantt side. This is being verified and worked out.

The mother of the girl reported that there is a rumour that the girl wil be converted to Hinduism by Aryas and married to Naidu and then brought to Jubbulpore and produced in Court. So far no direct support of this rumour could be had.

Seth GovinDass, and D.P.Mishra are trying their best to delay matters, and it is understood that Nana Naidu is hiding at the instance of these two.

said that if the court calls him he will state the truth.

The girl also identified Pratabsingh, as the other man who sheltered her. Pratapsingh has already admitted every thing and has given a detailed statement.

KedarNath was not found, his house was locked. He is also one of the persons who kept the girl with Nana.

Efforts to question D.P.Mishra were made. When approached by the S.I. he said that he was very ill and in bed and not in a fit condition to come out. The sickness it appears was assumed and he wanted to avoid being questioned by the S.I. as it was found that he was seen moving about later on, and in a fit condition. He is being questioned.

[illegible] Ahmed Khan
City Supdt Police.

27/6/37
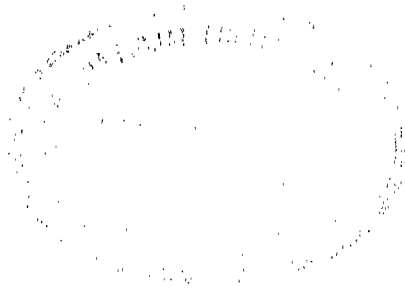
CONFIDENTIAL

There is further information to hand that another Naidu a Municipal employee was keeping Nana in his house at the instance of D.P.Mishra but efforts to locate him there failed. Dated 193

Some persons went to Mr Dutt Barrister and consul-ted him about the production of the girl in court, and it is said that Nana also accompanied them. This was not fully corroborated.

Every effort is being made to trace the girl and Nana.

City Supdt of Police

24/5/37 Jabalpur

Copy D.M. also